

# حلال و حرام

اپنے اعمال اور عبادات کو حرام امور سے محفوظ کر کے  
اللہ کریم کی رضا اور جنت کے حصول کا طریقہ کار

**www.KitaboSunnat.com**



تالیف: علامہ یوسف القرضاوی

فضيلة الشيخ صالح ابن فوزان

تعلیقات و حواشی: فضیلتہ محمدی ناصر الدین الکنانی

توضیحات و نظر ثانی: ابو الحسن مہشور احمد ربانی اعداد و اضافہ: محمد طاهر نقاش



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

### ☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

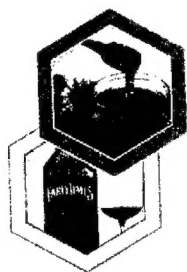
ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

[kitabosunnat@gmail.com](mailto:kitabosunnat@gmail.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



اسلام میں

حلال و حرام

www.KitaboSunnat.com



جملہ حقوق اشاعت برائے دارالاجلہ محفوظ ہیں

سید احمد علی

طالوعه

تأليف ..... علامہ یوسف القرضاوی

تعليقات وحواشي: ..... محمد ناصر الدين الألباني

مظفر ثانی : ..... **الوحسین مبین جد ربانی**

رجوع ..... شمس بنزادہ

شاعت اول..... مئی 2013

پاکستان میں ہماری سب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

البريد - 3723059 - دار السلام لثوبم 37232470 - مكتبة دار السلام 37230585 - مكتبة الخويطر 37237184 - مكتب دار السلام 37230510

اسماء الغنيمي 3735b:587 - نعماني شيد شوت 37321805 - كنجيد مراني 37724228 - كنجيد دارا فندي 37639557 - 37197812

البلات (تیسوا) 042-35717842 گلبرگ 042-35717842 ماڈل ٹاؤن 042-35942733

[illegible][illegible]

الخط: 2781458 - الهاتف: 2251426 - الفاكس: 22514378 - 0321-8914008 - البريد الإلكتروني: info@alsharq.com

طابعی - مکتبہ دارالقرآن، 021-3221-9999، مکتبہ خانہ لکڑی، 32828034۔

١٤٢٠ هـ - ١٩٩٨ م

03/10-6E28D21, G41 267293M2 - حقبة الجليد: يثاقين لظروف الجلاء - 6311274

شماره میزبان: 714720 - پیدار: مجله هنر و ادبیات - 0333 7817764 - واوینس: البراز 051-4541148

علائقہ - مختار، تاجپور، جامعہ اسلامیہ، کلاں 052-4581911 کراچی 0332-8787888

دائرة الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز  
 0300-4453358, 042-37361428

شہر وری ٹوبہ: اللہ تعالیٰ سے فضل و کرم اور انسانی زیادہ و طاقت کے مطابق ہم نے اس کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ خاص طور پر عربی نسخہ نگار اور ترمیم کے علاوہ تصحیح و ترمیم میں پوری طرح احتیاط کیا ہے۔ لیکن پھر بھی بشری تقاضے کے تحت اگر کوئی غلطی رہی ہو تو گزارشہ کر مصلحت فرمائیں۔

”سندھ انڈیشن میں افسر کا الزام مروجہ احادیث سے نکلا۔ (ان شاء اللہ) (ادارہ)







کے نام سے شروع کرتا ہوں  
جو بڑا ہی مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے



## آئینہ اسلام میں حلال و حرام

- حرف تمنا:..... گیارہ سال بعد..... حلال اور حرام دونوں واضح ہیں ----- 17
- تقریظ:..... یہ کتاب ہر طالب علم اور مرد و زن کے پاس ہونی چاہیے ----- 21
- دستور الہی سے ----- 25
- کتاب کی اشاعت کے لیے مصنف کا خصوصی اجازت نامہ ----- 26
- پیش لفظ:..... تقلید کی جگہ بندیاں تحقیقی کام کے رک جانے کا باعث ----- 28

### باب 1

## حلال و حرام کی پہچان

- تعریف ----- 34
- تمام اشیاء اصلاً مباح ہیں ----- 36
- تحلیل و تحریم اللہ ہی کا حق ہے ----- 42
- حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا شرک کے قبیل سے ہے ----- 45
- حرام چیزیں باعث مضرّت ہیں ----- 49
- حلال حرام سے بے نیاز کر دیتا ہے ----- 51
- جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے ----- 52
- حرام کے لیے حیلے بہانے تلاش کرنا بھی حرام ہے ----- 53
- نیک نیتی، حرام کو حلال نہیں کرتی ----- 55
- حرام میں مبتلا ہو جانے کے اندیشہ سے مشتبہات سے بچنا ----- 58
- حرام، سب کے لیے حرام ہے ----- 59
- ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں ----- 61

## مسلمان کی انفرادی زندگی میں حلال و حرام

- ماکولات و مشروبات ..... 64
- برہمنوں کے نزدیک جانور کو ذبح کرنے اور کھانے کا مسئلہ ..... 64
- حرام جانور، یہود و نصاریٰ کے نزدیک ..... 65
- جاہلیت میں عربوں کے نزدیک ..... 66
- اسلام نے پاک چیزوں کو جائز قرار دیا ..... 66
- مردار کی حرمت اور اس کی مصلحتیں ..... 68
- بہائے ہوئے خون کی حرمت ..... 69
- سور کا گوشت ..... 69
- غیر اللہ کے لیے نامزد کردہ جانور ..... 70
- مردار کی قسمیں ..... 70
- مردار کی ان قسموں کو حرام کرنے کی مصلحتیں ..... 71
- استھان کا ذبیحہ ..... 72
- مچھلی اور نڈی مردار کے حکم سے مستثنیٰ ہیں ..... 73
- مردار کی کھال، ہڈی اور بال سے فائدہ اٹھانا ..... 74
- مجبوری کی حالت مستثنیٰ ہے ..... 76
- علاج کی مجبوری ..... 77
- فرد کی مجبوری اس صورت میں باقی نہیں رہتی جب معاشرہ اس کی ضرورت پوری کر دے ..... 78
- ..... ذبح کرنے کا شرعی طریقہ ..... 79
- سمندری جانور سب حلال ہیں ..... 79
- حرام بڑی جانور ..... 80
- مانوس جانوروں کی اباحت کے لیے ذبح کرنے کی شرط ..... 82

- 82 ----- ○ شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کی شرائط
- 85 ----- ○ ذبح کرنے کے اسلامی طریقہ کی حکمت و مصلحت
- 86 ----- ○ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی مصلحت
- 87 ----- ○ اہل کتاب کا ذبیحہ
- 88 ----- ○ جو کینساؤں اور تہواروں کے لیے ذبح کیا جائے
- 89 ----- ○ الیکٹرک شاک، ذبیحہ اور بند ڈبوں کے گوشت کا حکم
- 91 ----- ○ مجوسیوں وغیرہ کا ذبیحہ
- 92 ----- ○ قاعدہ جو چیز نظروں سے غائب ہے اس کی تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے

### ... شکار ...

- 93 ----- ○ وہ شرائط جو شکاری سے متعلق ہیں
- 95 ----- ○ جس کا شکار کیا جائے اس سے متعلق شرائط
- 95 ----- ○ شکار کے ذرائع
- 96 ----- ○ شکار کرنے کے لیے زخمی کرنے والا ہتھیار اور بندوق کے شکار کا حکم
- 97 ----- ○ کتوں کے ذریعہ شکار
- 100 ----- ○ تیر چلانے کے بعد اگر شکار مردہ حالت میں مل جائے

### ... شراب ...

- 103 ----- ○ ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے
- 104 ----- ○ نشہ آور چیز حرام ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر
- 105 ----- ○ شراب کی تجارت
- 106 ----- ○ مسلمان، شراب کا ہدیہ نہیں دے سکتا
- 107 ----- ○ شراب کی مجلسوں کا بایںکات
- 108 ----- ○ شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے
- 110 ----- ○ مخدرات (عقل کو بے حس کرنے والی چیزیں)
- 112 ----- ○ جو چیز بھی ضرر رساں ہو اس کا کھانا پینا حرام ہے

## ... لباس اور زینت ...

- نظافت اور جمال والادین ..... 116
- سونا اور خالص ریشم مردوں پر حرام ہے ..... 118
- مردوں پر ریشم حرام کرنے کی مصلحت ..... 123
- عورتوں کے لیے مباح ہونے کی مصلحت ..... 124
- مسلمان خاتون کا لباس ..... 125
- عورت اور مرد کا ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا ..... 126
- شہرت اور تکبر کا لباس ..... 128
- زینت میں غلو کے لیے خلق اللہ میں تغیر ..... 129
- گودنا، دانتوں کو نوکدار بنانا اور خوبصورتی کے لیے آپریشن کرانا ..... 129
- بھویں باریک کرنا ..... 132
- بال جوڑنا ..... 134
- خضاب لگانا ..... 137
- ڈاڑھی بڑھانا ..... 141

## ... گھر ...

- تعیش اور بت پرستی کے مظاہر ..... 147
- سونے چاندی کے برتن ..... 148
- اسلام میں مجسموں کی حرمت ..... 151
- مجسموں کو حرام قرار دینے کی مصلحت ..... 153
- اسلام میں شخصیتوں کی یادگار کا طریقہ ..... 155
- بچوں کے کھلونے جائز ہیں ..... 158
- ناقص اور مسخ شدہ مجسمے ..... 160
- غیر مجسم تصویریں ..... 161
- تصویر کی بے وقعتی اسے جائز کر دیتی ہے ..... 178

- فوٹو گرافی کی تصویریں 179-----
- تصویر کا مقصد 180-----
- تصویر اور مصور سے متعلق احکام کا خلاصہ 182-----
- بلا ضرورت کتے پالنا 184-----
- شکار اور حفاظت کے لیے کتوں کا جواز 185-----
- کتا پالنا علم جدید کی رو سے 187-----

### ..... کسب اور پیشہ .....

- جو شخص کام کی قدرت رکھتا ہو، اُس کا بیٹھے رہنا حرام ہے 190-----
- سوال کرنا کب جائز ہے 192-----
- کام کرنا، باعث عزت ہے 193-----
- زراعت کے ذریعہ روزی کمانا 194-----
- حرام کاشت کاری 197-----
- صنعت و حرفت 197-----
- ممنوع کام اور پیشے 202-----
- فحشہ گری 202-----
- رقص اور جنسی جنون 203-----
- مجسموں اور صلیب وغیرہ کی صنعت 204-----
- نشہ آور اور مخدر عقل اشیاء کی صنعت 205-----
- تجارت کے ذریعہ کمانا 205-----
- تجارت کے بارے میں کینہ کا موقف 210-----
- حرام تجارت 211-----
- ملازمت 213-----
- حرام ملازمتیں 216-----
- مسائل کسب کے سلسلہ میں عام اصول 217-----



## شادی بیاہ اور خاندانی زندگی میں حلال و حرام

- فطری داعیات (خواہشات) کا دائرہ عمل ..... 220
- جنسی داعیہ کے متعلق انسان کے مختلف موقف ..... 220
- زنا کے قریب نہ پھلکو ..... 221
- اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے ..... 222
- جنس مقابل کو بنظر شہوت دیکھنا ..... 225
- ستر پر نظر ڈالنے کی حرمت ..... 227
- مرد یا عورت کو دیکھنے کے جواز کے حدود ..... 228
- عورت کے لیے اظہارِ ریت کس حد تک جائز اور کس حد تک ناجائز ہے؟ ..... 230
- عورتوں کا ستر ..... 236
- عام حماموں میں عورت کا داخل ہونا ..... 238
- تبرج کی حرمت ..... 241
- تبرج کا اطلاق کس صورت میں نہیں ہوگا؟ ..... 242
- عورت شوہر کے مہمانوں کی خدمت کر سکتی ہے؟ ..... 248
- خلافِ فطرت، فعلِ کبائر میں سے ہے ..... 250
- استمناء (ہاتھ سے منی خارج کرنے) کا حکم ..... 251
- ..... شادی بیاہ ..... ..

- اسلام میں رہبانیت نہیں ہے ..... 254
- جس عورت کو نکاح کا پیغام دینا ہو، اس پر نظر ڈالنا ..... 258
- پیغام دینے کی حرام صورتیں ..... 261
- کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت لی جائے اور جبر نہ کیا جائے ..... 263
- جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ..... 264

- 264 ----- ○ باپ کی بیوی
- 265 ----- ○ ان رشتوں کو حرام قرار دینے کی مصلحتیں
- 266 ----- ○ رضاعت کی بنا پر حرام رشتے
- 267 ----- ○ مصاہرت سے رشتوں کی حرمت
- 268 ----- ○ دو بہنوں کو جمع کرنا
- 269 ----- ○ شادی شدہ عورتیں
- 271 ----- ○ مشرک عورتیں
- 272 ----- ○ کتابیہ سے نکاح
- 273 ----- ○ مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح
- 275 ----- ○ زانی عورتیں
- 278 ----- ○ نکاح متعہ
- 280 ----- ○ تعددِ ازدواج
- 281 ----- ○ تعددِ ازدواج کے جواز کے لیے عدل کی شرط
- 283 ----- ○ تعددِ ازدواج کے جواز کی مصلحت

### ..... زوجین کے باہمی تعلقات ....

- 287 ----- ○ دُبر سے اجتناب
- 289 ----- ○ زن و شوگی کے رازوں کی حفاظت
- 291 ----- ○ خاندانی منصوبہ بندی
- 293 ----- ○ خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کی صورتیں
- 296 ----- ○ اسقاطِ حمل
- 297 ----- ○ زوجین کے معاشرتی حقوق
- 300 ----- ○ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں صبر کرنا چاہیے
- 301 ----- ○ نافرمانی اور نزاع کی صورت میں
- 304 ----- ○ صرف ایسی صورت میں طلاق جائز ہو جاتی ہے
- 305 ----- ○ اسلام سے قبل طلاق کا طریقہ

- 306----- ○ یہودی مذہب میں طلاق
- 306----- ○ مسیحی مذہب میں طلاق
- 307----- ○ طلاق کے مسئلہ میں مسیحی مذہب کا اختلاف
- 308----- ○ طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کی ان پابندیوں کا نتیجہ
- 308----- ○ طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کا منفرد رویہ
- 309----- ○ مسیحیت وقتی علاج تھا، نہ کہ شریعت عامہ
- 310----- ○ طلاق کے سلسلہ میں اسلام کی قیود
- 311----- ○ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے
- 313----- ○ طلاق کی قسم کھانا حرام ہے
- 313----- ○ مطلقہ کو اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارنا چاہیے
- 314----- ○ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ طلاق
- 316----- ○ معروف طریقہ پر روکے رکھنا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا
- 317----- ○ مطلقہ کو اپنی مرضی سے دوسرا نکاح کرنے سے روکا نہ جائے
- 317----- ○ عورت کا حق جبکہ شوہر اسے پسند نہ ہو
- 319----- ○ بیوی کو ستانا حرام ہے
- 320----- ○ بیوی کو چھوڑنے کی قسم کھانا حرام ہے

### ..... والدین اور اولاد کے باہمی تعلقات ...

- 322----- ○ تحفظ نسب
- 322----- ○ اپنے بیٹے کے نسب کا انکار کرنا ناجائز نہیں
- 324----- ○ تنہیت (لے پا لک بنانا) اسلام میں حرام ہے
- 326----- ○ عملی شہادت کے ذریعہ تنہیت کا ابطال
- 327----- ○ تنہیت بمعنی تربیت
- 328----- ○ حمل ٹھہرانے کا مصنوعی طریقہ
- 328----- ○ باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے کو منسوب کرنا موجب لعنت ہے
- 329----- ○ اولاد کو قتل نہ کرو

- 331 ----- عطا و بخشش کے معاملہ میں مساویانہ سلوک
- 333 ----- میراث کے معاملہ میں قانون الہی کی پابندی
- 335 ----- والدین کے ساتھ بدسلوکی گناہ کبیرہ ہے
- 337 ----- والدین کو گالیاں دلوانا کبائر میں سے ہے
- 338 ----- والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جانا
- 339 ----- مشرک والدین

4

باب

## دور حاضر میں حلال و حرام کے تقاضے

- 342 ----- اعتقاد و تقلید
- 342 ----- سنن الہی کا احترام
- 343 ----- اوہام و خرافات کے خلاف جنگ
- 344 ----- کافروں کی تصدیق کرنا کفر ہے
- 345 ----- پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنا
- 346 ----- جادو
- 348 ----- تعویذ باندھنا
- 351 ----- بدشگونیاں
- 353 ----- جاہلیت کی تقلید کے خلاف جہاد
- 354 ----- اسلام میں عصبیت نہیں
- 356 ----- رنگ و نسب کی کوئی اہمیت نہیں
- 357 ----- نوحہ کرنا

## ..... معاملات .....

- 360 ----- حرام چیزوں کی بیع بھی حرام ہے
- 361 ----- دھوکہ کی بیع ممنوع ہے

- 363-.....○ قیتوں سے کھیلنا
- 364-.....○ ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے
- 366-.....○ بازار کی آزادی میں مصنوعی مداخلت
- 367-.....○ دلالی کرنا جائز ہے
- 368-.....○ ناجائز نفع اندوزی اور دھوکہ دہی حرام ہے
- 369-.....○ جس نے ہمارے ساتھ دھوکہ دہی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے
- 370-.....○ بہ کثرت قسمیں کھانا
- 371-.....○ ناپ تول میں کمی کرنا
- 372-.....○ چوری کا مال خریدنا چور کے ساتھ مشارکت ہے
- 373-.....○ سود کی حرمت
- 374-.....○ حرمت سود کی مصلحت
- 376-.....○ سود دینے والا اور لکھنے والا
- 377-.....○ نبی ﷺ قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے
- 380-.....○ زیادہ قیمت پر ادھار بیع
- 380-.....○ بیع سلم
- 381-.....○ محنت اور سرمایہ کا تعاون
- 384-.....○ سرمایہ لگانے والوں کا اشتراک
- 386-.....○ بیمہ کمپنیاں
- 387-.....○ کیا بیمہ کمپنیاں امداد باہمی کے ادارے ہیں؟
- 388-.....○ اصلاحات
- 389-.....○ اسلام کا انشورنس سسٹم
- 390-.....○ زرعی زمین سے فائدہ اٹھانا
- 390-.....○ زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے طریقے
- 391-.....○ دوسرا طریقہ
- 392-.....○ مزارعت (بنائی)

- 393 ----- ○ فاسد مزارعت
- 394 ----- ○ زمین کو نقد کرایہ پر دینا
- 396 ----- ○ قیاس بھی متقاضی ہے کہ زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے
- 400 ----- ○ جانوروں کے پالنے میں شرکت

### ..... کھیل اور تفریح ...

- 403 ----- ○ ہر وقت یکساں کیفیت نہیں رہتی
- 404 ----- ○ رسول اللہ ﷺ ایک انسان تھے
- 405 ----- ○ دل اُکتا جاتے ہیں
- 407 ----- ○ جائز کھیل کی قسمیں
- 407 ----- ○ دوڑ میں مقابلہ
- 407 ----- ○ گشتی لڑنا
- 408 ----- ○ تیر اندازی
- 409 ----- ○ نیزہ چلانا
- 410 ----- ○ گھوڑے پر سواری
- 411 ----- ○ شکار کرنا
- 412 ----- ○ چوہر کا کھیل
- 413 ----- ○ شطرنج کا کھیل
- 415 ----- ○ گانا اور موسیقی
- 423 ----- ○ جو شراب کا سا تھی ہے
- 425 ----- ○ لاٹری ایک قسم کا جوا ہے
- 426 ----- ○ سینما بنی

### ... اجتماعی روابط ...

- 430 ----- ○ کسی مسلمان سے ترک تعلق جائز نہیں
- 434 ----- ○ باہم صلح صفائی

- 435-----○ دوسروں کا مذاق نہ اڑایا جائے
- 437-----○ طعن و تشنیع کرنا
- 437-----○ برے لقب سے پکارنا
- 437-----○ بدگمانی
- 438-----○ تجسس
- 441-----○ غیبت
- 443-----○ غیبت کے سلسلہ میں رخصت کی حدود
- 445-----○ چغل خوری
- 447-----○ عزت کی حرمت
- 449-----○ خون کی حرمت
- 451-----○ قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہوں گے
- 453-----○ معاہدہ اور ذمی کے خون کی حرمت
- 453-----○ خون کی حرمت کب زائل ہوتی ہے؟
- 455-----○ خودکشی
- 457-----○ مال و دولت کی حرمت
- 458-----○ رشوت حرام ہے
- 460-----○ حکام کے آگے ہدیے پیش کرنا
- 462-----○ رفع ظلم کے لیے رشوت
- 462-----○ اپنے مال میں اسراف کرنا حرام ہے

### ..... غیر مسلمین سے تعلقات ..... ..

- 467-----○ اہل کتاب کے ساتھ خصوصی رعایت
- 468-----○ ذمی (اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری)
- 471-----○ غیر مسلمین سے موالیات (دوستی) کے تعلقات اور اس کا مطلب
- 477-----○ اسلام کی رحمت عامہ جانوروں کو بھی شامل ہے



## گیارہ سال بعد..... حلال اور حرام دونوں واضح ہیں

آج امت مسلمہ پر اغیار کے افکار کی یلغار ہے۔ ان کی معاشرت اور معیشت پر یہودیوں، صلیبیوں اور ہندوؤں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ کافروں کی ایک مکروہ گناؤنی اور خفیہ سازش کے نتیجہ میں ہم اس قدر مجبور و بے بس ہو چکے ہیں کہ اپنی روزمرہ کھانے پینے اور استعمال کی اشیاء کے لیے بھی ان کے محتاج بن چکے ہیں۔ عالمی معاشی مارکیٹ پر یہودیوں نے اس طرح قبضہ کر رکھا ہے کہ کوئی مسلمان وہاں دم مارنے اور امت مسلمہ کو کوئی مفید چیز فراہم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

آج ہمارے گھروں میں کھانے پینے سے لے کر دھونے اور نہانے تک کی تمام مصنوعات یہود و نصاریٰ کی تیار کردہ ہیں۔ ان چیزوں میں کون سی حلال ہے اور کون سی حرام..... کس میں خنزیر کی کھال، بال اور جربی یا الکوحل شامل کی گئی ہے..... کون سی چیز میں دیگر ممنوع اور حرام اشیاء و عناصر کی ملاوٹ اور شمولیت ہے..... امت میں کسی کو کچھ علم نہیں، سب آنکھیں بند کر کے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ کسی کو فکر نہیں کہ اللہ کریم کی حرام کردہ اشیاء اور امور کے استعمال و ارتکاب سے نہ صرف یہ کہ انسانی صحت و اولاد پر اس کے مضر و تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بلکہ سرمایہ و دولت کا ضیاع..... اور اللہ کی نافرمانی کی بنا پر دنیا ناکام..... آخرت برباد..... اور جہنم واجب ہو جاتی ہے..... اور حضرت انسان و بہت جہنم کا ایندھن بن جانا مقدر ٹھہرتا ہے۔ اَلَا مَنْ رَجِمَ رَبِّي. اللہ کے چند برگزیدہ بندے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اپنے کھانے پینے، اوڑھنے اور اپنے استعمال کی چیزوں میں حلال و حرام سے بچنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ ایسے صالح افراد کی چاہیے تو یہ کہ حوصلہ افزائی کی جائے لیکن شومی قیمت ان کو کلمہ گو مسلمانوں سے ہی طرح طرح کے طعنے، کڑوی کیلی اور تضحیک آمیز باتیں سننا پڑتی ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اللہ کریم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی کی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ اللہ کریم ہمیں بھی ایسا ہی بنائے، کیونکہ ہر کام میں حرام سے بچ کر حلال کو اپنا کر اللہ کریم کی رضا حاصل کرنا ہی مومن کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

حلال اور حرام کی تمیز اور پہچان کے متعلق رسولِ رحمت ﷺ نے ہمیں ایک قاعدہ کلیہ بتا دیا

((الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنٌ وَيَبْتَهُمَا الْمُتَشَابِهَاتُ.))

”حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح کر دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان جو چیزیں آتی ہیں وہ تشابہات میں شامل ہیں۔“

پھر فرما دیا:

((انْفُوا الشُّبُهَاتِ.)) ”اور تم مشتبہ (وشکوک) چیزوں سے بچ جاؤ۔“

آج امت مسلمہ کی کامیابی و کامرانی مشتبہ چیزوں سے بچ جانے میں ہی ہے۔ جس چیز کے بارے میں تردد پیدا ہو، کسی قرینے کی بنا پر شک پیدا ہو..... کوئی دلیل سامنے آجائے..... اس سے فوری بچ جانا چاہیے، تاکہ حرام کاموں اور چیزوں کو اختیار کر کے کہیں ہم اپنی عبادات ہی ضائع نہ کر بیٹھیں۔ بعض لوگوں کو جب یہ سرزنش کی جاتی ہے کہ..... اس چیز کے استعمال سے بچ جاؤ..... یا یوں نہ کرو..... یا اس میں حرام اشیاء کی آمیزش ہے..... یہ اللہ تعالیٰ اور رسول رحمت کے فرامین کے مطابق یہ حرام ہے..... تو وہ دنیا میں کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز شخصیت کے عمل کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں: ”اے تو فلاں مولانا صاحب..... امیر صاحب..... علامہ صاحب..... اور مفتی صاحب بھی استعمال کرتے ہیں۔“ یاد رکھیں! یوں کسی دنیاوی طور پر اونچے مرتبے و عہدے والے کے کسی قول و فعل اور پسندیدگی کو اپنا لینے سے وہ حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی۔

اس معاشرے میں رہتے ہوئے ہماری کچھ عادات..... لین دین کے طریقے..... شکل و صورت اور ہیئت کرائی..... لباس..... غذا..... مجالس..... خرید و فروخت کے مسائل..... تجارت..... حتیٰ کہ عبادات..... پر بھی حرام کا حکم لگ جاتا ہے۔ ہمارے کتنے ہی رویے اور معاملات و عادات ایسے ہیں جو احکامات رب العالمین اور فرامین رحمت اللعالمین کے سراسر خلاف ہیں۔ کتنے ہی ایسے امور ہیں جن سے قرآن نے کھلے لفظوں میں منع کر دیا ہے کہ یہ حرام ہیں، ان کے قریب بھی نہ جاؤ..... لیکن افسوس صد افسوس! ہماری دینی حیثیت کی حس بالکل مردہ ہو چکی ہے۔ ہمیں اپنے خالق و مالک کے احکامات کی ذرہ بھر پروا نہیں اور ہم بلا روک و ٹوک اپنے رب کریم کی نافرمانی اور بغاوت کا ارتکاب کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ ہمیں اس کا احساس بھی نہیں کہ ہم کانٹوں کی راہ گزر پر دوڑتے ہوئے آگ کے کنویں میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ کتاب مسلمانوں کو حرام سے بچانے کے لیے لکھی گئی۔ اس میں مسلمانوں کے معاشرے

میں رہتے ہوئے حرام سے بچنے کے لیے ایسے اصول و ضوابط بتائے گئے ہیں کہ جن کی بنیاد پر مسلمان حرام امور سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ یہ کتاب بظاہر روشن خیال اور آزادی رائے کے علمبردار مغرب بالخصوص برطانیہ میں بہت مقبول ہوئی۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے کارٹون بنانے والوں، شیطانی آیات جیسی کتاب لکھنے والوں، اس کے علاوہ سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے بدبختوں کو آزادی اظہار اور انسانی حقوق کی پاسداری کے نام پر پناہ دینے والوں کا یورپ، اس کتاب سے اس قدر خائف ہوا کہ اس نے وہاں اس کتاب پر پابندی لگا دی۔ یہ کتاب پابندی لگنے کے بعد اور بھی مقبول ہوئی اور اس کے مختلف زبانوں میں تراجم ہو کر شائع ہوئے۔ کسی بھی انسان کے اس کتاب کو اپنے پاس رکھنے کو جرم قرار دیا اور اسے سزا کا مستحق ٹھہرایا۔ اللہ کریم کی توفیق سے اب اس کا اردو ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کتاب وسنت کی اشاعت کے مثالی ادارے دائرۃ التبلیغ نے آج سے گیارہ سال قبل اسے شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ لہذا ایک تحقیقاتی ٹیم نے اس پر ریسرچ ورک مکمل کیا اور راقم یہ کتاب بھائی سمیع اللہ مالک حدیبیہ پہلی کیشنرز کو ساتھ لے کر نظر ثانی کے لیے فاضل نوجوان عالم باعمل مولانا مبشر احمد ربانی کے پاس سکیم موٹر لاہور پہنچا۔ ان کی بے پناہ مصروفیات کی بنا پر نظر ثانی درمیان میں ادھوری رہ گئی اور وہ کتاب کا مسودہ کہیں رکھ کر بھول گئے۔ اور ہم بھی اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ کبھی تو مسودہ ملے گا۔ گزشتہ ماہ انہوں نے اپنی لائبریری کی ترتیب نو کی تو اس میں ”اسلام میں حلال و حرام“ کا مسودہ بھی مل گیا، لہذا انہوں نے گیارہ سال بعد نظر ثانی مکمل کر کے مجھے پہنچایا تو میں نے فوری آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دیا۔

یہ کتاب مصنف شہیر علامہ یوسف قرضاوی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق عربی تصنیف ہے۔ مصنف نے مسلم معاشرے کو یورپ میں اور اسلامی ممالک میں رہتے ہوئے حلال و حرام کی تمیز کرنے کے متعلق اور اسلام کے احکامات کے مطابق کامیاب پاکیزہ زندگی گزارنے کے متعلق جامع رہنمائی فراہم کی ہے۔ یہ کتاب بلاشبک و شبہ امت مسلمہ کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ کتاب میں بعض مقامات پر مصنف سے کچھ اجتہادی لغزشیں بھی سرزد ہوئی ہیں۔ ان اجتہادی غلطیوں کی مقتدر علمائے امت نے گرفت بھی کی، ان پر رد بھی لکھا اور تصحیح بھی کی اور قیاس فاسد اور اجتہاد ناقص کو ترک کر کے قرآن و حدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کی صحیح راہنمائی بھی کی ہے۔ مصنف کی غلطیوں کی تصحیح

کرنے والوں میں محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب ”غایۃ الموام“ بھی لکھی۔ ادارہ دارالالابلاغ کی ریسرچ ٹیم نے اس کتاب میں مصنف کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے اور قرآن و سنت کی روشنی میں ان مذکورہ مسائل کا صحیح حل جاننے کے لیے علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات و توضیحات کو فٹ نوٹ میں درج کر کے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ بعض مقامات پر نظر ثانی کے بعد مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی نے بھی اپنی تعلیقات درج کر دی ہیں۔ یوں یہ کتاب علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کی فٹ نوٹ میں تصحیح طلب مسائل میں وضاحتوں اور مولانا مبشر احمد ربانی کے حواشی اور بعض مقامات پر فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان کی تشریحات کے بعد اپنی جگہ ایک مکمل و مبسوط اور شافی رہنمائی بن گئی ہے۔ دین اسلام کا کوئی قاری و طالب علم اور عام مسلمان کسی بھی مسئلہ میں مکمل جامع غیر مشکوک و صحیح و درست رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اسے اپنا راہبر و رہنما بنا سکتا ہے۔ یہ سب اللہ کریم کی توفیق و رحمت کی بنا پر ہوا ورنہ ہم تو اس قابل نہیں۔ اور ادارہ دارالالابلاغ پر اللہ کریم کا خاص احسان و کرم ہے کہ وہ اس کی ٹیم کو امت کی راہنمائی کے لیے اعلیٰ معیار کا تحقیق شدہ مواد فراہم کرنے کے مواقع و وسائل اور رجال صالح بخش رہا ہے۔

اس کتاب پر تحقیق..... تخریج..... تسہیل..... حواشی..... و تعلیقات البانیہ..... توضیحات ربانیہ کے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے میں مولانا مبشر احمد ربانی رحمۃ اللہ علیہ، جناب نصیر احمد کاشف، تلمیذ رشید علامہ زبیر علی زئی، مولانا مطیع اللہ الفردوس، جناب امان اللہ عاصم اور تنویر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات سے اس کتاب پر تحقیق کاوشوں اور مغز ماری و جانفشانی کے لیے وقت نکالا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا و الاخرۃ۔

آخر میں میں اللہ رب العالمین سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب پر ہماری کاوشوں کو قبول فرما کر اسے ہمارے لیے، ہمارے اساتذہ اور والدین کے لیے اجر و ثواب کا باعث بنائے اور امت کو اس پر عمل کر کے اخروی کامیابی کا مستحق بننے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یا رب المستضعفین۔  
خادم کتاب و سنت

محمد ظاہر نقاش

15 جنوری 2013ء لاہور

## یہ کتاب ہر طالب علم اور مرد و زن کے پاس ہونی چاہیے

از ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ!

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور انبیاء و رسل ﷺ کے ذریعے اپنے احکامات ان تک پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنا عین عبادت ہے۔ منہیات سے بچنا اور حرام سے اجتناب کرنا ایک حدیث کی رو سے عبادت ہی ہے۔ حرام کے اختیار کرنے سے عبادت ضائع ہو جاتی ہیں اور ایک شخص کو مومن و متقی بننے کے لیے حرام کردہ چیزوں سے بچنا ضروری ہوتا ہے اور اسلام نے بہت سی اشیاء کو حرام قرار دیا ہے جن کی تفصیل قرآن و حدیث کے صفحات پر بکھری پڑی ہے۔ علامہ یوسف قرضاوی حفظہ اللہ نے بھی اس کتاب میں حلال و حرام پر مفصل بحث کی ہے لیکن چند مقامات پر ٹھوکر کھائی ہے جس پر علامہ البانی اور دیگر عرب علماء نے ان کا خوب محاکمہ کیا ہے اور راقم نے بھی بعض مقامات پر تعلق لگادی ہے۔ البتہ مجموعی لحاظ سے کتاب کافی مفید ہے۔ اللہ رب العزت سب مسلمانوں کو حلال کھانے اور حرام سے اجتناب کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

یہ کتاب ”اسلام میں حلال و حرام“ ایک عرصہ قبل ”الحلال والحرام فی الاسلام“ کے نام سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اس کی افادیت کی بنا پر بہت کم مدت میں اس کی مقبولیت کا ریکارڈ قائم ہوا، جہاں عالم عرب میں اس کی خوب شہرت و مقبولیت ہوئی وہاں ہی دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو کر شائع ہوا۔ برصغیر میں یہ کتاب تقریباً ۳۳ سال سے شائع ہو رہی ہے۔ یہ سب سے پہلے ہندوستان سے شائع ہوئی اور اس کے بعد پاکستان کے چند اداروں نے اسے بطور فوٹو شائع کیا اور بعض نے کمپیوٹر کمپوزنگ میں بھی طبع کیا۔ اس کتاب میں اعراب کی غلطیاں، بعض ترجمے کے سقم، تفہیم مضامین قرآنی و حدیثی میں ٹھوکر..... وغیرہ۔ پاکستان میں

کمپیوٹر کمپوزنگ اور تعلیقات کے ساتھ شائع ہونے والے نسخوں میں بعض مقامات پر اصل کتاب کی عبارتیں ہی چھوٹ گئی ہیں یعنی اصل عربی نسخے کے مطابق بالکل کتاب نامکمل ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو پورا ایک ایک صفحہ کا مواد ہی اردو ایڈیشن سے غائب ہے لیکن نہ تو شائع کرنے والوں کو اس کا علم ہے اور نہ ہی پڑھنے پڑھانے والوں کو شاید۔ واللہ اعلم بالصواب

محترم برادر محمد طاہر نقاش صاحب جو کئی کتب کے مصنف بھی ہیں، صاحب ذوق اور تحقیق و جستجو رکھنے کے ساتھ ساتھ کسی بھی کتاب کو خوب سے خوب تر انداز میں مکمل تحقیق و ریسرچ کے ساتھ منظر عام پر لانے کے شائق و فائق ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ کتاب نظر ثانی کے لیے آج سے تقریباً ۱۱ سال قبل دی لیکن ریسرچ کے دوران مسودہ کہیں گم ہو گیا۔ چند ماہ قبل میری لائبریری کی ترتیب نو کے درمیان یہ کہیں سے مل گیا تو میں نے طاہر صاحب سے رابطہ کیا تو پتہ چلا کہ وہ آج بھی میری نظر ثانی والے مسودے کے منتظر ہیں اور انہوں نے ابھی تک اس کتاب کو شائع نہیں کیا۔ لہذا میں نے اس پر اپنی تعلیقات و حواشی مکمل کر کے ان کے سپرد کر دی۔ اب یہ تمام تحقیق کے مراحل طے کرنے کے بعد آپ کے ہاتھ میں ہے۔

### دارالابلاغ کے تحت شائع ہونے والی اس کتاب کی انفرادیت و خصوصیت

جیسا کہ میں نے اس سے قبل بھی عرض کیا کہ علامہ یوسف قرضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں حلال و حرام کے متعلق بہت مفید رہنمائی فراہم کی وہاں ہی کئی مقامات پر منہج نبوی کے حوالے سے ٹھوکر بھی کھائی۔ ان کی بعض وقوع پذیر ہونے والی لغزشوں کی گرفت فوری طور پر علمائے اسلام نے کی اور عامۃ المسلمین کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کیا۔ ان علمائے اسلام میں محدث العصر الشیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ (نے اپنی مشہور کتاب ”غایۃ المرام فی تخریج احادیث الحلال والحرام“ لکھ کر) اور فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان (نے اپنی معرکہ الآراء کتاب ”اعلام بنقد الحلال والحرام“ لکھ کر) حق کو واضح کرنے کا حق ادا کیا۔

✽ محترم طاہر نقاش صاحب نے ان کی تعلیقات و تحقیقات کو اردو قالب میں ڈھال کر اس کتاب (کافٹ نوٹ میں) حصہ بنا دیا ہے۔

✽ محدث العصر فضیلۃ الشیخ ناصر الدین البانی اور فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ ساتھ راقم نے بھی کتاب میں جہاں ضرورت محسوس کی اپنے حواشی دے دیے ہیں۔ اسی طرح بعض جگہ کتاب کا ترجمہ بہت مشکل تھا اس کو آسان پیرائے میں کر دیا گیا ہے۔

✽ بعض جگہ قدیم اور دقیق الفاظ کو بدل کر رائج الوقت اصطلاحات کو شامل کیا گیا ہے۔  
✽ کتاب کی زبان کو جدید اردو قالب میں ڈھال کر کافی حد تک سہل و سلیس کر دیا گیا ہے۔ یعنی ترجمہ کو عام فہم و آسان بنانے کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔

✽ قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے علاوہ باقی تمام عربی عبارات پر نہ صرف اعراب کو درست کیا گیا بلکہ تمام عربی عبارتوں پر اعراب کو مکمل کر دیا گیا ہے۔ تاکہ نصاب اور کورس کی شکل میں پڑھنے والے طلبہ و طالبات کو اصل عربی عبارت کی روشنی میں ترجمہ و تفہیم کو جاننے اور مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو۔

✽ مختلف مبہم اور وضاحت طلب مقامات کو نشان زدہ کر کے ان پر تفصیلی و تشریحی حواشی درج کر دیے گئے ہیں۔

✽ اس کتاب کو عربی نسخے کے مطابق مکمل کیا گیا ہے، اب اس میں کوئی مقام شامل ہونے سے رہ نہیں گیا۔ ان شاء اللہ

✽ کتاب میں مذکورہ احادیث وغیرہ کی مکمل تحقیق و تخریج شامل کر دی ہے تاکہ آسانی سے مراجع و مصادر تک رسائی حاصل ہو سکے۔

✽ بعض بظاہر تشبہ مقامات پر وضاحت کے لیے فٹ نوٹ میں تشریح اور بعض جگہ متن میں بریکٹوں میں اضافہ و توضیح تو ضیح کر دی گئی ہے۔

✽ اس کے علاوہ اس موضوع پر رہنمائی کو مزید مفید اور مؤثر بنانے کے لیے کئی اور طرح کا تحقیقی کام بھی شامل کتاب کیا گیا۔ فللہ الحمد۔

یوں یہ نسخہ مزید مختلف نسخوں سے اپنی صحت، تحقیق و تخریج و ریسرچ، مفید حواشی و تعلیقات کے اعتبار سے جامع و صحیح ترین ہونے کی بنا پر پاک و ہند کے مختلف اشاعتی اداروں کی طرف



سے وقوع پذیر ہونے والی تمام اشاعتوں پر فوقیت لے گیا ہے۔ یہ نسخہ ہر لائبریری میں اور ہر طالبہ و طالب علم دین کے پاس ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ کتاب انسانی زندگی سے متعلق ان تمام امور پر مشتمل و حاوی ہے اور انسانی زندگی میں مختلف مواقع پر پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے سے متعلق رہنمائی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یوں یہ کتاب روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل خواہ وہ اسلامی ممالک میں رہنے والوں کے ہوں یا مغربی یورپی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے ہوں۔ تمام کے متعلق شافی و کافی راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

اللہ اعلم الحاکمین سے دعا ہے کہ وہ ہر مسلمان مرد و زن کو اس کتاب میں بیان کی گئیں حلال و حرام سے متعلق تحقیقات و علمی تشریحات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کے مصنف، مترجم، محقق، مخرج ناشر اور راقم سمیت کسی بھی طرح اس کتاب پر کام کرنے والے اپنے بندوں کی کوششوں کو اپنی جناب میں قبول فرمائے اور بلندی درجات کا باعث بنائے۔ آمین یا رب العالمین

ابوالحسن مبشر احمد ربانی

رکیس مرکز الحسن 882/p

سبزہ زار سکیم لاہور



## دستور الہی سے

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا ۚ وَ أَنْ تَقُولُوا عَلَی اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾ (الاعراف: ۳۲، ۳۳)

”اے رسول! ان سے کہو کہ جس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور جس نے اللہ کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصتاً انہیں کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔ اے رسول! ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں: بے شرمی کے کام..... خواہ کھلے ہوں یا چھپے..... اور گناہ اور حق کے خلاف زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک کرو جس کے لیے اس نے کوئی سندنازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کے متعلق تمہیں علم نہ ہو (کہ وہ حقیقت میں اسی نے فرمائی ہے)۔“



## کتاب کی اشاعت کے لیے مصنف کا خصوصی اجازت نامہ

”الحلال والحرام فی الاسلام“ کے اردو ایڈیشن کی اشاعت کے لیے کتاب کے

مصنف علامہ یوسف القرضاوی کا خصوصی اجازت نامہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ ، وَنَسْتَغْفِرُهُ ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ  
شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ  
لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ . أَمَّا بَعْدُ !

اخئی المحترم مولانا مختار احمد ندوی سلفی نے مجھ سے میری کتاب ”الحلال والحرام

فی الاسلام“ کے اردو ترجمہ اور ”الدار السلفیہ“ بمبئی کے زیر اہتمام اس کی اشاعت کی مجھ سے اجازت مانگی تاکہ ہمارے ہندوستانی مسلمان بھائی بھی اس اہم کتاب سے مستفید ہو سکیں۔ مجھے موصوف کو اس کی اجازت دے کر ان کے اس شوق و رغبت کو پورا کرنے میں ذرا بھی تاثر نہیں ہوا کیونکہ ہمارے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کا ہم پر یہ حق تھا اس لیے بھی کہ ہم عرب مسلمانوں نے علماء ہند کے قلمی ثمرات اور علوم اسلامیہ خصوصاً سنت نبویہ کی خدمت میں ان کی علمی کوششوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لیے بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے کہ اس سے غفلت برتی جائے بلکہ وہ تو اس وقت دنیا میں دوسری بڑی اسلامی سوسائٹی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ لہذا ہمارے اور ان کے درمیان زبان کا حجاب حائل نہیں ہونا چاہیے۔ علماء و مفکرین اسلام کا فرض ہے کہ وطن اور زبان کے اختلاف کو افکار و نظریات کے تبادلہ میں کسی طرح بھی حائل نہ ہونے دیں۔ خاص طور پر اب جب کہ ملکوں اور حکومتوں کے فاصلے سمٹ گئے ہیں بلکہ ایک معاصر مفکر کے بقول ”ہماری موجودہ دنیا ایک بڑی بستی کی طرح بن گئی ہے۔“

جب ساری دنیا کا یہ حال ہو گیا ہے تو عالم اسلام اور خاص طور پر مسلمانوں کے حالات کیوں نہ بدلیں، نیز اللہ کریم کی منشاء اور مرضی بھی یہی ہے کہ مسلمان ”ایک امت“ بن کر رہیں اور فکر و شعور میں ہمیشہ کے لیے متحد ہوں۔

آخر میں اپنے بھائی شیخ مختار احمد ندوی اور ان کے تمام اخوان و انصار کا بھی میں شکر گزار ہوں، جنہوں نے اس کتاب کے ترجمہ اور اشاعت میں تعاون کیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو استفادہ کی توفیق بخشے، اور سب کو جزائے خیر عطا کرے اور یہ کتاب میری مغفرت اور رضاء الہی کا ذریعہ بنے۔ تمام ہندوستانی مسلم بھائیوں کو میری طرف سے دعائیں اور نیک تمنائیں پہنچیں۔

وصلی اللہ علیہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

الفقیہ الی اللہ

یوسف القرضاوی

الدوحہ ۲۸ فروری ۱۹۷۷ء

۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ



پیش لفظ:

## تقلید کی جکڑ بندیاں تحقیقی کام کے رک جانے کا باعث

اس کتاب کے مؤلف یوسف القرضاوی قطر کے جید عالم، دنیائے عرب کے ممتاز مصنف و محقق اور عالم اسلام کی مشہور شخصیت ہیں۔ موصوف نے ”الحلال والحرام فی الاسلام اور فقہ الزکوٰۃ“ جیسی گراں قدر بلند پایہ اور محققانہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

زیر نظر کتاب موصوف کی تالیف ”الحلال والحرام“ کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے بڑی عمدگی اور نہایت مدلل طریقہ سے حلت و حرمت کے اہم مسائل پر بحث کی ہے اور شرعی احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو اجاگر کیا ہے۔ نیز جن جدید مسائل سے مسلمانوں کو واسطہ پڑتا ہے اور ان کے سلسلہ میں جواز یا عدم جواز کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ان پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ کتاب کی افادیت کا صحیح اندازہ تو اس کے مطالعہ ہی سے ہوگا، تاہم اس سلسلہ میں چند مشہور علماء کی آراء پیش خدمت کی جاتی ہیں۔

❁ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس کتاب کو میں اپنے کتب خانہ کے لیے ایک اہم اضافہ تصور کرتا ہوں۔“

❁ فقہ کے زبردست عالم استاد مصطفیٰ رزق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس کتاب کو حاصل کرنا ہر مسلمان خاندان کے لیے ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مؤلف نے اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔“

❁ شام کے ادیب استاذ علی طمطاوی نے اس کتاب کو مکہ مکرمہ کے کلیہ شرعیہ میں داخل

کرایا۔

- ❁ دمشق کے کلیہ شریعہ کے پرنسپل استاذ محمد المبارک نے اس پر تقریظ لکھی۔
- ❁ لاہور کی پنجاب یونیورسٹی نے ایم اے کے نصاب میں اس کتاب کو شامل کر لیا۔
- ❁ اس کتاب میں جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں ان کے حوالہ جات مرتب کرنے کی خدمت دیار شام کے مشہور محدث شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے انجام دی۔
- ❁ فاضل مؤلف نے کتاب کے دیباچہ میں اپنا نقطہ نظر وضاحت کے ساتھ پیش فرمایا ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

”موجودہ زمانہ میں اسلام کے بارے میں بحث و گفتگو کرنے والے دو گروہوں میں ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جس کی آنکھیں مغربی تہذیب کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہو گئی ہیں۔ یہ لوگ اس بات کے آگے سر نیا زمند جھکائے قربانیاں اور نذرانے گزارنے کے لیے ادب سے کھڑے ہیں۔ وہ مغرب کے اصولوں اور اس کی تقلید پر اس قدر مطمئن ہیں کہ ان کے نزدیک اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر اتفاق سے مغربی تہذیب کی کوئی ایسی بات سامنے آجائے جس کی تائید اسلام بھی کرتا ہو تو وہ تہلیل و تکبیر کرنے لگتے ہیں اور اگر وہ بات اسلام کے خلاف پڑتی ہو تو وہ تاویل و تحریف سے کام لینے لگتے ہیں۔ گویا یہ بات طے شدہ ہے کہ مغربی تہذیب کے آگے سرنگوں ہونا ہے۔ ان کی نظر میں حلال وہ ہے جسے مغرب نے حلال قرار دیا ہو اور حرام وہ ہے جسے مغرب نے حرام قرار دیا ہو۔ یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے اور اللہ کریم کا کلمہ ہی ہمیشہ بلند رہتا ہے اور رہے گا نیز وہی لائق اتباع ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو حلال و حرام کے مسائل میں ایک متعین رائے پر جامد ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ لوگ صرف نصوص کے الفاظ اور اس کی عبارتوں کے متبع ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اصل اسلام یہی ہے۔ وہ اپنی رائے سے بال برابر ہٹنے کے لیے

تیار نہیں ہیں اور نہ اپنی رائے اور مسلک کو دلائل کے ذریعہ پرکھنے اور دوسروں کے دلائل سے موازنہ کرنے کے لیے ہی تیار ہیں، کہ اس کے بعد جو حق نکھر کر سامنے آئے اسے قبول کر لیں۔ وہ بزعم خود آسانی کے ساتھ بہت سی چیزوں پر حرام کا حکم لگاتے ہیں اور سلف صالحین کا یہ طریقہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر حرام کا اطلاق نہیں کرتے تھے بجز ان چیزوں کے جن کی حرمت قطعی ہو۔ ان کے علاوہ دوسری چیزوں کے بارے میں وہ مکروہ یا ناپسندیدہ وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ ان میں سے کسی گروہ میں شامل نہ ہو جاؤں۔ میں مغرب کو اپنا معبود نہیں بنانا چاہتا جب کہ میں نے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ اور نہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ فقہی مسائل میں خطا و صواب سے قطع نظر کر کے کسی متعین مسلک کی تقلید کروں۔ تقلید تو بقول علامہ ابن جوزی غور و فکر اور تدبیر کی صلاحیت ہی کو ختم کر دیتی ہے اور مقلد کی مثال اس شخص سے بھی زیادہ بری ہے جس کو روشنی حاصل کرنے کے لیے چراغ دیا گیا لیکن اس نے اسے بجھادیا اور تاریکی میں چل پڑا۔

یہ صحیح ہے کہ میں نے خود کو مروّجہ فقہی مسالک میں سے کسی خاص مسلک کے ساتھ (تقلید کرتے ہوئے) باندھ نہیں دیا ہے۔ اس لیے بھی کہ ان معروف مذاہب کے اماموں نے بھی اپنے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں ”کوئی شخص ایسا نہیں جس کی تمام باتیں لینے کے قابل ہوں سوائے نبی ﷺ کے۔“ اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں ”میری رائے درست ہے لیکن خطا کا احتمال ہے اور دوسرے شخص کی رائے غلط ہے لیکن اس کے درست ہونے کا امکان ہے۔“



لہذا کسی مسلمان عالم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ موازنہ نہ کرنے اور ترجیح دینے کے وسائل رکھنے کے باوجود کسی ایک مسلک کا اسیر یا کسی مخصوص فقہی رائے کا پابند ہو کر رہ جائے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ صرف دلیل و حجت کی پابندی قبول کرے۔ اور دلیل سے جو بات بھی صحیح ثابت ہو جائے اس کی اتباع کرے اور جس کی سند ضعیف اور دلیل بودی ہو اس کو رد کر دے خواہ وہ کسی کا بھی قول ہو۔“

درحقیقت اس وسیع انظری کے بغیر نہ تحقیق کا حق ادا کیا جاسکتا ہے اور نہ موجودہ زمانہ کے پُر پیچ مسائل کا متوازن حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ بنابرین فاضل مؤلف کی مساعی نہایت قابل قدر ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان کی تحقیق کو حرف آخر سمجھا جائے اور ان کی ہر رائے سے اتفاق کیا جائے۔ راقم الحروف نے بھی ترجمہ کرتے ہوئے جہاں ناگزیر سمجھا ہے اختلافی یا تشریحی نوٹ دے دیا ہے۔

ہمارے ملک میں قوت اجتہاد کی کمی، فقہی مسائل میں تنگ نظری اور تقلید کی جکڑ بندیوں کی وجہ سے شرعی مسائل میں تحقیق اور ریسرچ کا کام آگے نہیں بڑھ رہا ہے جس سے ملت اسلامیہ کی مشکلات میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے حالانکہ کتنے ہی قدیم اور بے شمار جدید مسائل، فکر و اجتہاد کی دعوت دے رہے ہیں۔ ایسی صورت میں یہی غنیمت ہے کہ ان جدید عربی کتب کا اردو ترجمہ شائع ہو جائے جو تحقیقی انداز میں لکھی گئی ہیں۔ اس طرح غور و فکر کے لیے کافی قیمتی مواد سامنے آئے گا اور نظر میں وسعت پیدا ہو سکے گی۔

مؤلف کا منشاء اس کتاب میں حلال و حرام کا استقصاء کرنا نہیں ہے بلکہ خاص طور سے ان مسائل کی حلت و حرمت کو کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کرنا ہے جو نہایت اہم ہیں یا جن سے واقفیت ناگزیر ہے، مگر عام طور سے لوگ ان سے غفلت برتتے ہیں۔

کتاب کا عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں راقم الحروف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ با محاورہ ہو اور طوالت سے بچنے کے لیے کہیں کہیں اختصار سے بھی کام لیا ہے۔

قابلِ صدمہ بار کباد ہیں ہمارے مخلص دوست مولانا مختار احمد صاحب ندوی جنہوں نے ایک اہم تحقیقی کتاب کی اشاعت کا اہتمام فرمایا، جب کہ ٹھوس دینی کتابوں کی اشاعت بالخصوص عہدِ نو کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کی افادیت کو عام کرے اور مؤلف کی خدمات کو قبولیت سے نوازے۔ آمین!

شمس پیرزادہ

بمبئی ۵/ جولائی ۱۹۷۶ء



باب اول

پہلے احوال و مسائل کے متعلق  
الحرام کی وضاحت کے متعلق



تعریف

تمام اشیاء اصلًا مباح ہیں

تحلیل تحریم اللہ ہی کا حق ہے

حلال کے حرام اور حرام کو حلال قرار دینا شرک

کے قبیل سے ہے

حرام چیزیں باعث ضرر ہیں

حلال حرام سے بے نیاز کر دیتا ہے

جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے

حرام کے لیے حیلہ سازی بھی حرام ہے

نیک نیتی حرام کو حلال نہیں کرتی

حرام میں مبتلا ہو جانے کے اندیشے سے مشتبہات سے بچنا

حرام سب کے لیے حرام ہے

ضرورتیں منظور است کو مباح کر دیتی ہیں

حلال و حرام کی پہچان

## تعریف



مباح یا غیر ممنوع وہ ہے جس کے کرنے کی شارع نے اجازت دی ہو۔



وہ جس کی شارع نے قطعی طور پر ممانعت کی ہو اور جس کی خلاف ورزی کرنے والا آخرت میں سزا کا مستحق ہو اور بعض صورتوں میں دنیا میں بھی اس کے لیے سزا مقرر ہو۔



وہ جس سے شارع نے روکا ہو لیکن سختی کے ساتھ اس کی ممانعت نہ کی ہو یہ درجہ میں حرام سے کم تر ہے۔ اور اس کا ارتکاب کرنے والا اس سزا کا مستحق نہیں ہوتا جس سزا کا مستحق حرام کا ارتکاب کرنے والا ہوتا ہے البتہ اس کی مسلسل خلاف ورزی اور بے وقعی کرنے والا، حرام کی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اہل جاہلیت، جن بہت سی باتوں میں گمراہی کا شکار ہو گئے تھے، ان میں سے ایک حلال و حرام کا معاملہ بھی تھا، جس میں وہ اس طرح الجھ گئے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھے۔ اور اس مسئلے میں مشرکین اور اہل کتاب دونوں کا طرز عمل یکساں تھا، مگر مختلف مذاہب کی گمراہی دو انتہاؤں پر تھی۔ ایک انتہاء وہ جس پر ہندوستانی برہمنیت، مسیحی رہبانیت اور وہ مذہبیت تھی جس کے نزدیک جسم کو اذیت دینا روا (درست و جائز) تھا اور جس نے اچھے رزق اور زینت کی چیزوں کو حرام کر دیا تھا اور بعض راہبوں کے نزدیک تو پاؤں دھونا اور حمام میں داخل ہونا بھی باعثِ گناہ تھا۔

دوسری انتہاء پر فارس کا مزدک مذہب تھا، جس نے مکمل اباحت کا نعرہ بلند کیا۔ اس مذہب میں ہر چیز جائز تھی یہاں تک کہ عزت و حرمت بھی جس کو انسان فطرۃً مقدس مانتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں نے حلت و حرمت کا بالکل غلط معیار قائم کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کے نزدیک شراب نوشی، سود خواری، عورتوں سے بدسلوکی اور قتل اولاد جیسی غلط کاریاں کرنا بالکل جائز تھیں۔ انہوں نے قتل اولاد جیسے شنیع فعل کو خوشنما بنانے کے لیے کچھ باتیں اپنے پاس سے گھڑ لی تھیں، جن کو وجہ جواز بنا کر پیش کرتے تھے۔ مثلاً: فقر و فاقہ کا اندیشہ لڑکی کی پیدائش کا باعثِ عار ہونا اور اپنے معبودوں کے تقرب کے لیے اولاد کو بھیجنا چڑھانا وغیرہ۔ عجیب حالت یہ تھی کہ ایک طرف انہوں نے اپنے جگر گوشوں کو قتل کرنا یا زنا کرنا بالکل جائز کر لیا تھا اور دوسری طرف انہوں نے کھیت اور چوپائے جیسی بہت سی حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ اور طرفہ تماشایہ کہ اس حلت و حرمت کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے دینی حیثیت دے ڈالی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی ان افتراء پر دازیوں کو یکسر باطل قرار دیا:

﴿وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حَجَرٌ لَا يَطْعَمُهُمْ إِلَّا مَنْ لَشَاءٍ بِزَعْمِهِمْ

وَ أَنْعَامٌ حُرِّمَتْ طَهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءٌ

عَلَيْهِمْ لَيَجْزِيَنَّهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٨﴾ (الانعام: ۱۳۸)

”وہ کہتے ہیں یہ چوپائے اور یہ کھیت ممنوع ہیں ان کو صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں اپنے زعم کے مطابق اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جو کچھ پشیتیں (سواری کے لیے) حرام کر دی گئی ہیں اور کچھ چوپایوں پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے، اس پر افتراء کرتے ہوئے۔ اللہ عنقریب انہیں اس افتراء پر دازی کا بدلہ دے گا۔“

اسلام آیا تو یہ گمراہی اور حلال و حرام کے معاملہ میں یہ بے راہ روی موجود تھی۔ اسلام نے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور پہلا قدم یہ اٹھایا کہ تشریع کے اصول مقرر کیے اور ان کو حلت و حرمت کی اساس بنایا۔ جس کے نتیجہ میں اعتدال و توازن پیدا ہوا اور عدل کا صحیح معیار قائم ہوا نیز اس کی بدولت امت مسلمہ گمراہی اور انحراف کی راہ اختیار کرنے والے دائیں اور بائیں گروہوں کے درمیان امت وسط (اعتدال پر قائم رہنے والی امت) قرار پائی جسے اللہ تعالیٰ نے خیر امت کے لقب سے نوازا۔ (سورۃ آل عمران: ۱۱۰/۳)

### ❖ تمام اشیاء اصلاً مباح ہیں:

اسلام نے جو پہلا اصول مقرر کیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام چیزیں اصلاً حلال اور مباح ہیں۔ حرام صرف وہ چیزیں ہیں جن کی حرمت کے بارے میں صحیح اور صریح نص شرعی وارد ہوئی ہے۔ لہذا اگر صحیح نص موجود نہ ہو، بلکہ ضعیف ہو یا حرمت پر صریح طور سے دلالت نہ کرتی ہو، تو اصل اباحت برقرار رہے گی۔

علمائے اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ تمام اشیاء اور نفع بخش چیزیں اصلاً مباح اور جائز ہیں۔ ان کا استدلال قرآن کی درج ذیل آیات سے ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (البقرہ: ۲۹/۲)

”وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کر دیں۔“

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ﴾

(الحجۃ: ۱۳/۴۵)

”اس نے تمہارے لیے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اپنی طرف سے مسخر کر دیں۔“

﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْمِعَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۚ ﴾ (لقمان: ۲۰/۳۱)

”تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کی ہیں اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا اتمام کیا ہے؟“

اللہ تعالیٰ نے ان سب نعمتوں کو انسان کے لیے مسخر کر کے اس پر احسان فرمایا ہے لہذا یہ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان نعمتوں میں سے اکثر کو حرام ٹھہرا کر ان کے استفادہ سے انہیں محروم کرے گا؟ امر واقع یہ ہے کہ اس نے چند چیزیں کو حرام کیا ہے اور وہ بھی کسی خاص سبب یا مصلحت کی بنا پر جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ گویا اسلامی شریعت میں محرمات کا دائرہ بہت محدود ہے۔ اس کے برعکس حلال کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حرمت کے احکام پر مشتمل نصوص جو صحیح بھی ہوں اور صریح بھی بہت کم ہیں۔ اور باقی تمام چیزیں جن کی علت یا حرمت کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے اصلاً مباح ہیں اور ان کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

(( مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ حَلَالٌ وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ فَاقْبَلُوا مِنَ اللّٰهِ عَافِيَةً فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُنْ يُنْسِئُ شَيْئًا وَتَلَا وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا )) ❶

”اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس کو حلال ٹھہرایا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام ٹھہرایا ہے وہ حرام ہے اور جن چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے وہ معاف ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی اس فیاضی کو قبول کرو کیونکہ اللہ سے بھول چوک کا صدور نہیں ہوتا۔ پھر آپ ﷺ نے سورہ مریم کی آیت تلاوت فرمائی۔“

”اللہ سے کبھی بھول سرزد نہیں ہوتی۔“

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

❶ مستدرک حاکم (۲/۳۷۵)۔ مسند البزار (۱۱۷/۱۲۳)۔ السنن الکبریٰ لابن یحییٰ (۱۰/۱۲)۔

((سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ السَّمَنِ وَالْجُبْنِ وَالْغُرَاءِ فَقَالَ: الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَاكُمْ)) ❶

رسول اللہ ﷺ سے گھی، پنیر اور گورخر کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا ہے۔ اور حرام وہ ہے جسے اس نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا ہے۔ رہیں وہ چیزیں جن سے سکوت اختیار فرمایا ہے تو وہ معاف ہیں۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے جزئیات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا، بلکہ ایک ایسا قاعدہ بیان فرمایا کہ جس سے حلال و حرام میں باسانی تمیز کی جاسکتی ہے۔ اس کے پیش نظر یہ جان لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے جو چیزیں ان کے ماسوا ہیں وہ آپ ہی حلال و طیب قرار پاتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ مَفْرَضٌ فَرَائِضٌ فَلَا تُضَيَعُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً بِكُمْ مِنْ غَيْرِ نَسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا.)) ❷

”اللہ نے فرائض کو لازم کیا ہے، لہذا انہیں ضائع نہ کرو اور حدود مقرر کر دیئے ہیں لہذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ جن چیزوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے ان کی بے حرمتی نہ کرو۔ اور جن چیزوں کے بارے میں اس نے دانستہ سکوت اختیار فرمایا ہے تو یہ سکوت تمہارے لیے باعثِ رحمت ہے۔ لہذا ایسی چیزوں کے بارے میں بحث میں نہ پڑو۔“

❶ ترمذی، کتاب اللباس: باب ماجاء فی لبس الفراء، ح ۱۷۲۶ ابن ماجہ، کتاب الاطعمه: باب اکل الجبن والسمن، ح ۳۳۶۷۔ حسنه الابانی فی صحیح سنن الترمذی (۱۴۱۰) والحديث السابق شاهد له۔

❷ سنن الدارقطني (۴) ۱۸۳-۱۸۴۔ السنن الكبرى للبيهقي (۱۰/۱۲-۱۳)



یہاں یہ واضح کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مباح الاصل ہونے کا دائرہ اشیاء و اعیان تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس میں واقعات و تصرفات بھی شامل ہیں جو عبادات کے قبیل سے نہیں ہیں اور جن کو اصطلاحاً عادات و معاملات کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿وَقَدْ فَضَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ (الانعام: ۱۹۹/۶)

”اس نے وہ: بریں تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو تم پر حرام ٹھہرائی ہیں۔“

اشیاء اور افعال دونوں کو شامل ہے۔ البتہ عبادات کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ ان دینی امور کا علم جانتا، وحی کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور ان ہی امور کے متعلق حدیث میں آیا ہے:

((مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) ❶

”جو شخص ہمارے (دین کے) معاملے میں کوئی نئی بات نکالے جو اس سے متعلق نہیں، وہ قابل رد ہے۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ دین دو حقیقتوں اور طریقوں پر مشتمل ہے:

۱: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

۲: اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی طریقہ پر کی جائے جو اُس نے مشروع فرمایا ہے۔ لہذا جو شخص بھی اپنی جانب سے عبادت کا نیا طریقہ نکالے، خواہ وہ کوئی شخص ہو وہ لازماً گمراہی اور ضلالت ہے جسے رد کیا جانا چاہیے۔ حقیقتاً عبادت کے طور طریقے جو تقرب الہی کا ذریعہ ہیں، مقرر کرنے کا حق شارع اور صرف شارع کو حاصل ہے۔

البتہ عادات و معاملات کی نوعیت اس سے مختلف ہے۔ ان طور طریقوں کو شارع نے نہیں بلکہ لوگوں نے قائم کیا ہے جس کے مطابق وہ عمل درآمد کرتے رہتے ہیں۔ شریعت تو ان کی تصحیح و تہذیب اور ان میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کا کام انجام دیتی رہی ہے اور جن باتوں (رسوم و رواج) میں کوئی خرابی اور ضرر (نقصان) نہیں تھا ان کو شریعت نے برقرار رکھا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ بخاری، کتاب الصلح: باب اذا اصطلحو اعلی صلح جور فالصلح مردود، ح ۲۶۹۷ مسلم

کتاب الاقضية باب: نقض الاحکام الباطلة، ح ۱۷۱۸۔

”اقوال و افعال میں بندوں کے تصرف کی دو قسمیں ہیں۔ (۱)..... ایک قسم عبادات کی ہے جن سے دینی حالت درست ہوتی ہے (۲)..... اور دوسری قسم عادات کی ہے جن کی ضرورت دنیوی معاملات میں ہوتی ہے۔“

شریعت کے اصول کا عمومی اور ایک نظر میں طائرانہ مطالعہ کرنے سے یہ قاعدہ کلیہ ابھر کر سامنے آتا ہے کہ عبادات جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب یا مستحب ٹھہرایا ہے ان کی یہ حیثیت شریعت ہی سے ثابت ہو سکتی ہے۔ رہیں عادات تو دنیا کے معاملات میں لوگ ضرورتاً ان کے عادی ہوتے ہیں اور وہ اصلاً منع ہیں۔ اس لیے جن چیزوں کو اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے ان کے علاوہ کسی اور چیز کو ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا۔ امر و نہی کا معاملہ درحقیقت قانون الہی سے متعلق ہے۔ اور عبادت کا معاملہ بھی سراسر اسی کے حکم پر موقوف ہے لہذا جس بات کا حکم اس کی طرف سے نہیں ملا اس پر ممانعت کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟

اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر فقہائے اہل حدیث رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ عبادات اصلاً توفیقی (جن کا علم وحی کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے) ہیں۔ لہذا مشروع وہ ہے جسے اللہ کریم نے مشروع کیا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہم پر صادق آئے گا:

﴿أَمْرٌ لَهُمْ شُرُكُؤُا شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذُنْ بِهِ اللَّهُ﴾

(الشوریٰ: ۲۱/۴۲)

”کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کے وہ طریقے گھڑ لیے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟“

البتہ عادات کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ اصلاً مباح ہیں اس لیے اس قبیل کی محض ان چیزوں سے روکنا چاہیے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہم پر صادق آئے گا:

﴿قُلْ أَدْعَيْكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلٰلًا﴾

(یونس: ۵۹/۱۰)

”کہو! تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لیے نازل فرمایا ہے اس

میں سے کسی کو تم نے حرام اور کسی کو حلال ٹھہرایا؟“

یہ نہایت ہی اہم اور مفید اصول ہے اور اسی اصول کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ بیچ، ہبہ، اجارہ وغیرہ عادات کے قبیل سے ہیں، جن کی طرف لوگ روزمرہ کی زندگی میں ضرورت مند ہوتے ہیں مثلاً: کھانا، پینا اور لباس۔ شریعت نے ان عادات کو آدابِ حسنہ سے سنوارا ہے۔ اور جن عادات میں خرابی تھی ان کو حرام ٹھہرایا۔ اور جو ضرورت کے قبیل سے تھیں ان کو لازم کر دیا۔ اسی طرح جو عادات نا مناسب تھیں ان کو ناپسندیدہ ٹھہرایا۔ اور جن باتوں میں مصلحت کا پہلو غالب تھا ان کو مستحب قرار دیا۔

اس حقیقت کے پیش نظر لوگ اپنی مرضی کے مطابق لین دین اور اُجرت پر معاملہ کرنے کے لیے آزاد ہیں، جب تک کہ شریعت سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو جائے۔ اس کی مثال خورد و نوش ہے کہ لوگ محرمات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی مرضی کے مطابق کھانی سکتے ہیں۔ اگرچہ بعض چیزیں استحباب اور بعض چیزیں کراہت کے درجہ میں ہوتی ہیں۔ لیکن جب تک شریعت پابندی عائد نہ کرے وہ اپنی اصل اطلاقی (اباحتِ اصلیہ کی) حالت پر باقی رہتی ہیں۔“<sup>①</sup>

اس اصول کی تائید صحیح حدیث سے ہوتی ہے جو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ، فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ يَنْهَى عَنْهُ لَنَهَى عَنْهُ الْقُرْآنُ.))<sup>②</sup>

”ہم عزل کیا کرتے تھے درآنحالیکہ قرآن نازل ہو رہا ہوتا۔ اگر کوئی بات ایسی

ہوتی جس کی ممانعت کی جانی چاہیے تھی تو قرآن اس سے منع کرتا۔“

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس چیز کے بارے میں وحی نے سکوت اختیار کیا ہے وہ نہ تو حرام ہے اور نہ اس سے روکا گیا ہے۔ ایسی تمام چیزیں لوگوں کے لیے جائز ہیں جب تک کہ ممانعت پر دلالت کرنے والی کوئی نص سامنے نہ آجائے۔ اس معاملہ میں

① تالیف ابن تیمیہ، ص ۱۱۲، ۱۱۳۔

② بخاری۔ کتاب النکاح: باب العزل، ح ۵۲۰۷، ۵۲۰۸، مسلم، کتاب النکاح: باب حکم العزل، ح ۱۴۴۰: واللفظ لہ۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا فہم ان کے کمال تفقہ کی علامت ہے۔ الغرض اس سے اسلام کے مہتم بالشان اصول کا تعین ہو جاتا ہے کہ عبادت وہی مشروع ہے جسے اللہ کریم نے مشروع کیا ہے اور عادات سے متعلق کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کے بغیر حرام نہیں ہوتی۔

❖ تحلیل و تحریم اللہ ہی کا حق ہے:

اسلام نے دوسرا اصول یہ مقرر کیا کہ وہ اقتدار جو تحلیل و تحریم کے اختیارات کا اصل سرچشمہ ہے مخلوق کا نہیں بلکہ صرف خالق کا حق ہے۔ کوئی انسان عالم ہو یا درویش بادشاہ ہو یا حکمران، کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر کسی چیز کو حرام ٹھہرائے۔ جو شخص بھی اس کی جسارت کرے گا وہ حد سے تجاوز کرنے اور اللہ تعالیٰ کے تشریحی حقوق میں زیادتی کا مرتکب ہوگا اس کی اتباع کرنا اور اپنے عمل سے اس سے اظہارِ رضا مندی کرنا شرک کے مترادف ہے۔

﴿أَمْرٌ لَهُمْ شُرُكُؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهٖ اللّٰهُ﴾

(الشوریٰ: ۴۲/۲۱)

”کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کے وہ طریقے مقرر کر لیے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟“

یہود و نصاریٰ نے تحلیل و تحریم کے اختیارات اپنے احبار و رہبان (ملا و درویش) کو دے رکھے تھے جس پر قرآن نے اس طرح سخت نکیر فرمائی:

﴿إِتَّخَذُوا۟ أَحْبَابَهُمۡ وَرُهَبَانَهُمۡ أَرْبَابًا مِّنۡ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ؕ وَمَا أُمِرُوا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ٢٠﴾ (التوبہ: ۳۱/۹)

”انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار و رہبان کو اپنا رب بنا لیا ہے اور مسیح بن مریم کو بھی۔ حالانکہ انہیں ایک الہ کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا وہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ پاک ہے وہ ان کی ان شرکانہ باتوں سے۔“

حدیث مبارکہ میں ہے:

((وَقَدْ جَاءَ عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ ذَاكَ بِالنَّصْرَانِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ فَلَمَّا سَمِعَ النَّبِيَّ يَقْرَأُ هَذِهِ الْآيَةَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوهُمْ فَقَالَ: بَلَى! إِنَّهُمْ حَرَمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَائِلَ وَأَحْلَوْا لَهُمُ الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوهُمْ فَذَلِكَ عِبَادَتُهُمْ أَيَّاهُمْ. )) ❶

عدی بن حاتم جنہوں نے اسلام سے پہلے نصرانیت قبول کر لی تھی جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ان لوگوں نے اپنے احبار و رہبان کی عبادت تو نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں؟ انہوں نے ان پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا تھا اور ان لوگوں نے ان کی اتباع کی، احبار و رہبان کی عبادت کا یہی مطلب ہے۔“

دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ((أَمَّا أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحْلَوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَإِذَا حَرَمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَمُوهُ. )) ❷

”یہ لوگ احبار و رہبان کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور ان کے حرام کیے ہوئے کو حرام کر لیتے تھے۔“

نصاری اس زعم باطل میں مبتلا رہے کہ مسیح علیہ السلام نے آسمان پر جاتے ہوئے اپنے شاگردوں کو یہ اختیار تفویض فرمایا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں حلال و حرام ٹھہرائیں چنانچہ انجیل متی میں ہے:

”میں تم سے سچ کہتا ہوں: جو کچھ تم زمین پر باندھو گے وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تم زمین پر کھولو گے وہ آسمان پر کھلے گا۔“ (متی ۱۸: ۱۸)

اسی طرح قرآن نے تحلیل و تحریم کے معاملہ میں مشرکین کے طرز عمل کو بھی غلط قرار دیا:

❶ السنن الکبری للبیہقی (۱۱۶/۱۰)

❷ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورة التوبة، ح ۳۰۹۵.

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا﴾

﴿قُلْ أَلَا إِنَّ اللَّهَ أَعَزُّ لَكُمْ أَمَّ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ﴾ (یونس: ۵۹/۱۰)

”کہو! تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لیے نازل فرمایا ہے اس میں سے تم نے کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرایا؟ کہو! اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر افترا پر دازی کر رہے ہو؟“

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنَّا نَقُصُّ عَلَيْكُمْ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِيَتَفَتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾

(النحل: ۱۱۶/۱۶)

”یہ جو تمہاری زبانیں اللہ پر افتراء (جھوٹا الزام لگانا) کرتے ہوئے جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تو ایسی باتیں نہ کرو جو لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہ پائیں گے۔“

ان روشن آیات اور واضح احادیث سے فقہائے اسلام نے حتمی طور پر جان لیا کہ حلت و حرمت کا اختیار اللہ وحدہ ہی کو ہے اور وہ اپنی کتاب یا اپنے رسول ﷺ کی زبانی لوگوں کو حلال و حرام سے آگاہ کرتا ہے اور فقہاء کا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ وہ حلت و حرمت کو بیان کریں۔ شریعت سازی ان کا کام نہیں۔ یہ فقہاء، اجتہاد و اراستہ کی صلاحیت رکھنے کے باوجود فتویٰ دینے سے احتراز کرتے تھے اور یہ کام دوسروں کے سپرد کرتے تھے اس اندیشہ سے کہ غلطی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کر بیٹھیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ”کتاب الام“ میں قاضی ابو یوسف سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں:

”میں نے بہت سے اہل علم مشائخ کو دیکھا کہ وہ فتویٰ دینا پسند نہیں کرتے اور کسی چیز کو حلال یا حرام کہنے کی بجائے کتاب اللہ میں جو کچھ ہے اسے بلا تفسیر بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔“

ابن سائب جو ممتاز تابعی ہیں کہتے ہیں کہ اس بات سے حد المقدور بچو کہ تمہارا

حال اس شخص کا سا ہو جائے جو کہتا ہے کہ اللہ نے فلاں چیز حلال کی ہے یا اسے پسند ہے، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ میں نے اس کو حلال کیا تھا اور نہ مجھے پسند تھی۔ اسی طرح تمہارا حال اس شخص کا سا بھی نہ ہو جائے جو کہتا ہے کہ فلاں چیز حق تعالیٰ نے حرام کر دی ہے، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے، میں نے نہ اسے حرام کیا تھا اور نہ اس سے روکا تھا۔

ابراہیم نخعی سے جو کوفہ کے ممتاز فقہائے تابعین میں سے ہیں، منقول ہے کہ جب ان کے اصحاب فتویٰ دیتے تو ”یہ مکروہ ہے“ یا ”اس میں کوئی حرج نہیں“ کے الفاظ استعمال کرتے۔ کیونکہ کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانے سے زیادہ غیر ذمہ دارانہ بات اور کیا ہو سکتی ہے؟“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ سلف صالحین حرام کا اطلاق اسی چیز پر کرتے تھے جس کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہوتی۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کسی ایسے سوال کے جواب میں فرماتے: ”میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں یا اچھا نہیں سمجھتا“ یا یہ پسندیدہ نہیں ہے۔“ یہی بات امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر تمام ائمہ رحمہم سے منقول ہے۔

❖ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا شرک کے قبیل سے ہے:

اسلام نے ان لوگوں کی سخت مذمت کی ہے جو تحلیل و تحریم کے مختار و مجاز کلی بن جاتے ہیں۔ خاص طور سے اس نے حلال کو حرام کرنے والوں پر شدید گرفت کی ہے، کیونکہ اس کے نتیجہ میں انسان بلاوجہ تنگی اور مشقت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آخر کار تعمق (تشدد) پسندانہ مذہبیت کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے، حالانکہ نبی ﷺ نے تعمق و تشدد کے رجحان کو سختی سے دبا یا اور اس قسم کا رویہ اختیار کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، أَلَا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، أَلَا هَلَكَ

الْمُتَنَطِّعُونَ.)) ❶

❶ مسند احمد (۳۸۶۱)۔ مسلم، کتاب العلم: باب هلك المتنطعون، ح ۲۶۷۰ ابو داود، کتاب

السنة: باب في لزوم السنة، ح ۴۶۰۸.



”آگاہ ہو جاؤ! دین میں تعمق و تشدد پیدا کرنے والے ہلاک ہو گئے آگاہ ہو جاؤ! کہ دین میں تعمق و تشدد پیدا کرنے والے ہلاک ہو گئے آگاہ ہو جاؤ! کہ دین میں تعمق و تشدد پیدا کرنے والے ہلاک ہو گئے۔“

اور رسالت محمدی ﷺ کی خصوصیت یہ بیان فرمائی:

((بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ .)) ❶

”میں ایسے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو حنیف بھی ہے اور فراخ کشادہ بھی۔“

چنانچہ یہ دین عقیدہ و توحید کے معاملہ میں حنیف اور شریعت و اعمال کے معاملہ میں فراخ ہے۔ شرک و کفر اور حلال کو حرام کرنے جیسے افعال اس کی بالکل ضد ہیں۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

((إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ وَإِنَّهُمْ اتَّهَمُوا الشَّيَاطِينَ فَاجْتَسَلْتَهُمْ عَنْ دِينِهِمْ وَحَرَمْتُ عَلَيْهِمْ مَا أَحَلَلْتُ لَهُمْ وَأَمَرْتُهُمْ أَنْ لَا يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا .)) ❷

”میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے لیکن شیطانوں نے انہیں بہکایا اور ان پر ان چیزوں کو حرام کر دیا جن کو میں نے حلال کیا تھا اور انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ ان کو شریک ٹھہرائیں کہ جس کی میں نے کوئی سند نازل نہیں کی۔“

اس سے واضح ہے کہ حلال کو حرام کرنا شرک کے قبیل سے ہے۔ اسی لیے قرآن نے مشرکین عرب کے شرک، بت پرستی اور کھیتی اور چوپایوں جیسی پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے پر سخت نکیر کی۔ بحیرہ سائبہ و صلہ اور حام ان ہی کے حرام کردہ چوپائے تھے۔ چنانچہ

❶ یہ روایت مسند احمد کے حوالہ سے صحیح لکیرہ ہے باختلاف الفاظ، مسند احمد بن حنبل، ۱/۲۳۶، رقم الحدیث: ۱۲۰۷-۱۱۶/۶، رقم الحدیث: ۲۴۸۵۵، الادب المفرد للبخاری، رقم الحدیث: ۲۸۷، المجموع الكبير للطبرانی، ۸/۲۱۶، رقم: ۷۸۶۸، سلسلة الاحادیث الصحيحة للالبانی، رقم الحدیث: ۱۸۸۔

❷ مسلم، کتاب الجنة: باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا اهل الجنة، ح ۲۸۶۵۔



جب اونٹنی پانچ بچے جنم دے لیتی اور آخری بچہ نہ ہوتا تو یہ مشرکین اس اونٹنی کے کان کاٹ ڈالتے اور اس پر سواری کرنے کو ممنوع قرار دے کر اسے اپنے معبودوں کے لیے چھوڑ دیتے۔ پھر اس کو ذبح کرنا اور اس پر بار برداری کرنا سب حرام ہو جاتا، اس کو پانی کے گھاٹ یا چراگاہ سے ہٹایا بھی نہیں جاسکتا تھا، اس کا نام انہوں نے بحیرہ یعنی کان کٹی ہوئی اونٹنی رکھا تھا۔

اسی طرح سائبہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کو کوئی شخص اپنے سفر سے واپس آ جانے یا مرض سے شفا یاب ہو جانے پر اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیتا۔

بکری اگر مادہ جنتی تو اس کو اپنا حق سمجھتے اور اگر نہ جنتی تو وہ ان کے معبودوں کا حق ہوتا اور اگر نہ مادہ دونوں جنتی تو نہر کو اپنے معبودوں کے لیے ذبح کرنے کی بجائے اسے آزاد چھوڑ دیتے اور اس کا نام ”وصیلہ“ رکھتے۔ اسی طرح اس اونٹ کو جس کے بچے کا بچہ بار برداری کے قابل ہو جاتا تو اس بوڑھے اونٹ پر سواری اور بار برداری کو ممنوع قرار دیتے اور اس کا نام حام رکھتے۔ قرآن کریم نے اس تحریم کو منکر (نافرمانی اور گناہ کا کام) قرار دیا اور اس قسم کی گمراہیوں میں اپنے آباء کی تقلید کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی، فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝﴾

(المائدة: ۵/۱۰۳-۱۰۴)

”اللہ نے نہ بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ نہ وصیلہ اور نہ ہی حام۔ یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ جب انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور اس کے رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو (عمل کرتے ہوئے) پایا ہے۔ کیا یہ اس صورت میں بھی اپنے باپ دادا کی تقلید کریں گے جبکہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے رہے ہوں اور نہ ہدایت پر رہے ہوں؟“

سورہ اعراف میں اصل حرام چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۖ﴾

(الاعراف: ۷/۳۲)

”کہو! کس نے حرام ٹھہرایا ہے اللہ کی اُس زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں

کے لیے پیدا کی ہے اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو؟“

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا كَمْ يُنَزِّلُ بِهِ سُلْطَانًا أَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا

تَعْلَمُونَ ۝﴾ (الاعراف: ۷/۳۳)

”کہو! میرے رب نے تو جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے وہ یہ ہیں بے حیائی کے

کام خواہ کھلے ہوں یا چھپے۔ گناہ۔ ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا کسی کو شریک ٹھہراؤ

جس کی سند اللہ نے نہیں نازل کی۔ نیز یہ کہ اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی

ایسی بات کہو جس کا تمہیں علم نہیں۔“

تحلیل و تحریم کی یہ بحث کی سورتوں میں آئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کی

نظر میں یہ مسئلہ فروعات و جزئیات کا نہیں بلکہ اصول و کلیات کا ہے۔

مدینہ میں کچھ مسلمان ایسے تھے جن کے اندر شدت پسندی اور طیبات (پاکیزہ چیزوں)

کو اپنے نفس پر حرام کرنے کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے محکم آیات

نازل فرما کر ان کو حدود اللہ اور صراط مستقیم پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ

اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝﴾ (المائدة: ۵/۸۷-۸۸)

”اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام

نہ ٹھہراؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یقین جانو! اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو

پسند نہیں کرتا۔ جو حلال و طیب رزق اللہ نے تم کو بخشا ہے اسے کھاؤ اور اس اللہ

سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔“

❖ **حرام چیزیں باعث مضرت ہیں:**

اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق ہے اور ان پر اس کے بے شمار احسانات ہیں، اس لیے یہ اسی کا حق ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے انسان کے لیے حلال اور جس چیز کو چاہے حرام ٹھہرائے۔ اس پر اعتراض کرنے یا اس کی نافرمانی کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ اس کی ربوبیت کا حق اور اس کی بندگی کا صریح تقاضا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال، معقول و جہہ ہی کی بنا پر ٹھہرایا ہے اور انسان کا حقیقی مفاد اسی سے وابستہ ہے۔ اللہ نے پاکیزہ چیزوں ہی کو حلال قرار دیا اور ناپاک چیزوں ہی کو حرام ٹھہرایا ہے۔

البتہ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے بعض اچھی چیزیں بھی حرام کر دی تھیں یہ فیصلہ ان کی سرکشی کی وجہ سے سزا کے طور پر تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو دائمی دین کے ساتھ مبعوث فرمایا تو اُس کی رحمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس بوجھ کو ہلکا کر دیا جائے۔ گناہوں کے کفارہ کے لیے بھی اسلام نے طیبات کو حرام نہیں کیا بلکہ کفارہ کی ادائیگی کی دوسری شکلیں متعین کر دیں۔

❖ چنانچہ خالص تو بہ گناہوں کو اس طرح صاف کرتی ہے جس طرح پانی گندگی کو۔

❖ اسی طرح نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں اور صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھاتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے۔

❖ علاوہ ازیں مصائب و آلام میں گناہ اس طرح جھڑنے لگتے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں۔

اسی لیے اسلام کی یہ حقیقت معروف ہوگئی کہ اس نے جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے وہ انسانیت کے لیے ہر طرح سے خرابی و مضرت کا باعث ہیں۔

چنانچہ جو چیز خالص مضرت کی (نقصان کی باعث) تھی اس کو حرام کر دیا اور جو چیز خالص منفعت کی تھی اس کو حلال کر دیا۔ اسی طرح جس کی مضرت، منفعت سے زیادہ تھی اس کو حرام اور جس کی منفعت زیادہ تھی اس کو حلال قرار دیا۔ اس کی صراحت قرآن نے شراب

اور جوئے کے معاملہ میں یوں میں کی ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ (البقرة: ۲/۲۱۹)

”وہ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں، کہو! ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر۔“

ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ان خباثتوں اور مضرتوں (کے اسباب و دوائی) کو جان لے جن کی وجہ سے اسلام نے کسی چیز کو حرام ٹھہرایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں اس کا علم کم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی حرام کردہ خباثت ابھی ظاہر نہ ہوئی ہو اور کسی دوسرے زمانہ میں ظاہر ہو جائے۔ مومن کا کام تو ہمیشہ سب سے اطاعت ہے۔

خنزیر (سور) ہی کی مثال لیجئے۔ اللہ نے اس کا گوشت حرام کیا، لیکن اس وقت اس کی علت (وجہ، حکمت) مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آئی، سوائے اس کے کہ یہ نجس جانور ہے۔ لیکن زمانہ کی ترقی نے یہ انکشاف کیا کہ اس میں مہلک جراثیم اور کیڑے ہوتے ہیں۔ اگر یہ انکشاف نہ بھی ہوا ہوتا، یا اس بارے میں آئندہ مزید انکشافات ہو جائیں، بہر صورت ایک مسلمان اپنے اس عقیدہ پر قائم رہے گا کہ سور کا گوشت حرام ہے۔

دوسری مثال نبی ﷺ کی اس حدیث سے واضح ہے:

((اتَّقُوا الْمَلَاعِينَ الثَّلَاثَ: الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةَ الطَّرِيقِ وَالظِّلَّ.)) ❶

”تین باتوں سے بچو جو موجب لعنت ہیں: پانی پینے کی جگہوں میں، وسط راہ میں اور سایہ دار جگہ میں پاخانہ کرنا۔“

❶ ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب المواضع التي نهى عن البول فيها، ح ۲۶، ابن ماجہ: کتاب الطہارۃ: باب النهی عن الخلاء علی قارعة الطريق، ح ۳۲۸، ولہ شاهد غیر مسلم فی کتاب الطہارۃ: باب النهی عن التخلی فی الطرق والظلال، ح ۲۶۹، بلفظ اتقوا اللعائن .

اس حدیث کا مطلب قرآنِ اولیٰ میں صرف اس حد تک سمجھا گیا کہ یہ بُری باتیں ہیں جو عقل سلیم اور شائستگی کے خلاف ہیں، لیکن علمی انکشافات کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ چیزیں عام صحت کے لیے سخت مضر ہیں، کیونکہ ان سے خطرناک قسم کے متعدی امراض پھیلتے ہیں۔ اس طرح علم کی روشنی جتنی پھیلے گی اور انکشافات کا دائرہ جتنا وسیع ہوگا اسلام کی وہ مصلحتیں بھی واضح ہوتی چلی جائیں گی جو اس کے حلال و حرام میں بلکہ پورے تشریحی نظام میں پوشیدہ ہیں اور مصلحتیں کیسے نہیں ہوں گی جبکہ یہ شریعت اس ہستی کی طرف سے ہے جو علیم و حکیم ہونے کے ساتھ اپنے بندوں پر مہربان بھی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمَقْصِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ- وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاعْتَلَمْتُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (البقرہ: ۲/۲۲۰)

”اللہ بگاڑ پیدا کرنے والے کو بھی جانتا ہے اور بھلائی کرنے والے کو بھی، اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔“

❖ حلال حرام سے بے نیاز کر دیتا ہے:

اسلام کمال درجہ کی خوبیوں کا دین ہے اور اس نے لوگوں کے لیے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اُس نے جس چیز کو ہم پر حرام ٹھہرایا ہے اس کا نعم البدل ضرور عطا کیا ہے۔ ایسا نعم البدل جس سے لوگوں کی ضرورتیں بھی پوری ہوں اور وہ حرام سے بے نیاز بھی ہو جائیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس پر بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

❖ اسلام نے پانسوں (قسمت کے تیر جو س سے فال اور شگون بد لیتے تھے) کے ذریعہ قسمت معلوم کرنے کو حرام ٹھہرایا اور اس کے بدل کے طور پر دعائے استخارہ عطا فرمائی۔

❖ سود کو حرام کیا تو اُس کے عوض نفع بخش تجارت کو جائز کیا۔

❖ جوئے کو حرام کر دیا اور اس کی بجائے اس مال کا کھانا جائز کر دیا جو گھوڑے، اونٹ

اور تیروں کے مقابلوں کے ذریعہ حاصل ہو جو مقابلے شرعاً مفید خیال کیے گئے ہیں۔

❖ ریشم مردوں پر حرام کیا لیکن اس کے عوض اون کتان اور روئی کے انواع و اقسام کے لباس زینت سے نوازا۔

- ✽ زنا اور لواطت کو حرام ٹھہرایا اور ان کی بجائے سنت نکاح کو حلال ٹھہرایا۔
- ✽ منشیات کو حرام کیا لیکن اس کے نعم البدل کے طور پر لذیذ مشروبات عطا کئے، جو زوج اور بدن دونوں کے لیے مفید ہیں۔
- ✽ کھانے کی چیزوں میں جہاں ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا وہاں پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا۔

اگر ہم اسلام کے جملہ احکام کا تتبع کریں تو یہ حقیقت پوری طرح روشن ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اگر ایک جانب سے تنگی پیدا کی ہے (یہ تنگی پیدا کرنا بھی حکمت سے خالی نہیں) تو دوسری جانب سے وسعت کا دروازہ بھی کھول دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مشقت اور سختی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، بلکہ ان کے لیے آسانی پیدا کرنا اور ان کو خیر ہدایت اور رحمت سے نوازنا چاہتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذَيِّبَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَسْبِقُوا مَيْلًا عَظِيمًا ۝ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ۝﴾ (النساء: ۴/۲۶ تا ۲۸)

”اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنے احکام واضح کر دے اور تمہیں اُن لوگوں کے طریقوں کی ہدایت بخشے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اور اپنی رحمت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہو اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جو لوگ خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہ راست بھٹک کر دُور نکل جاؤ، اللہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

❖ جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے:

اسلام کا اصول یہ ہے کہ جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے۔ اس طرح اسلام نے حرام کے ذرائع کا بھی سد باب کیا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام نے زنا کو حرام کیا تو اس

کے مقدمات و محرکات کو بھی حرام کر دیا۔ مثلاً تبرج جاہلیہ، گناہ آمیز خلوت، بے جا اختلاط، برہنہ تصاویر، عریاں لڑکیاں اور فحش گانے وغیرہ۔ اسی بنا پر فقہاء اسلام نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ ”جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے۔“

یہ قاعدہ اسلام کے اس اصول کے عین مطابق ہے کہ گنہگار صرف وہ شخص نہیں ہے جو حرام کا مرتکب ہوا ہے، بلکہ اس گناہ میں وہ تمام لوگ شریک ہیں جو اس کام میں کسی نہ کسی حیثیت سے معاون رہے ہیں۔ خواہ تعاون کی نوعیت مادی رہی ہو یا لٹریری (تحریری)۔ حرام کے معاملہ میں جس قدر وہ تعاون کرتے رہے ہیں اسی قدر ان کا گناہ میں حصہ ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے نہ صرف شراب پینے والے پر لعنت فرمائی ہے بلکہ نچوڑنے والے اٹھا کر لے جانے والے اور جس کے لیے اٹھا کر لے جائی جائے ان سب پر نیز اس کی قیمت کھا جانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔<sup>①</sup>

اسی طرح سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کی دستاویز لکھنے والے اور گواہ بننے والے، سب پر لعنت فرمائی ہے۔<sup>②</sup> لہذا جو چیز حرام میں معاونت کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے اور جو شخص حرام میں معاونت کرے گا وہ گناہ میں شریک ہوگا۔

❖ حرام کے لیے حیلے تلاش کرنا بھی حرام ہے:

اسلام نے جہاں ان ظاہری وسائل کو حرام کیا، جو محرکات کا باعث ہوں، وہاں اُس نے اُن خفیہ ذرائع اور شیطانی حیلوں کو بھی حرام قرار دیا جن کے پس پردہ حرام کو حلال کیا جاسکتا ہے۔

یہودیوں نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کے لیے جو حیلہ بازیاں کی تھیں اُن کی اسلام نے سخت مذمت کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَ الْيَهُودُ وَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللَّهِ بِأَدْنَى

① ابوداؤد، کتاب الاشربة: باب العصير للخمير، ح ۳۶۷۴ ابن ماجہ، کتاب الاشربة: باب لعنة الخمر علی عشرہ، ح ۳۳۸۰، ۳۳۸۱۔

② مسلم، کتاب المساقاة: باب لعن اكل الرباء ومؤكله، ح ۱۵۹۸۔



الْحَيْلُ . )) ❶

”یہودیوں نے جس کا ارتکاب کیا تم اُس کا ارتکاب نہ کرو کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ادنیٰ حیلوں کے ذریعہ حلال کرنے لگو۔“

یہودیوں پر اللہ نے سبت (سنچر ہفتہ) کے دن شکار کرنا حرام کر دیا تھا، لیکن انہوں نے حیلہ کر کے حرام کو حلال کر لیا۔ چنانچہ وہ جمعہ کے دن سمندر کے کنارے خندقیں کھودتے تاکہ سبت (سنچر ہفتہ) کے دن مچھلیاں اس میں آکر جمع ہوتی رہیں اور اتوار کے دن وہ ان کو پکڑ سکیں۔ ان حیلہ سازوں کے نزدیک ایسا کرنا جائز تھا، لیکن فقہائے اسلام کے نزدیک حرام ہے، کیونکہ یہ بات اللہ کے حکم کے خلاف ہے جس کا منشاء ہی یہ تھا کہ وہ شکار سے رک جائیں۔ خواہ شکار براہ راست ہو یا بالواسطہ۔

کسی حرام چیز کا نام یا اس کی صورت بدل دینا جبکہ اس کی اصل حقیقت اپنی جگہ برقرار ہو ناجائز قسم کا حیلہ ہی ہے۔ محض نام یا صورت کی تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر لوگ محرمات کے لیے نئی نئی صورتیں ایجاد کرنے لگیں یا سود جیسی ناپاک چیز کے لیے حیلہ بازی پر اتر آئیں یا شراب کا کوئی خوبصورت نام رکھ کر پینا جائز کر لیں تو ایسی صورت میں ان کی حرمت اور گناہ میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ حدیث میں یہ پیشگی انتباہ موجود ہے فرمایا:

((لَيْسَتْ حَلْلٌ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يَسْمُونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا . )) ❷

”میری امت کا ایک گروہ شراب کا نام بدل کر اس کو حلال کر لے گا۔“

((يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَسْتَحِلُّونَ الرِّبَا بِاسْمِ الْبَيْعِ . )) ❸

”ایک زمانہ آئے گا جب لوگ سود کو بیع کے نام سے حلال کر لیں گے۔“

اور یہ بھی تو زمانہ کی نیرنگیاں ہیں کہ لوگوں نے اخلاق سوز رقص کا نام ”فن“ رکھ دیا

❶ ابن بطلة فی ابطال الحیل (ص-۳۴) کما فی غایۃ المرام و ضعفہ الالبانی، ولكن اوردہ فی آداب الزفاف (ص-۱۹۲) و بعد تبیین له انه ضعيف افطر تراجع والعلامة اللالبانی .

❷ مسند احمد (۵/۳۱۸) نسائی، کتاب الاشرۃ: باب منزلة الخمر، ح ۵۶۶۱ ابن ماجہ، کتاب الاشرۃ: باب الخمر یسمونها بغير اسمها، ح ۳۳۸۵ .

❸ إغاثة اللہفان لابن القيم، ۱/۵۱۹، غریب الحدیث للحصصی، (۱/۲۱۷) .



ہے اور شراب کو ”مشروبات روحیہ“ اور سود کو ”پرافٹ Profit (نفع)“ کے نام سے موسوم کر بیٹھے ہیں۔

❖ نیک نیتی، حرام کو حلال نہیں کرتی:

یہ بات صحیح ہے کہ اسلام نے شرعی معاملات میں نیک ارادہ اور نیک نیتی کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِغُلَامٍ أَمْرِي مَآئِوَى .)) ❶

”اعمال میں اعتبار نیت کا ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی“۔

نیک نیتی کی بنا پر مباح اور عادات کے قبیل کے کام، اطاعت و تقرب کے کام بن جاتے ہیں۔ مثلاً جو شخص اس نیت سے کھانا کھاتا ہے کہ بقائے حیات اور تقویت بدن کے اس ذریعہ سے وہ اپنے رب کے عائد کردہ فرائض اور اپنی ملی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل ہو جائے گا تو اس کا کھانا اور پینا، سب عبادت و تقرب ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیوی سے اولاد کے لیے یا پاکدامنی کی خاطر مباشرت کرتا ہے تو اس کا یہ فعل بھی عبادت ہی ہے جس پر وہ اجر کا مستحق ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((وَفِي بَضْعٍ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ قَالُوا أَيَّتِي أَحَدُنَا شَهَوْتَهُ يَارَسُولَ اللَّهِ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ أَلَيْسَ إِنَّ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ كَانَ عَلَيْهِ وَزْرٌ؟ فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي حَلَالٍ كَانَ لَهُ أَجْرٌ .)) ❷

”تم میں کسی کا اپنی بیوی سے مباشرت کرنا بھی صدقہ ہے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرے کیا اُسے اجر بھی ملے گا؟ فرمایا: ”اگر وہ حرام مباشرت کا مرتکب ہوتا تو کیا وہ گنہگار نہ

❶ بخاری کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ح ۱۔ مسلم کتاب

الامارة: باب قوله ﷺ ”انما الاعمال بالنية“ ح ۱۹۰۷۔

❷ مسلم کتاب الزکوٰۃ: باب بیان ان اسم الصدقة يقع علی کل نوع من المعروف ح ۱۰۰۶۔

ہوتا؟ اسی طرح وہ جائز مباشرت کرنے پر اجر کا مستحق ہے۔“

نیز حدیث میں آیا ہے:

((وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا تَعَفُّفًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَسَعْيًا عَلَى عِيَالِهِ

وَتَعَفُّفًا عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللَّهَ وَوَجْهَهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ.)) ❶

”جو شخص دنیا کی جائز چیزوں کا طلب گار ہو اپنی خودداری کو باقی رکھنے اپنے

اہل و عیال کا نفقہ ادا کرنے اور اپنے پڑوسی پر مہربان ہونے کی غرض سے تو وہ

اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند

کی طرح چمک رہا ہوگا۔“

اس طرح ہر جائز کام جو مومن انجام دیتا ہے، حسن نیت کی بنا پر عبادت بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس حرام کام حرام ہی رہتا ہے خواہ اس کا ارتکاب کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ کیوں

نہ کیا جائے اور (بزع خود) کتنا ہی اعلیٰ مقصد پیش کیوں نہ ہو۔ اسلام کو یہ بات ہرگز پسند نہیں

کہ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ حرام کو بنایا جائے۔ اسلام میں مقصد کا اعلیٰ ہونا اور اس

کے حصول کے ذرائع کا پاکیزہ ہونا، دونوں ہی مطلوب ہیں۔ اسلامی شریعت اس قاعدہ کو ہرگز

تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ ”مقصد ہر قسم کے ذریعہ کو جائز کر دیتا ہے۔“ اور نہ اُس

کے نزدیک یہ اصول ہی قابل قبول ہے کہ ”صحیح مقصد کے حصول کے لیے بہ کثرت غلط

طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں۔“ برخلاف اس کے اسلام یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ ”صحیح

مقصد کے لیے صحیح طریقے (شریعت کے مطابق) ہی اختیار کیے جائیں۔“

لہذا اگر کوئی شخص اس غرض سے سودِ رشوت، حرام کھیل، جوا اور دیگر مخطورات کے ذریعہ

روپیہ کماتا ہے کہ وہ مسجد تعمیر کرے گا یا رفاہی خدمت انجام دے گا تو مقصد کی یہ پاکیزگی

حرمت کو رفع (ختم) نہیں کرتی۔ کیوں کہ اسلام میں مقاصد اور نیتیں حرام پر اثر انداز نہیں

ہوتیں۔ نبی ﷺ نے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

❶ ابو نعیم فی ”الحلیۃ“ (۳/۱۰۹-۱۱۰) من طریق الطبرانی (۸/۳۱۵) وغیرہ والبیہقی فی

الشعب۔ (۷/۲۹۸) ح' ۱۰۳۷۴، ۱۰۳۷۵ (۱۰۳۷۵) اسنادہ ضعیف لانقطاعہ۔

((إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (المؤمنون: ۵۱) وَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنَ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [البقرة: ۱۷۲] ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلُ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ "يَارَبِّ يَارَبِّ" وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَعَزْدِي بِالْحَرَامِ فَإِنِّي يُسْتَجَابُ لِدَلِيكَ؟)) ❶

”اللہ پاک ہے اور پاک چیزوں ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اہل ایمان واس نے اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم کہ اس نے اپنے رسولوں کو دیا۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا: ”اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس کا مجھے اچھی طرح علم ہے۔“ نیز فرمایا: ”اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں انہیں کھاؤ۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص طویل سفر کرتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ بال پریشان ہیں پاؤں غبار آلود ہیں اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے ”اے رب اے رب“ لیکن اس کا کھانا حرام پینا حرام لباس حرام اور حرام کھا کر ہی وہ پلا ہے تو ایسے شخص کی دعا کیونکر قبول ہوگی؟“ اور فرمایا:

((مَنْ جَمَعَ مَالًا مِنْ حَرَامٍ ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيهِ أَجْرٌ وَكَانَ إِصْرُهُ عَلَيْهِ)) ❷

”جس نے حرام مال جمع کیا اور پھر اسے صدقہ کیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں

❶ مسلم، کتاب الزکوٰۃ: باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، ح ۱۰۱۵، ترمذی کتاب تفسیر

القرآن: باب ومن سورة البقرة: ح ۲۹۸۹۔

❷ مستدرک حاکم (۱/ ۳۹۰) صحیح ابن حبان (الاحسان- ۳۲۰۶)۔ (موارد- ۸۳۶۷۹۷)۔

شرح السنة (۱۵۹۱)۔ واسنادہ ضعیف۔

ہے بلکہ اس پر (حرام کمائی کے) گناہ کا بار ہے۔“

نیز فرمایا:

(( لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالًا حَرَامًا فَيَتَصَدَّقَ بِهِ فَيُقْبَلَ مِنْهُ، وَلَا يَنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارِكُ لَهُ فِيهِ، وَلَا يَتْرُكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ إِلَّا كَانَ زَادَهُ إِلَى النَّارِ، إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ، وَلَكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ، إِنَّ الْحَيِّثُ لَا يَمْحُو الْحَيِّثُ )) ❶

”بندہ حرام مال کما کر جو صدقہ کرتا ہے وہ قبول نہیں ہوتا۔ اس میں سے جو کچھ وہ خرچ کرتا ہے اس میں برکت بھی نہیں ہوتی۔ اور جو اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ جہنم کے لیے زاوراہ بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا، بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ گندگی، گندگی کو نہیں مٹاتی۔“

❶ حرام میں مبتلا ہو جانے کے اندیشہ سے مشتبہات سے بچنا:

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ اُس نے حلال و حرام کا معاملہ لوگوں پر مبہم نہیں رکھا۔ بلکہ حلال کو واضح کر دیا اور حرام کی تفصیل بیان کر دی:

﴿وَقَدْ فَضَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ (الانعام: ۱۹۹)

”اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو تم پر حرام کر دی ہیں۔“

لہذا جو چیز واضح طور پر حلال ہے اس کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جو چیز واضح طور پر حرام ہے اس کو اضطراری حالت کے سوا (جس کی صراحت خود قرآن کریم میں ہے) اختیار کرنے کی رخصت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ایک دائرہ واضح حرام کے درمیان مشتبہات کا بھی ہے۔ ایسے امور میں لوگ التباس محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی تو دلائل ہی غیر واضح ہوتے ہیں اور کبھی نص کو پیش آمدہ واقعہ پر منطبق کرنا سخت الجھن کا باعث بن جاتا ہے۔ اس قسم کے مشتبہ امور سے بچنے کا نام اسلام میں تو زرع (تقویٰ) ہے۔ یہ تو زرع سد ذریعہ کا کام دیتا ہے اور انسان کی صحیح ڈھنگ پر تربیت کرتا ہے

ورنہ اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی مشتبہات میں پڑ کر حرام کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔ یہ اصول نبی ﷺ کے اس ارشاد پر مبنی ہے:

((الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنَ وَبَيْنَ ذَلِكَ أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَذَرِي كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ أَمِنَ الْحَلَالِ هِيَ أَمِ الْحَرَامِ فَمَنْ تَرَكَهَا اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَرْضِهِ فَقَدْ سَلِمَ وَمَنْ وَقَعَ شَيْئًا مِنْهَا يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَ الْحَرَامَ كَمَا أَنَّ مَنْ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى أَوْشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مُحَارِمُهُ. )) ❶

”حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں۔ جن کے بارے میں بہت سے لوگوں کو نہیں معلوم کہ آیا یہ حلال ہیں یا حرام تو جو شخص اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچانے کے لیے ان سے احتراز کرے گا وہ سلامتی میں رہے گا۔ لیکن جو شخص ان میں سے کسی چیز میں مبتلا ہوگا تو اس کا حرام میں مبتلا ہونا بعید نہیں۔ جس طرح کوئی شخص اپنے جانور ممنوعہ چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے تو ان کے اندر داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ سنو! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے اور سنو! اللہ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔“

❖ حرام، سب کے لیے حرام ہے:

اسلامی شریعت میں حرام کا حکم عام ہے۔ ایسا نہیں ہے کوئی چیز عجمی کے لیے تو حرام ہو اور عربی کے لیے حلال یا کالے کے لیے ممنوع ہو اور گورے کے لیے مباح۔ اور نہ ہی کسی چیز کا جواز یا رخصت کسی مخصوص طبقہ یا گروہ کے لیے ہے کہ کاہن، اہبار، بادشاہ یا شرفاء اپنے مقام اور نام کا فائدہ اٹھا کر اپنی نفس پرستی کا سامان کرتے رہیں۔ حتیٰ کہ مسلمان کی بھی کوئی خصوصیت نہیں ہے کہ ایک چیز مسلمان کے لیے حلال ہو اور دوسروں کے لیے حرام۔ بلکہ جس

❶ بخاری، کتاب الایمان: باب فضل من استبرا لدينه، ح ۵۲۔ مسلم، کتاب المساقاة: باب اخذ الحلال وترك الشبهات، ح ۱۵۹۹ ترمذی، کتاب البيوع: باب ماجاء في ترك الشبهات، ح ۱۲۰۵ واللفظ له.

طرح اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا رب ہے اسی طرح اس کی شریعت بھی سب کی رہنما ہے۔ لہذا اس نے اپنی شریعت میں جس چیز کو حلال قرار دیا ہے وہ تمام انسانوں کے لیے حلال ہے اور جس کو حرام قرار دیا ہے وہ قیامت تک سب کے لیے حرام ہے۔

مثال کے طور پر چوری کرنا حرام ہے، خواہ مسلمان چوری کرے یا غیر مسلم اور خواہ چرائی ہوئی چیز مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی۔ اسی طرح چور کے لیے سزا لازمی ہے، خواہ اس کا نسب و حسب کچھ ہو اور اس کی وابستگی کسی سے بھی ہو۔ یہ وہ اصول ہے جس پر خود نبی ﷺ نے عمل درآمد فرمایا اور اس کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

((وَأَيُّمُ اللَّهُ لَوْ سَرَقْتَ فَأَاطَمَهُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.)) ❶

”اللہ کی قسم! اگر قاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“

اسی طرح عہد رسالت میں چوری کا ایک واقعہ پیش آیا تھا، جس میں ایک یہودی اور ایک مسلمان پر شبہ ہوا۔ مسلمان کے رشتہ دار بعض قرآن کی بنا پر یہودی پر الزام رکھنے لگے حالانکہ درحقیقت مسلمان نے چوری کی تھی۔ اس موقع پر وحی الہی نے بے لاگ انصاف سے کام لیتے ہوئے یہودی کو بری قرار دیا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۖ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝﴾

(النساء: ۱۰۵/۴-۱۰۶)

”یہ کتاب ہم نے حق کے ساتھ تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں دکھایا ہے، تم خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو اور اللہ سے استغفار کرو، یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔ اور ان لوگوں کی وکالت نہ کرو جو اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں۔“

❶ بخاری، کتاب الحدود: کراہیۃ الشفاعة فی الحد، ح ۶۷۸۸۔ مسلم، کتاب الحدود: باب قطع السارق الشریف وغیرہ، ح ۱۶۸۸۔

اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں جو خیانت کا راور معصیت کوش ہوں۔“ ❶

یہودی جنہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کی اس خیانت میں مبتلا تھے کہ سود ایک یہودی پر صرف اس صورت میں حرام ہے جبکہ وہ اپنے یہودی بھائی کو قرض دے۔ کسی غیر یہودی کو سود پر قرض دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ”سفر تنبیہ الا شرع“ میں ہے:

”کسی اجنبی کو سود پر قرض دے، لیکن اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دے۔“ (۲۰:۳۳)

قرآن نے بھی ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ دوسری ملت والوں کے ساتھ خیانت کرنے میں کوئی حرج یا گناہ محسوس نہیں کرتے:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِيَدِينَا لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۷۵)

”اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ایک دینار بھی ان کو امانت میں دو تو وہ اس کو ادا نہیں کریں گے مگر جب تک کہ تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اُمیوں (غیر یہودیوں) کے معاملہ میں ہم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اور یہ بات وہ جانتے بوجھتے اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے۔“

بے شک انہوں نے اللہ پر یہ جھوٹ ہی باندھا تھا، کیونکہ حقیقتاً اللہ کی شریعت قوموں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتی۔ اللہ نے خیانت کو تو تمام انبیاء کی زبانی حرام قرار دیا ہے۔  
❶ ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں:

اسلام نے حرام کے معاملہ میں سخت احکام دیئے ہیں، لیکن اس نے انسانی زندگی کی ضرورتوں کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتی ہے اور انسانی کمزوری کا بھی پورا لحاظ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس بات کو جائز کر دیا ہے کہ ایک مسلمان شدید ضرورت کے پیش آ جانے پر اپنی جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت حرام چیز کھالے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مردار، خون اور سور کے گوشت کی حرمت کا حکم دینے کے بعد فرمایا ہے:

❶ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن: باب و من سورة النساء، ح ۳۰۳۶۔



﴿فَمِنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُودٌ رَحِيمٌ﴾ (البقرة: ۱۷۳)

(البقرة: ۱۷۳ / ۲)

”تو جو شخص مجبور ہو جائے اور اس کا خواہش مند اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو

تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک انا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

یہ حکم دیگر چار سورتوں میں بھی آیا ہے جس کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری آیتوں کے پیش نظر فقہائے اسلام نے یہ اہم اصول اخذ کیا ہے کہ ”ضرورتیں محظورات کو جائز کر دیتی ہے۔“

لیکن خیال رہے کہ ان آیات نے مضطر کے لیے ”غَيْرُ بَاغٍ وَلَا عَادٍ“ کی قید لگائی ہے جس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ حالت مجبوری میں حرام سے فائدہ اٹھانے والا حرام شے کی لذت کا طالب نہ ہو اور نہ ہی فائدہ اٹھانے کے معاملہ میں حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو۔ اس شرط سے فقہاء نے ایک اور اصول اخذ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ”ضرورت اپنا دائرہ خود متعین کرتی ہے۔“

انسان کو اگرچہ مجبوری کے آگے جھکنا پڑتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے کو بری طرح مجبوری کے حوالہ کر دے اور اپنے نفس کی زمام اس کے ہاتھ میں دے بیٹھے۔ بلکہ اسے لازماً اصل حلال سے وابستہ رہنا چاہیے اور اسی کی تلاش میں لگے رہنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو چیز دفع ضرورت کے لیے وقتی طور پر حلال ہو گئی تھی اسے سہل خیال کیا جانے لگے اور اس سے لذت حاصل کی جانے لگے۔ اسلام نے ضرورت کے موقعوں پر محظورات کو مباح کر کے اپنی عام اسپرٹ (روح) اور قواعد کلیہ کے مطابق بڑی آسانی پیدا کر دی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ۱۸۵ / ۲)

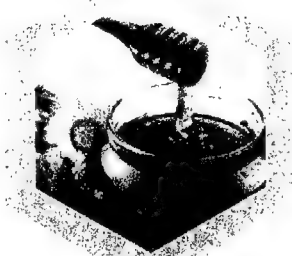
”اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔“







پہلے اعمال اور بات کو جاننے کے لئے  
اس کتاب کی وضاحت کے لئے شامل ہے



ماکولات و مشروبات

لباس اور زینت

گھر

کسب اور پیشہ

مسلمان کی انفرادی زندگی میں حلال و حرام

## ماکولات و مشروبات

اشیاء خورد و نوش اور خاص طور سے حیوانی غذاؤں کے بارے میں اقوام و ملل کا یہ اختلاف قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ کون کون سی چیزیں جائز ہیں اور کون کون سی چیزیں ناجائز ہیں۔ جہاں تک نباتاتی غذاؤں اور مشروبات کا تعلق ہے تو ان میں اختلافات کا دائرہ وسیع نہیں ہے۔ اور اسلام نے بھی تو شراب کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ وہ انگور سے بنائی گئی ہو یا کھجور یا جو یا کسی بھی اور چیز سے۔ اسی طرح اس نے اُن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے جو عقل میں فتور یا بے حسی کی کیفیت پیدا کرتی ہوں، نیز وہ چیزیں جو مضر صحت ہوں۔

رہیں حیوانی غذائیں تو اس معاملہ میں قوموں اور ملتوں کے درمیان شدید اختلاف رہا ہے۔ برہمنوں کے نزدیک جانور کو ذبح کرنے اور کھانے کا مسئلہ:

برہمنوں جیسے اہل مذاہب اور بعض فلسفیوں نے جانور کا ذبح کرنا اور اس کا کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ ان کا گذارہ سبزی خوری پر ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک جانور کو ذبح کرنا بڑا سنگدلانہ کام ہے۔

لیکن جب ہم کائنات پر غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان حیوانات کی تخلیق بجائے خود مقصود نہیں ہے، کیونکہ ان کو عقل و ارادہ کی قوت عطا نہیں ہوئی ہے اور ان کی طبعی ساخت ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسان کی خدمت کے لیے مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ انسان جس طرح ان کی تسخیر سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح اگر ذبح کر کے ان کے گوشت سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہم اس سنت الہی کو بھی جانتے ہیں کہ ادنیٰ نوع کی مخلوق کو اعلیٰ نوع کی مخلوق کے لیے قربان ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ سبزی خور حیوان کے چارہ کے لیے کاٹ ڈالی جاتی ہیں۔ اسی طرح جانور کو انسان کی غذا کے لیے ذبح کیا جاتا ہے بلکہ انسانی فرد کو بھی اجتماعی مصالح کی خاطر لڑنا اور قربان ہونا پڑتا ہے۔

پھر انسان اگر جانوروں کو ذبح کرنے سے رُک بھی جائے تو بھی انہیں موت یا ہلاکت سے بچایا نہیں جاسکتا۔ ایسی صورت میں یا تو دوسرے جانور انہیں چر پھاڑ کر کھا جائیں گے یا وہ اپنی موت آپ مر جائیں گے اور یہ صورت بعض مرتبہ جانور کے لیے اس کے گلے پر چھری چلائے جانے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

حرام جانور، یہود و نصاریٰ کے نزدیک:

کتاب رکھنے والے مذاہب میں سے یہود پر اللہ تعالیٰ نے خشکی و تری کے بہت سے جانور حرام کر دیئے تھے۔ جس کی تفصیل توریت کی ”دسفر لا وین“ کی گیارہویں فصل میں بیان ہوئی ہے۔

یہود پر اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں سے بعض کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے اور ان کی تحریم کا سبب ان کے ظلم و معصیت کو قرار دیا ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَلَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصِدْقُونَ ۝﴾ (الانعام: ۱۴۶)

”اور جو یہودی ہوئے ان پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کیے تھے۔ اور گائے اور بکری کی چربی بھی، جز اس کے جو اُن کی آنتوں سے لگی ہوئی ہو یا کسی ہڈی سے لگی رہ جائے۔ یہ ہم نے اُن کو اُن کی سرکشی کی سزا دی تھی اور ہم بالکل سچے ہیں۔“

یہ تو ہے یہود کا معاملہ۔ اور نصاریٰ ان کے تابع ہی ہیں۔ چنانچہ انجیل کا بیان ہے کہ مسیح علیہ السلام ناموس (شریعت) کو ختم کرنے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ اس کو مکمل کرنے کے لیے آئے تھے، لیکن نصاریٰ نے خود ناموس کو ختم کیا اور تورات کی حرام کردہ چیزوں میں سے جن کو انجیل نے منسوخ نہیں کیا تھا، ان کو وہ خود جائز قرار دے بیٹھے۔ اسی طرح خورد و نوش کے معاملہ میں انہوں نے مقدس پولس کے احکام کی پیروی اختیار کی اور صرف اُس جانور کو حرام قرار دیا جو انہوں نے منسوخ کر دیا گیا ہو۔ پولس نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ ”پاک

لوگوں کے لیے ہر چیز پاک ہے اور جو چیز منہ کے اندر رہ جاتی ہے وہ نجس نہیں کرتی، بلکہ جو کچھ منہ سے نکلتا ہے وہ نجس کر دیتا ہے۔

اس دلیل سے انہوں نے سور کا گوشت بھی جائز کر لیا، حالانکہ تورات میں صریح حکم موجود ہے جس سے آج تک اُن پر یہ چیز حرام چلی آ رہی ہے۔

جاہلیت میں عربوں کے نزدیک:

رہے عرب تو انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بعض جانوروں کو (بزعم خود) نجس و پلید سمجھ کر اور بعض کو بر بنائے وہم یا بتوں کے تقرب کے لیے حرام قرار دیا تھا۔ مثلاً: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام، جن کی وضاحت اس سے پہلے کی جا چکی ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں انہوں نے مردار اور بہتا ہوا خون جیسی بہت سی ناپاک چیزیں جائز کر لی تھیں۔

اسلام نے پاک چیزوں کو جائز قرار دیا:

اسلام جب نمودار ہوا تو لوگ حیوانی غذا کے معاملہ میں بُری قسم کی افراط و تفریط میں مبتلا تھے۔ لہذا اسلام نے تمام انسانوں سے خطاب کر کے کہا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝﴾ (البقرة: ۱۶۸/۲)

”لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاک ہیں ان کو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

گویا اسلام نے دعوت عام دی کہ لوگ آئیں اور اس وسیع و ستر خوان (زمین) سے پاک چیزیں نوش کریں اور شیطان کی راہوں پر چل نہ پڑیں۔ بالفاظ دیگر اللہ نے جس کو حلال ٹھہرایا ہے، اس کو حرام ٹھہرا کر گمراہی کے گڑھے میں نہ جا گریں۔ اس کے بعد اہل ایمان سے خصوصی خطاب کر کے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

عَقُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٢﴾ (البقرة: ۱۷۲-۱۷۳)

”اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی بندگی کرنے والے ہو۔ اس نے تو بس تم پر مردارِ خون اور سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام کر دیا ہے۔ البتہ جو شخص مجبور کیا جائے اور وہ اس کا نہ خواہش مند ہو اور نہ حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

اس خصوصی خطاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور اپنے محسن کے شکر گزار بن کر اس کی نعمتوں کا حق ادا کریں۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ آیت میں جن چار اصناف کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾﴾

(الانعام: ۱۴۵/۶)

”کہو! جو وحی میرے پاس آئی ہے اُس میں تو میں کوئی ایسی چیز کسی کھانے والے پر حرام نہیں پاتا، بجز اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ یہ ناپاک ہے یا فسق ہو کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں کچھ کھالے بغیر اس کے کہ وہ اس کا خواہش مند ہو یا حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو یقیناً تمہارا رب بخشنے والا اور مہربان ہے۔“

سورہ مائدہ میں ان محرمات کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخَنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴿١٧٤﴾﴾ (المائدة: ۱۳/۵)

”تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جسے غیر اللہ کے لیے ناسزد کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر مرا ہو، جو چوٹ کھا کر مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو، جو سینگ لگ کر مرا ہو، جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو، بجز اس کے جسے تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جو کسی استھان پر ذبح کیا گیا ہو۔“

اس آیت میں دس محرمات بیان کیے گئے ہیں اور اس سے پہلے والی آیت میں صرف چار محرمات۔ دونوں آیات میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر ہے۔ کیونکہ منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ اور درندوں کا پھاڑ کھایا ہوا جانور یہ سب مردار ہی کے حکم میں ہیں اور اسی کی یہ تفصیل ہے۔ استھانوں پر ذبح کیا ہوا جانور بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کے حکم میں شامل ہے۔ اس طرح گویا محرمات اجمالاً چار ہیں اور تفصیلاً دس۔

مردار کی حرمت اور اس کی مصلحتیں:

قرآن کی آیات میں جہاں حرام کھانوں کا بیان ہوا ہے، وہاں سب سے پہلے مردار کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی وہ حیوان یا پرندہ جو طبعی موت مرا ہو اور اس کی موت ذبح یا شکار کے ذریعہ واقع نہ ہوئی ہو۔

عصر حاضر کا ذہن سوال کرتا ہے کہ مردار کو حرام قرار دینے اور کھانے کے کام میں لانے کی بجائے رایگاں جانے دینے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟ جواب میں ہم عرض کریں گے کہ مردار کی تحریم کئی وجوہات پر مبنی ہے:

(ا) طبع سلیم مردار سے نفرت کرتی ہے۔ عام طور سے اہل دانش مردار کھانا باعث احتقار سمجھتے ہیں اور اسے انسان کے شایان شان خیال نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کتابی مذاہب مردار کو حرام قرار دیتے ہیں اور ذبح شدہ جانور ہی کو کھانا پسند کرتے ہیں، گو کہ ذبح کرنے کا طریقہ مختلف ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ آدمی کوئی ایسی چیز کھائے جس کے حصول کا اُس نے قصد نہ کیا ہو۔ مردار کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ البتہ جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے یا جس کا

- شکار کر لیا جاتا ہے اس میں انسان کے قصد اور اس کی سعی و عمل کا دخل ضرور ہوتا ہے۔
- (ج) جو جانور اپنی موت آپ مرا ہو اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ اس کی موت دائم المریض ہونے یا کسی حادثہ کا شکار ہونے یا زہریلی نباتات کھانے سے واقع ہوئی ہو ایسی صورت میں اسے کھانے سے ضرر کا اندیشہ ہے۔ اور یہ اندیشہ اس صورت میں بھی ہوتا ہے جب کہ شدت ضعف یا طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ مر گیا ہو۔
- (د) اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام قرار دے کر چرند و پرند کے لیے اپنی رحمت سے غذا مہیا کر دی ہے کیونکہ وہ بھی ہماری طرح ایک اُمت ہیں۔
- (ہ) ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے مملوکہ جانوروں کو مرض کا شکار ہونے یا کمزور ہو کر تلف ہو جانے کے لیے نہ چھوڑ دے بلکہ یا تو علاج کے لیے جلدی کرے یا آرام پہنچانے (ذبح کرنے) میں جلدی کرے۔

### بہائے ہوئے خون کی حرمت:

❖ محرمات میں سے دوسری چیز ”دم سفوح“ ہے یعنی بہنے والا خون سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ”تلی کا کیا حکم ہے؟“ فرمایا: ”کھا سکتے ہو۔“ لوگوں نے کہا ”وہ تو خون ہے“ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے بہنے والے خون کو حرام کیا ہے۔“ اس کی وجہ اس کا نجس ہونا ہے۔ انسان کی پاکیزہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور اس میں مردار کی طرح مضرتوں کا بھی احتمال ہے۔ نیز خون خور درندوں کی مشابہت سے بچانا بھی مقصود ہے۔

اہل جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی شخص کو بھوک محسوس ہوتی تو ہڈی یا کوئی تیز چیز اونٹ وغیرہ کے جسم میں جھونک دیتا اور جو خون نکل پڑتا اس کو وہ پی لیتا۔ اس سے جانور کو بڑی تکلیف ہوتی اور وہ کمزور ہو جاتا اس لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بہائے ہوئے خون کو حرام قرار دیا۔

**سور کا گوشت:**

❖ تیسری چیز سور کا گوشت ہے جو طبع سلیم کے نزدیک نجس ہے اور اس سے اسے

❶ مصنف ابن ابی شیبہ (۸/ ۸۶) - السنن الکبریٰ للبیہقی (۷/ ۱۰) وسلسلۃ سماک عن عکرمۃ ضعیفۃ ولكن له شاهد صحيح عند ابن ماجہ (۳۳۱۴/۳۲۱۸) مرفوعاً.



نفرت ہے، کیونکہ خنزیر کی مرغوب غذا نجاست اور کوڑا کرکٹ ہے۔ طب جدید کی رو سے اس کا کھانا ہر خطہ میں اور خاص طور پر گرم ممالک میں سخت مضر ہے۔ اور سائنسی تجربات نے ثابت کیا ہے کہ سور کا گوشت کھانے سے خاص قسم کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو بڑے مہلک ہوتے ہیں۔ اور معلوم نہیں آئندہ مزید کیا کیا اسرار منکشف ہوں گے!

محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ سور کا گوشت ہمیشہ کھاتے رہنے سے غیرت کم ہو جاتی ہے۔  
غیر اللہ کے لیے نامزد کردہ جانور:

❖ محرمات میں سے چوتھی چیز وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو یعنی جو بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ بت پرست اپنے ذبیحہ پر لات، عزی وغیرہ بتوں کے نام لیا کرتے تھے۔ یہ غیر اللہ کے لیے تعبد و تقرب تھا۔ اس کی تحریم کا سبب دینی مصالح سے ہے۔ اور اس سے مقصود توحید کا تحفظ، عقائد کی تطہیر اور شرک و بت پرستی کے مظاہر کی مخالفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی اس کے لیے زمین کی ساری چیزیں مسخر کر دیں اور جانوروں کو بھی اس کے تابع کر دیا۔ نیز انسان کے فائدے کے لیے ان کی جان لینا بھی جائز کر دیا بشرطیکہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے۔ گویا اللہ کا نام لینا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ ایک جاندار مخلوق کو ذبح کرنے کا کام وہ اللہ ہی کی اجازت سے کر رہا ہے۔ لیکن اگر وہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیتا ہے تو اس اجازت کو عملاً باطل کر دیتا ہے اس لیے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے ایسے ذبیحہ کے استفادہ سے محروم کر دیا جائے۔  
مردار کی قسمیں:

اجمالاً یہ چار چیزیں جن کا بیان اوپر گزر چکا، حرام ہیں۔ ان کی تفصیل سورہ مائدہ کی آیت میں بیان ہوئی جس کی رو سے محرمات دس ہیں:

❖ مُنَحْنِقَہ: یعنی وہ جانور جو گلا گھٹ جانے سے مر گیا ہو۔

❖ مَوْقُودَہ: یعنی وہ جو لٹھی وغیرہ کی مار کھانے سے مر گیا ہو۔

❖ مُتَرَدِّیَہ: یعنی وہ جو اوپر سے گر کر مر گیا ہو مثلاً: جو کتوں میں یا پہاڑ سے گر کر مر جائے۔



نَطِيحَه: ..... یعنی وہ جو کسی جانور کے سینگ مارنے کی وجہ سے مر گیا ہو۔

وہ جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو یعنی کسی درندے نے جانور کو پھاڑ کر اس کا کوئی جز کھایا ہو جس کی وجہ سے وہ مر گیا ہو۔

ان پانچ اقسام کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْنَاهُ﴾ (المائدہ: ۳/۵) یعنی: ان میں سے کسی جانور کو تم نے زندہ پا کر ذبح کر دیا ہو تو وہ حرمت سے مستثنیٰ ہے۔ ایسی صورت میں ذبح کرنے کے لیے رفق بھر زندگی کا ہونا کافی ہے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”اگر تم ‘مُنْحَنَقَه مَوْقُودَه’ مُتَرَدِّيَه اور نَطِيحَه“ کو ذبح کرتے وقت اس حال میں پاؤں کہ وہ ہاتھ پاؤں ہلا رہا ہے، تو اسے کھاؤ“۔<sup>①</sup>

اور ضحاک کا قول ہے:

”اہل جاہلیت ایسے رخی جانوروں کو ذبح کیے بغیر کھاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام میں ان کو اگر رخی حالت میں مر جائیں تو حرام ٹھہرایا البتہ ان میں سے جس کو ذبح کر لیا گیا ہو تو اس کو حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا۔ لہذا جو جانور اس حال میں پایا جائے کہ اس کے پاؤں یا دم یا آنکھیں حرکت کر رہی ہوں اور اسے ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہے۔“<sup>②</sup>

البتہ بعض فقہاء کے نزدیک اس میں قرار پذیر زندگی کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ خون بہنے لگے اور ہاتھ پاؤں تیز حرکت کرنے لگیں۔

مردار کی ان قسموں کو حرام کرنے کی مصلحتیں:

مردار کی ان قسموں کی حرمت میں وہی مصلحتیں ہیں جن کا ذکر ہم اس سے پہلے مردار کی حرمت کے سلسلہ میں کر چکے ہیں۔ اور خاص طور سے مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر جانوروں پر مہربان ہونے اور اُن کی محافظت کا احساس پیدا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ جانوروں کو

② تفسیر طبری (۹/۵۰۴)۔

① تفسیر طبری (۹/۵۰۳)۔

بے پرواہی کے ساتھ چھوڑ دیں کہ کوئی گلا گھٹ کر مر جائے اور کوئی اونچائی سے گر کر۔ اور نہ انہیں لڑنے کے لیے چھوڑ دیں کہ سینگ مار کر ایک دوسرے کو ہلاک کریں۔ جانور کو اتنا مارنا بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مر جائے جس طرح بعض سنگدل چرواہے مارتے ہیں۔ اسی طرح جانوروں کو جو انسانوں سے لڑایا جاتا ہے مثلاً: بل فائیٹ (Bull Fighting) کہ بیلوں کو سینگ مارنے کے لیے اکسایا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان زخمی یا ہلاک ہو جاتے ہیں تو یہ صورت بھی جائز نہیں۔

رہی درندے کے پھاڑ کھائے ہوئے جانور کی حرمت تو اس معاملہ میں انسان کی بزرگی ملحوظ رہی ہے اور اسے درندے کے پس خوردہ سے پاک رکھا گیا ہے۔ اہل جاہلیت درندوں کے پھاڑ کھائے ہوئے اونٹ گائے وغیرہ کھالیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا پس خوردہ مومنوں پر حرام کر دیا۔

### استھان کا ذبیحہ:

محرمات میں سے دسویں چیز نصب یعنی استھان کا ذبیحہ ہے۔ استھان وہ بت یا پتھر ہے جو طاغوت کے نشان کے طور پر قائم کر دیا گیا ہو یعنی جس سے غیر اللہ کی پرستش مقصود ہو۔ خانہ کعبہ کے اطراف میں استھان بنائے گئے تھے اور اہل جاہلیت اپنے معبودوں اور بتوں کے تقرب کے لیے ان پر جانور ذبح کرتے تھے۔ یہ ”استھان کا ذبیحہ“ غیر اللہ کے ذبیحہ کے قبل ہی کی چیز ہے کیونکہ دونوں ہی میں طاغوت کی تعظیم پائی جاتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ ”غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور“ کے اطلاق کے لیے ضروری نہیں کہ ذبح کرتے وقت بت سامنے موجود ہو بلکہ حرام ہونے کے لیے بت کے نام پر ذبح کرنا کافی ہے لیکن استھان کا ذبیحہ استھان ہی پر کیا جاتا ہے خواہ غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ گویا پہلی صورت میں مقام متعین نہیں ہوتا لیکن دوسری صورت میں مقام متعین ہوتا ہے۔

خانہ کعبہ کے اطراف میں استھان موجود تھے اور گمان کرنے والا یہ گمان کر سکتا تھا کہ ان استھانوں پر ذبح کرنے سے بیت اللہ کی تعظیم ہوگی اس لیے قرآن نے اس توہم کا ازالہ کر دیا اور اس فعل کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا ورنہ ”غیر اللہ کے ذبیحہ“ کے مفہوم میں

”استحان کا ذبیحہ“ شامل ہی ہے۔

مچھلی اور ٹنڈی مردار کے حکم سے مستثنیٰ ہیں:

اسلامی شریعت نے مچھلی جیسے آبی جانوروں کو حرام کردہ مردار سے مستثنیٰ کر دیا ہے چنانچہ جب نبی ﷺ سے سمندر کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((هُوَ الطَّهْرُ مَاءٌ وَالْحِلُّ مَيْتَةٌ.))<sup>①</sup>

”سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ (المائدة: ۹۶/۵)

”تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”سمندر کے شکار کا مطلب یہ ہے کہ جو سمندر سے شکار کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ اور سمندر کے کھانے سے مراد یہ ہے کہ جس کو سمندر خود پھینک دے۔“<sup>②</sup> اسی کے مثل سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ”سمندر کے کھانے سے مراد سمندر کا مردار ہے۔“<sup>③</sup>

صحیحین میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً مِنْ أَصْحَابِهِ فَوَجَدُوا حُوتًا كَبِيرًا قَدْ جَزَّرَعْنَهُ الْبَحْرُ، أَيْ مَيْتًا، فَأَكَلُوا مِنْهُ بَضْعَةً وَعِشْرِينَ يَوْمًا، ثُمَّ قَدِمُوا إِلَى الْمَدِينَةِ، فَخَبَرُوا الرَّسُولَ ﷺ فَقَالَ: كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللَّهُ لَكُمْ، أَطْعَمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ، فَأَتَاهُ بَعْضُهُمْ بِشَيْءٍ

① مسند احمد (۲/۳۶۱)۔ ابو داود کتاب الطہارۃ: باب الوضوء بماء البحر، ح ۸۳ ترمذی کتاب

الطہارۃ: باب ماجاء فی ماء البحر انه طہور، ح ۶۹۔ نسائی کتاب الطہارۃ: باب الوضوء بماء البحر، ح ۳۳۳۔ ابن ماجہ کتاب الطہارۃ: باب الوضوء بماء البحر، ح ۳۸۶۔

② السنن الکبریٰ للبیہقی (۹/۲۵۴)۔

③ السنن الکبریٰ للبیہقی۔ (۹/۲۵۵)۔

فَاَكَلَهُ. )) ❶

نبی ﷺ نے صحابہ کا ایک دستہ کسی مہم پر روانہ کیا، انہیں ایک بڑی مچھلی ملی جسے سمندر نے پھینک دیا تھا۔ یعنی وہ مردار تھی۔ اسے وہ بیس سے زیادہ دنوں تک کھاتے رہے، پھر جب مدینہ لوٹے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نکالا ہے اسے کھاؤ۔ اگر اس مچھلی میں سے تمہارے پاس کچھ موجود ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ بعض حضرات نے اس مچھلی کے کچھ اجزاء آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے تو آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا۔“

سمندر کے مردار مچھلی اور ٹڈی کو بغیر ذبح کیے کھانے کی اجازت دی ہے کیونکہ ان کو ذبح کرنا ممکن ہی نہیں۔ ابن ابی اوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((عَزَّوَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَبْعَ عَزَوَاتٍ نَأْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ)) ❷

”ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہے اور آپ ﷺ کے ساتھ ٹڈیاں کھاتے رہے۔“

مردار کی کھال، ہڈی اور بال سے فائدہ اٹھانا:

مردار کے حرام ہونے کا مطلب اس کا کھانا حرام ہے۔ اس کی کھال، سینگ، ہڈی یا بال سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ مطلوب ہے، کیونکہ ایک قابل استفادہ چیز کو ضائع کرنا جائز نہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

((تُصَدِّقُ عَلَى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُونَةَ - أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ - بِشَاةٍ فَمَاتَتْ، فَمَرَّ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: هَلَّا أَخَذْتُمْ إِيَّاهَا جِلْدَهَا - فَدَبَغْتُمُوهُ

❶ بخاری، کتاب الشریک: باب الشریک فی الطعام، ح ۲۴۸۳۔ مسلم، کتاب الصيد: باب اباحۃ میتات البحر، ح ۱۹۳۵۔

❷ بخاری، کتاب الذبائح: باب اکل الجراد، ح ۵۴۹۵۔ مسلم، کتاب الصيد: باب اباحۃ الجراد، ح ۱۹۵۲۔

فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ؟ فَقَالُوا: اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ: اِنَّمَا حُرِّمَ اَكْلُهَا. ❶

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو صدقہ میں بکری ملی جو مر گئی۔ رسول اللہ ﷺ کا گذر اُس طرف سے ہوا تو فرمایا: ”اس کی کھال تم نے نہیں لی کہ اس کو دباغت کر کے اپنے کام میں لاتے؟“ لوگوں نے کہا: وہ مردار ہے۔ ”فرمایا مردار کا بس کھانا حرام کیا گیا ہے۔“

نبی ﷺ نے مردار کی کھال کو پاک کرنے کا طریقہ بتلا دیا ہے یعنی دباغت کرنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(( دِبَاغُ الْاَدِيمِ ذَكَاتُهُ. )) ❷

”کھال کو دباغت کے ذریعہ پاک کرنا جانور کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔“ ایک اور روایت میں ہے:

(( دِبَاغُهُ يَذْهَبُ بِحَبِثِهِ )) ❸

”دباغت نجاست کو زائل کرتی ہے۔“

اور صحیح مسلم وغیرہ میں نبی ﷺ سے مروی ہے:

(( اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهِّرَ )) ❹

”جس کھال کی بھی دباغت کی گئی وہ پاک ہو گئی۔“

❶ بخاری، کتاب الزکوٰۃ: باب الصدقة علی موالی ازواج النبی ﷺ ح ۱۴۹۲ مسلم، کتاب الحيض: باب طهارة جلود الميتة بالدباغ ح ۳۶۳ واللفظ له۔

❷ صحيح مسند احمد (۴/۴۷۶) ابوداود، کتاب اللباس: باب فی اھب الميتة ح ۴۱۲۵۔ نسائی، کتاب الفرع والعتيرة: باب جلود الميتة ح ۴۲۴۸۔ سنن الدارقطني (۱/۴۵) والبيهقي (۲۱/۱) واللفظ لهما۔

❸ مستدرک حاکم (۱/۱۶۱) مسند احمد (۱/۳۱۴) قال الشيخ الالبانی رحمہ اللہ: ”ضعيف بهذا اللفظ“۔ (غاية المرام ح ۲۷)۔

❹ مسلم، کتاب الحيض: باب طهارة جلود الميتة بالدباغ ح ۳۶۶۔ ترمذی، کتاب اللباس: باب ما جاء فی جلود الميتة اذا دبغت ح ۱۷۶۸ واللفظ له۔

یہ حکم عام ہے جس کا اطلاق تمام کھالوں پر ہوتا ہے خواہ وہ کتے کی ہو یا خنزیر کی۔ یہ اہل ظاہر کا قول ہے امام ابو یوسف سے بھی یہی منقول ہے۔ اور امام شوکانی اسے ترجیح دیتے ہیں۔<sup>①</sup>

سیدہ اُم المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”ہماری ایک بکری مرگئی تو ہم نے اس کی کھال کی دباغت کی اس کے بعد ہم برابر اس میں نبیذ (کھجور کا شربت) بناتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانا مشکیزہ بن گئی۔“<sup>②</sup>

مجبوری کی حالت مستثنیٰ ہے:

مذکورہ بالا تمام محرمات اختیاری حالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالتِ مجبوری کے احکام اس سے مختلف ہیں جس کا ذکر اس سے پہلے ہم کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا هَلَكَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرَرْتُمْ إِلَيْهِ﴾

(الانعام: ۱۱۹/۶)

”اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو تم پر حرام کر دی ہیں اس استثناء کے ساتھ جس کے لیے تم مجبور ہو جاؤ۔“

اسی طرح مردار اور خون کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

(البقرة: ۲۷۳/۲)

”تو جو شخص مجبور ہو جائے اور وہ اس کا خواہشمند اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ

ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

جس مجبوری پر سب کا اتفاق ہے وہ کھانے کی ایسی اضطراری کیفیت کا نام ہے کہ بھوک کاٹ رہی ہو۔ بعض فقہاء نے اس کی تحدید اس طرح کی ہے کہ مجبوری کی حالت میں ایک

① (نبیل الاوطار ۷۸/۸۶۱)۔

② بخاری کتاب الایمان والنذور باب اذا حلف ان لا يشرب نبیذ۔ (ح۔ ۶۶۸۶)

شب و روز گزر جائے اور سوائے حرام غذا کے کوئی چیز کھانے کے لیے نہ ملے۔ ایسی صورت میں مجبور شخص حرام غذا اس حد تک کھا سکتا ہے کہ مجبوری ختم ہو جائے اور وہ ہلاکت سے بچ جائے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اس کی حد یہ ہے کہ پیٹ بھر کے کھالے اور ضرورت کے بقدر سفر کے لیے ساتھ لے لے یہاں تک کہ کوئی جائز چیز کھانے کے لیے مل جائے۔ دیگر فقہاء کا قول یہ ہے کہ حرام میں سے سد رمق سے زیادہ نہ کھائے اور غالباً اللہ کے ارشاد ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ﴾ سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ بھوک کی مجبوری کا حقیقتاً مجبوری ہونا قرآن کی نص سے واضح ہے:

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ ۚ فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾

(المائدة: ۳/۵)

”پس جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر بغیر گناہ کی طرف مائل ہوئے، کوئی حرام چیز کھالے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

**علاج کی مجبوری:**

ربی علاج کی مجبوری، یعنی شفاء حاصل کرنے کے لیے کسی حرام چیز کا کھانا ناگزیر ہو جائے تو فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے اس مجبوری کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

((إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيَمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ ۝))

”اللہ نے اپنی حرام کردہ چیزوں میں تمہارے لیے شفاء نہیں رکھی ہے۔“

لیکن دوسرے گروہ نے علاج کی مجبوری کا لحاظ کیا اور علاج کو غذا کی طرح ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ دونوں ہی چیزیں (مصلحت) زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اس گروہ کا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عبد الرحمن بن عوف اور زبیر بن عوام کو حائش کی وجہ سے

① بخاری، کتاب الاشریہ: باب شراب الحلو والعلس تعلیقاً قبل ح ۵۶۱۴۔ ووصلہ احمد فی

کتاب الاشریہ (ح- ۱۳۰) والحاکم (۴/۲۱۸)

② بخاری، کتاب الجہاد: باب الحریر فی الحرب، ح ۲۹۱۹، ۲۹۲۰۔ مسلم، کتاب اللباس: باب

اباحہ لبس الحریر للرجل، ح- ۲۰۷۶۔

ریشم پہننے کی اجازت دی تھی حالانکہ ریشم پہننا ممنوع ہے اور اس پر وعید آئی ہے۔

غالباً یہ قول اسلام کی اسپرٹ (روح) سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اسلام نے تمام تشریحی امور میں انسانی زندگی کی محافظت کا پورا پورا لحاظ کیا ہے۔ لیکن جو دو احرام چیز سے بنائی گئی ہو اس کو استعمال کرنے کی اجازت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

❖ اس کو استعمال نہ کرنے کی صورت میں صحت کو واقعی خطرہ لاحق ہو۔

❖ کوئی ایسی جائز دوا نہ مل سکے جو اس دوا کا بدل ہو یا جو اس سے بے نیاز کر دے۔

❖ یہ دوا کسی مسلمان طبیب نے تجویز کی ہو جو دینی لحاظ سے بھی قابل اعتماد ہو اور اپنی معلومات اور تجربہ کے لحاظ سے بھی۔

ہم اس پر اپنی معلومات اور قابل اعتماد ڈاکٹروں کے بیانات کی روشنی میں اس بات کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ محرمات میں سے کسی چیز کو علاج کے لیے استعمال کرنا ناگزیر ہو ایسی کوئی واقعی طبی ضرورت موجود نہیں ہے۔ پھر بھی اصولی طور پر ایسی ضرورت کو ہم احتیاطاً تسلیم کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کوئی مسلمان کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں اسے محرمات کے سوا کوئی دوسری چیز نہ مل سکے۔

فرد کی مجبوری اس صورت میں باقی نہیں رہتی جب معاشرہ اس کی ضرورت پوری کر دے:

آدمی کے پاس اگر ذاتی طور سے خورد و نوش کی اشیاء موجود نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر طرح مجبور ہو گیا ہے جبکہ معاشرے کے دیگر افراد کے پاس خواہ وہ مسلم ہوں یا ذمی، کھانے پینے کی چیزیں فاضل مقدار میں موجود ہوں۔ ایسی صورت میں اس مجبور شخص کی ضرورت ان فاضل چیزوں سے پوری کی جاسکتی ہے اور اسے حرام چیزیں کھانے سے بچایا جاسکتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی تکمیل درحقیقت ایک دوسرے سے مل کر ہوتی ہے اور وہ باہم ایک دوسرے کے کفیل ہوتے ہیں۔ گویا اسلامی معاشرہ کے افراد جسد واحد کے اجزاء ہیں۔ یا یوں کہئے کہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جس کے اجزاء ایک دوسرے کو مستحکم کرتے ہیں۔ اجتماع کفالت کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کی یہ گراں قدر رائے فقہائے اسلام کے لیے مشعل راہ ہے: وہ فرماتے ہیں:



”ایک مسلمان کے لیے حالتِ اضطراب میں مردار یا سور کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے جبکہ اس کے مسلم یا ذمی ساتھی کے پاس خورد و نوش کی فاضل اشیاء موجود ہوں، کیونکہ جس کے پاس کھانے کی فاضل چیزیں موجود ہوں اس پر بھوکے کو کھانا کھانا فرض ہے۔ ایسی صورت میں یہ مضطر شخص مردار یا خنزیر کا گوشت کھانے کے لیے مجبور نہیں ہے۔ اس کو اپنے ساتھی سے کھانے پینے کی فاضل چیزیں حاصل کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ اس غرض کے لیے اگر اسے لڑنا پڑے اور اس میں وہ مارا جائے تو قاتل کے ذمہ قصاص ہوگا۔ اور اگر مجبوراً روکنے والے شخص کو قتل کرنا پڑا تو اس مقتول پر اللہ کی لعنت ہے کیونکہ اس مقتول نے ایک مجبور شخص کو اپنا حق حاصل کرنے سے روکا، بنا بریں اس کا شمار باغی گروہ میں ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم دیا ہے:

﴿فَإِنِّي بَعَثْتُ أَحَدَهُمَا عَلَى الْآخَرِ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾ (الحجرات: ۹/۴۹)

”پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔“  
در اصل اپنے بھائی کو روکنے والا شخص باغی ہے۔ اسی بناء پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کیا تھا۔ ❶

## ذبح کرنے کا شرعی طریقہ

سمندری جانور سب حلال ہیں:

اپنے مسکن و مستقر کے لحاظ سے جانوروں کی دو قسمیں ہیں: بحری اور بری۔  
بحری جانور جو پانی کے اندر رہتے ہیں اور پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں، سب حلال ہیں جس حالت میں بھی پائے جائیں۔ خواہ پانی سے زندہ نکالے گئے ہوں یا مردہ، سطحِ آب

❶ المحلّی لابن حزم- ج ۶ ص ۱۵۹.

پر تیرتے ہوئے پائے جائیں یا اس کے علاوہ مچھلی ہو یا سمندری کتا، سمندری خنزیر ہو یا کوئی اور جانور، سب یکساں طور پر جائز ہیں اور اس سلسلہ میں اس بات کا بھی اعتبار نہیں کہ ان کو پکڑنے والا مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ سمندر اور دریا کے تمام جانوروں کو مباح کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑی وسعت فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا كُلًّا مِّنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ (النحل: ۱۶/۱۴)

”اسی نے سمندروں کو مسخر کیا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔“

نیز فرمایا:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾

(المائدة: ۹۶/۵)

”تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا۔ یہ تمہارے فائدے کے لیے ہے اور قافلہ والوں کے لیے (زادراہ) بھی۔“

حرام بڑی جانور:

جہاں تک بڑی جانوروں کا تعلق ہے تو قرآن نے اجمالاً چار چیزوں کو اور تفصیل کے ساتھ دس چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے، جن کا بیان اس سے پہلے گزر چکا ہے اور قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی یہ شان بھی بیان فرمائی ہے:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (الاعراف: ۱۵۷/۷)

”یہ رسول ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہراتا ہے اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے۔“

خبیث وہ چیزیں ہیں جن کو بحیثیت مجموعی لوگ عام ذوق کے لحاظ سے گندہ خیال کرتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ کچھ افراد ان کو پسند کرتے ہوں۔

اس قبیل کی ایک چیز پالتو گدھے کا گوشت ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

((نَهَى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ

خَبِيرَ . ))❶

”نبی ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا“

اور اسی سے متعلق صحیحین کی یہ حدیث ہے:

((نَهَى عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَكُلِّ ذِي مَخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ . ))❷

”نبی ﷺ نے کھلی والے درندوں اور پنچہ سے کھانے والے پرندوں کو کھانے

کی ممانعت فرمائی ہے۔“

سباع (درندہ) سے مراد زبردستی پھاڑ کھانے والا جانور ہے جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ۔

اور پنچہ والے پرندوں سے مراد وہ پرندے ہیں جو ناخن سے شکار کرتے ہوں۔ جیسے گدھ، باز، شکرہ، چیل وغیرہ۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک یہ ہے کہ قرآن میں جو چار چیزیں مذکور ہیں ان کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں۔ غالباً ان کے نزدیک درندوں وغیرہ کی ممانعت والی احادیث سے کراہت کا حکم نکلتا ہے نہ کہ حرمت کا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان تک یہ حدیثیں نہ پہنچی ہوں۔❸

بہر حال امام مالک رحمہ اللہ کا رجحان بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کے مسلک کی طرف ہے۔❹

❶ صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الانسية، رقم الحديث: ۴۵۵۲۴، صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب فی أكل لحوم الخيل، رقم الحديث: ۱۹۴۱، سنن ابی داؤد، کتاب الأطعمة باب فی أكل لحوم الخی، رقم الحديث: ۳۷۸۸، مسند احمد بن حنبل ۳/۳۵۶، رقم الحديث: ۱۴۸۴۰، إرواء الغلیل للألبانی، ۸/۱۳۷، رقم الحديث: ۲۴۸۴۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب تحريم أكل كل ذي ناب من السباع، رقم الحديث: ۱۹۳۴، صحیح بخاری، کتاب الزبائح والصيد، باب اكل كل ذي ناب من السباع رقم الحديث: ۵۳۳، بدون لفظ ”وكل ذي مخلب من الطير“ سنن ابی داؤد، کتاب الأطعمة، باب ماجاء فی أكل السباع، رقم الحديث: ۳۸۰۳، صحیح ابن حبان، ۱۲/۸۵، رقم الحديث: ۶۵۲۸۰، مسند أحمد بن حنبل، ۱/۲۴۴، رقم الحديث: ۲۱۹۲۔

❸ بخاری کتاب الذبائح: باب لحوم الحمر الانسية، ح ۵۵۲۹، ابو داؤد، کتاب الاطعمه باب ما لم يذكر تحريمه، ح- ۳۸۰۰۔

⇐

❹ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

مانوس جانوروں کی اباحت کے لیے ذبح کرنے کی شرط:

خشکی کے جن جانوروں کا کھانا جائز ہے ان کی دو قسمیں ہیں:

❁ ایک قسم تو ان جانوروں کی ہے جو انسان کے قابو میں ہیں۔ مثلاً: اونٹ، گائے، بکری جیسے چوپائے اور وہ پرندے جو پالے جاتے ہیں۔

❁ دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو انسان کے قابو میں نہ ہوں۔

پہلی قسم کے جانوروں کے جواز کے لیے اسلام نے یہ شرط عائد کی ہے کہ انہیں شرعی طریقہ پر ذبح کر دیا جائے۔

شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کی شرائط:

ذبح کرنے کے شرعی طریقہ کی تکمیل کی شرائط درج ذیل ہیں:

①: جانور کو کسی تیز دھار آلہ سے ذبح کیا جائے جس سے خون بہہ پڑے اور رگیں کٹ جائیں، خواہ وہ آلہ لوہے کا ہو پتھر کا ہو یا لکڑی کا۔

سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَصِيدُ الصَّيْدَ فَلَا نَجِدُ سَكِينًا إِلَّا الظَّرَارَ وَشِقَّةَ الْعَصَا فَقَالَ أَمَرَ الدَّمَ بِمَا شِئْتَ وَادْكُرِ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ . ))❁

اس حدیث کے ساتھ حلال ہونے پر استدلال کرنا تب ممکن ہوتا ہے جب اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے حرام ہونے میں واضح حکم نہ آیا ہو۔ جبکہ اس کی تحریم میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حرام قرار دینے کی تخصیص، حلال قرار دینے کے عموم پر مقدم ہے اور قیاس پر بھی مقدم ہے۔ میں کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے ابن عباس اور مالک کے مذہب کو جس میں درندے وغیرہ کو جائز قرار دیا گیا ہے اسے اچھے انداز پر بیان نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ اس مذہب کے غلط ہونے کی صراحت کر دی ہے کیونکہ یہ ان احادیث کے خلاف ہے جن کی جانب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ ان میں سے بعض احادیث خود مؤلف نے بھی ذکر کی ہیں۔ لیکن اس نے اس کو صراحتاً حرام قرار دینے والی نص (واضح حکم) کی اتباع نہیں کی۔ انہوں نے قارئین کرام کے سامنے میدان وسیع چھوڑ دیا ہے تاکہ یہ مذکور مذہب اختیار کر سکیں جو کہ قرآن پاک کے ظاہر کے موافق ہے۔ حالانکہ اس سے کم لوگ ہی آگاہ ہیں کہ اس ظاہری معنی کو مراد لینا مناسب نہیں ہوتا جبکہ سنت صحیحہ کی نص اس کے خلاف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کس قدر صداقت پر مبنی ہے خبردار مجھے قرآن پاک اور اس کے ساتھ اس کی مثل دیا گیا ہے۔ یعنی وہ سنت ہے۔

❁ مسند احمد (۲۵۶/۴) ابو داود، کتاب الضحایا: باب الذبیحہ بالمروۃ، ح ۲۹۲۴۔ نسائی، کتاب الصيد: باب الصيد اذا اتن ح۔ ۴۳۰۹۔ ابن ماجہ: کتاب الذبائح: باب التسمیۃ عند الذبح، ح ۳۱۷۷۔

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم شکار کرتے ہیں لیکن ہمارے پاس چھری نہیں ہوتی سوائے دھار والے پتھر اور بانس کے ٹکڑے کے؟ فرمایا: ”جس چیز سے چاہو خون بہاؤ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔“

﴿۵﴾ حلق پر چھری چلائی جائے یا لبہ (گلے کے نچلے حصہ) میں چھرا گھونپ دیا جائے جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو۔

اور ذبح کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ حلق کھانے کی نالی اور گلے کے اندر کی دو بڑی رگیں کاٹ دی جائیں۔

بعض فقہاء نے مزید شرائط عائد کی ہیں لیکن ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان شرائط پر کوئی صریح نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور ذبح کرنا ایک ایسا فعل ہے جو فطری طور پر معروف ہے اور لوگ عادتاً اس کو جانتے ہیں لہذا تعمق و تشدد کی ضرورت نہیں۔ مثلاً یہ سوال کہ یہ چیزیں پوری طرح کٹ جانی چاہئیں یا ان کے اکثر حصہ کا کٹ جانا کافی ہے؟ اور کیا یہ بھی شرط ہے کہ ذبح کرنے کا کام مکمل ہو جانے سے پہلے ہاتھ نہ اٹھایا جائے؟ وغیرہ۔

حلق (گلے) پر چھری چلانے کی شرط اس صورت میں ساقط ہو جاتی ہے جبکہ ذبح کرنے کا موقع نہ ہو مثلاً جانور کنویں میں سر کے بل گر گیا ہو اور اس کا حلق ہاتھ نہ آئے۔ یا وہ پھر جائے۔ ایسی صورت میں اس کے ساتھ شکار کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ لہذا کسی بھی تیز چیز سے اس کے کسی بھی جسم کے حصہ کو زخمی کر دینا کافی ہوگا۔ صحیحین میں سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرِهِ فَدَنَّا بِغَيْرٍ مِنْ إِبِلِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ خَيْلٌ قَرَمَاهُ رَجُلٌ يَسْتَهْمُ فَحَسِبَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هَذَا فَأَفْعَلُوا بِهِ هَكَذَا. )) ۱

ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ایک اونٹ قابو سے باہر ہو گیا۔

۱ بخاری، کتاب الذبائح: باب اذا اصاب قوم غنیمۃ فذبح بعضهم، ح- ۵۵۴۳۔ مسلم، کتاب الاضاحی: باب جواز الذبح بکل ما نهر الدم، ح- ۱۹۶۸۔

لوگوں کے ساتھ گھوڑے نہیں تھے (کہ آگے جا کر اسے پکڑ لیں) ایک شخص نے تیر چلا کر اونٹ کو روک لیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان چوپایوں کی خصلت وحشی جانوروں کی طرح ہوتی ہے لہذا جب کوئی چوپایہ ایسی حرکت کرے تو تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو۔“

۴: اس پر غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ اہل جاہلیت اپنے معبودوں اور بتوں کے تقرب کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی کہ ذبح کرتے وقت ان کا نام لیتے یا استھانوں پر ذبح کرتے۔ قرآن نے ان تمام صورتوں کو حرام قرار دیا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

۵: ذبیحہ پر صرف اللہ کا نام لیا جائے جیسا کہ نصوص شرعیہ سے ظاہر ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۝﴾

(الانعام: ۱۱۸/۶)

”اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اس کو کھاؤ۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۝﴾

(الانعام: ۱۲۱/۶)

”جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کو نہ کھاؤ کیوں کہ یہ فسق ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَا نَهَرَ الدَّمُ وَذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلُوا ۝))

”جس جانور کا خون بہایا گیا ہو اور (ذبح کے وقت) اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھاؤ۔“

اس شرط کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں شکار کے لیے تیر چلاتے وقت

① بخاری: کتاب الذبائح: باب اذا اصاب قوما غنیمۃ فذبح بعضهم۔ ح۔ ۵۵۴۳۔ مسلم: کتاب الاضاحی: باب جواز الذبح بکل ما انهر الدم۔ ح۔ ۱۹۶۸۔

یا سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بعض علماء کی رائے میں اللہ کا نام لینا تو ضروری ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ذبح کے وقت ہی نام لیا جائے بلکہ کھاتے وقت نام لینا بھی کافی ہے کیونکہ جو شخص کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اس پر یہ بات منطبق نہیں ہوتی کہ وہ ایسی چیز کھا رہا ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((أَنَّ قَوْمًا حَدِيثِيَّ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمَانِ لَا تَذْكُرِي أَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا أَمْ لَمْ يَذْكُرُوا؟ أَنَا كُلُّ مِنْهَا أَمْ لَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ وَكُلُوا.))<sup>①</sup>

کچھ لوگوں نے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے نبی ﷺ سے پوچھا کہ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں، نہیں معلوم کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں، ایسی صورت میں ہم اسے کھائیں یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔“

ذبح کرنے کے اسلامی طریقہ کی حکمت و مصلحت:

اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ جانور کی جان ایسے طریقہ سے نکال لی جائے کہ اُسے کم سے کم تکلیف ہو۔ اسی لیے آلہ کے تیز ہونے اور حلق کو ذبح کرنے کی شرط عائد کی گئی ہے۔ ساتھ ہی دانت اور ناخن سے ذبح کرنے کی ممانعت بھی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے اور گلا گھسنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے چھری کو تیز کرنے اور ذبیحہ کو آرام پہنچانے کی ہدایت فرمائی ہے، فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَاحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ.))<sup>②</sup>

① بخاری، کتاب التروید: باب ان لله مائة اسم الا واحدة، ح- ۷۳۹۸، ۲۰۵۷۔

② مسلم، کتاب الصيد: باب الامر باحسان الذبح والقتل (ح ۱۹۵۵)

”اللہ نے ہر چیز کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، لہذا جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ تمہارا ہر ایک اپنی چھری کو تیز کرے اور ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بکری کو لٹایا اور پھر چھری تیز کرنے لگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَتَرِيدُ أَنْ تُمَيِّتَهَا مَوْتَاتٍ؟ هَلَّا أَحَدَدَتْ شُفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تَضْجَعَهَا؟))<sup>①</sup>  
 ”اس بکری کو تم کتنی مرتبہ مارنا چاہتے ہو؟ اسے لٹا دینے سے پہلے چھری کیوں نہ تیز کر لی؟“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کو ذبح کرنے کے لیے اس کے پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے جا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم پر افسوس! اسے اچھے طریقے سے موت کی طرف لے چلو۔“<sup>②</sup>

اس طرح اسلام نے جانوروں کے ساتھ نرمی برتنے اور ممکن حد تک ان کو تکلیف سے بچانے کا سامان تکمیل کیا ہے۔ اہل جاہلیت زندہ اونٹ کا کوہان اور دُنبہ کی چکیاں کاٹ لیا کرتے تھے جس سے ان جانوروں کو بڑی تکلیف ہوتی، اس لیے نبی ﷺ نے زندہ جانور کے اجزا کاٹ کر کھانے کو بھی حرام قرار دیا۔ فرمایا:

((مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ.))<sup>③</sup>

”زندہ جانور کا جو جزء کاٹ لیا جائے وہ مردار کے حکم میں ہے۔“

ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی مصلحت:

اسلام نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری قرار دیا ہے۔ اس میں جو لطیف نکتہ

① مستدرک حاکم (۲۳۱/۴)۔ طبرانی فی الکبیر (۱۱۹۱۶)

② السنن الکبریٰ للبیہقی (۲۸۱/۹) واسناد ضعیف لا نقطاعہ بین محمد بن سیرین و عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ.

③ مسند احمد (۲۱۸/۱)۔ ابوداؤد، کتاب الصيد: باب فی صید قطع منه قطعة، ح: ۲۸۵۸، ترمذی، کتاب الاطعمة: باب ما قطع من الحي فهو ميت، ح: ۱۴۸۰.



پوشیدہ ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اسلام میں بت پرست اور اہل جاہلیت ذبح کرتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیا کرتے تھے۔ اس کی بجائے اللہ کا نام لینے کا طریقہ رائج کر دیا گیا، کیونکہ جب ایک مشرک ذبح کرتے وقت اپنے بت کا نام لیتا ہے تو ایک مؤمن اپنے رب کا نام کیسے اور کیونکر نہ لے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جانور بھی انسان کی طرح اللہ کی جاندار مخلوق ہیں۔ انسان کو ان کی جان اللہ کی اجازت ہی سے لینا چاہیے۔ اور اللہ کا نام لینا اذن الہی کا اعلان کرنے کے مترادف ہے۔ گویا انسان کہتا ہے میں یہ کام ان کو کمزور پا کر یا ظلم و زیادتی کی بنا پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ اللہ کی اجازت سے اس کا نام لے کر ذبح کرتا ہوں اور اس کا نام لے کر شکار کرتا ہوں اور اس کا نام لے کر کھاتا ہوں۔

### اہل کتاب کا ذبیحہ:

اہل کتاب اصلاً توحید کے قائل ہیں، لیکن چونکہ ان کے اندر شرک داخل ہو گیا تھا اس لیے مسلمان یہ گمان کر سکتے تھے کہ ان کے ساتھ بھی بت پرستوں ہی کی طرح کا معاملہ کیا جاسکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کھانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۚ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ ۚ وَطَعَامُكُمْ حَلَلٌ لَهُمْ ۚ﴾ (المائدة: ۵/۵)

”آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔ اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے۔“

مختصر اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آج کے دن تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، لہذا نہ کوئی بحیرہ ہے نہ سائبہ نہ وصیلہ اور نہ حام۔ اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا کھانا تمہارے لیے اصلاً حلال ہے۔ اس کو ہرگز حرام نہیں کیا گیا۔ اسی طرح تمہارا کھانا بھی ان کے لیے حلال ہے، لہذا تم ان کے ذبیحہ یا شکار کا گوشت کھا سکتے ہو اور اپنے ذبیحہ اور شکار کا گوشت ان کو کھلا سکتے ہوں۔

اسلام نے کھانے کے معاملہ میں مشرکین عرب کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا، لیکن اہل

کتاب کے ساتھ نرمی برتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب وحی نبوت اور فی الجملہ اصول دین کو مانتے ہیں۔ اس بنا پر وہ اہل ایمان سے قریب تر ہیں۔ ان کے کھانے میں شرکت ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کو مشروع قرار دے کر ان کو یہ موقع فراہم کر دیا گیا ہے کہ وہ اسلام کو اس کے گھر میں علم و عمل اور اخلاق و معاملات میں اپنی اصل شکل میں دیکھ لیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو اعلیٰ حقائق کا مل ترین صورت اور پاکیزہ صحیفوں پر مشتمل ہے اور شرک و بدعت اور غلو پر مبنی باتوں سے بالکل پاک ہے۔

آیت کے الفاظ ﴿طَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ (اہل کتاب کا کھانا) عام ہیں جو ان کے تمام کھانوں کو شامل ہیں۔ ان کا ذبیحہ اناج وغیرہ سب چیزیں ہمارے لیے حلال ہیں جب تک کہ کوئی چیز فی نفسہ حرام نہ ہو۔ مثلاً مردار، بہایا ہوا خون اور سور کا گوشت۔ ان چیزوں کا کھانا بالا جماع جائز نہیں ہے خواہ وہ اہل کتاب کا کھانا ہو یا کسی مسلمان کا۔ جو کینساؤں اور تہواروں کے لیے ذبح کیا جائے:

۱..... کسی کتابی شخص کے بارے میں یہ بات سننے میں نہ آئی ہو کہ اُس نے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام مثلاً مسیح یا عزیر کا نام لیا تھا، تو اس کا ذبیحہ کھانا حلال ہے۔ البتہ جب سننے (یا دیکھنے) میں آیا ہو کہ اُس نے غیر اللہ کا نام لیا تھا تو بعض فقہاء اس ذبیحہ کو حرام کہتے ہیں کیونکہ یہ ﴿مَا أَهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ کے حکم میں شامل ہے۔ اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کا کھانا ہمارے لیے مباح ٹھہرایا ہے اور اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ ذبح کرتے وقت کیا کہتے ہیں۔ ۱

۱ یعنی میں ہے کہ اگر کوئی کتابی اللہ کا نام لینا دانستہ طور پر ترک کر دے یا غیر اللہ کا نام لے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے۔ اور امام شافعی، حنفی، حنابلہ اور اصحاب الرای کا بھی یہی قول ہے۔ اہل کتاب کا کھانا حلال ہونے سے متعلق آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وہ ذبیحہ حلال ہے جس میں مقررہ شرائط تکمیل کی گئی ہو جس طرح کہ مسلمان کو کرنا پڑتی ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم نہ ہو کہ ذبح کرنے والے نے اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں، یا غیر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں تو اس کا ذبیحہ کھانا جائز ہے کیونکہ اللہ نے ہمارے لیے مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ جائز کر دیا ہے آنحالیہ اسے معلوم ہے کہ ہم ہر ذبح کرنے والے کے حال سے واقف نہیں ہو سکتے۔ (المغنی لابن قدامة ج ۸ ص ۵۷۱) مترجم۔

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے کنیسہ کے لیے ذبح کیے ہوئے مینڈھے کے بارے میں جسے ”جر جس“ کہا جاتا تھا، پوچھا گیا کہ کیا کنیسہ کے اس نذرانہ سے ہم کھا سکتے ہیں؟ آپ نے سائل کو جواب دیا: ”یہ اہل کتاب ہیں، ان کا کھانا ہمارے لیے حلال ہے اور ہمارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ پھر اس سے کہا ”کھا سکتے ہو۔“ ❶

اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ سے اہل کتاب کے اس ذبیحہ کے بارے میں پوچھا گیا جس کا نذرانہ وہ اپنے تہوار کے موقع پر اور کینساؤں کے لیے پیش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں، حرام نہیں سمجھتا۔“ آپ رحمہ اللہ کا مکروہ خیال کرنا تو زرع سے ہے اور حرام نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ﴿مَا أَهْلُ الْغَيْبِ﴾ کا مفہوم اہل کتاب کی نسبت سے یہ ہے کہ جسے انہوں نے اپنے معبودوں کے تقرب کے لیے ذبح کیا ہو اور اسے وہ خود کھاتے نہ ہوں (بلکہ اس کا نذرانہ پیش کرتے ہوں) لیکن جسے ذبح کر کے خود کھاتے ہوں تو اس کا شمار اُن کے کھانے میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿وَلَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ﴾ ”اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔“

الیکٹریک شاک کا ذبیحہ اور بند ڈبوں کے گوشت کا حکم:

[۲]..... دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ اہل کتاب کے ذبح کرنے کا طریقہ ہمارے طریقے کے مطابق ہو یعنی حلق کو کسی تیز آلہ سے کاٹ دیا جائے؟ اکثر علماء اسے ضروری سمجھتے ہیں، لیکن مالکیہ کے ایک گروہ کا فتویٰ ہے کہ یہ ضروری نہیں۔ قاضی ابن العربی سورہ مائدہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اہل کتاب کا شکار اور کھانا ان پاک چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ نے جائز ٹھہرایا ہے۔ یہ مطلقاً حلال ہے اور اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے تاکہ شکوک و شبہات رفع ہوں اور غلط خیالات کا ازالہ ہو جائے۔ میرے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ نصرانی مرغی کی گردن

مروڑ دیتے ہیں اور پھر اسے پکا لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں یا ان کا کھانا کھایا جاسکتا ہے؟ میں نے کہا: ”کھایا جاسکتا ہے“ کیونکہ یہ نصاریٰ اور ان کے احبار و رہبان کا کھانا ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ذبح کرنے کا یہ طریقہ درست نہیں ہے، لیکن اللہ نے ان کا کھانا ہمارے لیے مطلقاً ❶ جائز کر دیا ہے۔ اور ہر وہ کھانا جس کو وہ اپنے دین میں جائز سمجھتے ہوں وہ ہمارے لیے حلال ہے۔ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ یہ اہل کتاب اپنی عورتیں ہماری زوجیت میں دے دیتے ہیں جن کے ساتھ مباشرت جائز ہے پھر ہم ان کا ذبیحہ کیوں نہ کھائیں؟ حلت و حرمت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کھانا مباشرت سے کم درجہ کی چیز ہے۔“

موصوف دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”یہ لوگ ذبح نہیں کرتے بلکہ گلا گھونٹ کر یا سر کچل کر ہلاک کر دیتے ہیں اور پھر اسے کھاتے ہیں، اس لیے یہ حرام مردار ہے لیکن (یہ عدم جواز کی صورت اور اوپر جواز کی جو صورت مذکور ہوئی ان) دو باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ اہل کتاب جس کے بارے میں یہ سمجھتے ہوں کہ یہ درست ذبیحہ ہے اس کا کھانا ہمارے لیے حلال ہے اگرچہ ہمارے نزدیک ان کے ذبح کرنے کا طریقہ درست نہ ہو لیکن جس کے بارے میں وہ خود بھی یہ سمجھتے ہوں کہ یہ ذبیحہ درست نہیں ہے وہ ہمارے لیے بھی حلال نہیں ہے۔ ذبح کا مشترک مفہوم یہ ہے کہ جانور کی

❶ یہ بات کہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لیے مطلقاً جائز ہے ایک شاذ قول ہے جو محتاج دلیل ہے۔ قرآن کریم نے ان کے جس ذبیحہ کو جائز قرار دیا ہے وہ مشروع ذبیحہ ہے نہ کہ غیر مشروع۔ جس سیاق میں اہل کتاب کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا گیا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ جس جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو اسی کا کھانا جائز ہے البتہ ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ مشروع طریقہ پر ذبح کرنے کی شرط معبود ہے اس لیے اس کو نظر انداز کر کے اہل کتاب کے ہر ذبیحہ کو جائز سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ اس بنا پر ان کی گردن مروڑی ہوئی مرغی ہمارے لیے حلال نہیں ہے۔ (مترجم)

جان نکالنے کا قصد و ارادہ، اس کا کھانا حلال کرنے کی نیت سے کیا گیا ہو۔“  
یہ مسلک مالکیہ کے ایک گروہ کا ہے۔ ان باتوں کی روشنی میں ہم محفوظ کیے ہوئے (بند  
ڈبوں کے) گوشت کا حکم سمجھ سکتے ہیں جسے اہل کتاب کے یہاں سے درآمد کیا جاتا ہے۔  
مثلاً: مرغی کا محفوظ کیا ہوا گوشت جو بعض اوقات الیکٹرک شاک کے ذبیحہ کا ہوتا ہے لیکن  
جب تک وہ اسے حلال ذبیحہ سمجھتے ہیں (درج بالا) آیت کے عموم کے مطابق ہمارے لیے  
حلال ہے۔<sup>①</sup> رہا وہ گوشت جو کمیونسٹ ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے تو ان کا کھانا ہمارے  
لیے کسی طرح جائز نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ تمام ادیان نیز اللہ اور رسالت سب کے منکر ہیں،  
اس لیے ان کا شمار اہل کتاب میں سے ہرگز نہیں ہے۔

### مجوسیوں وغیرہ کا ذبیحہ

مجوسیوں کے ذبیحہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کھانے سے منع کرتے  
ہیں کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ حلال ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:  
(سَنُؤَا بِهَمَّ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ .))<sup>②</sup>  
”ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ اختیار کرو۔“

اور یہ واقعہ ہے کہ ”ہجر“ کے مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا تھا۔<sup>③</sup>

① جب یہ معلوم ہے کہ عام طور سے ہندوہ کا گوشت غیر شرعی طریق پر ذبح کیے ہوئے جانور کا ہوتا ہے مثلاً: جھکا  
کیا ہوا یا جس کو ذبح کرتے وقت دانستہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا، تو ایسا گوشت محض اہل کتاب کی طرف منسوب ہو  
جانے سے ہمارے لیے کس طرح جائز ہوگا؟ کسی چیز کا حکم عام طریقہ کو دیکھ کر ہی لگایا جاتا ہے اور جو جانور غیر  
مشرع طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو اس کا کھانا جائز نہیں خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا عیسائی۔ (مترجم)  
② موطا امام مالک (۲۸۷/۱) کتاب الزکاة: باب جزية اهل الكتاب والمجوس ح ۴۲، کتاب  
الام للامام الشافعی (۲۴۰/۱۷۴/۴)۔

③ بخاری کتاب الجزية: باب الجزية والموادعة مع اهل الحرب ح ۳۱۵۶، ۳۱۵۷۔  
جمہور علماء کے نزدیک مجوسی کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً: سیدنا ابن مسعودؓ سیدنا ابن عباسؓ سیدنا علیؓ  
جابرؓ امام مالکؓ امام زہریؓ امام ثوریؓ امام شافعیؓ اصحاب الرائے اور امام احمدؓ وغیرہ۔  
ابن قدامہ کے نزدیک ”سَنُؤَا بِهَمَّ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ“ (ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرو) کا تعلق جزیہ  
سے ہے۔ ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: المغنی ج ۸ ص ۵۷۰) ۵۵

ابن حزم اپنی کتاب ”المحلی“ میں ذبح کے باب میں فرماتے ہیں:

”وہ بھی کتاب رکھتے ہیں اس لیے ان تمام باتوں میں وہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں۔“ (ج ۷ ص ۴۵۶)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صابی بھی اہل کتاب سے ہیں۔

قاعدہ: جو چیز نظروں سے غائب ہے اس کی تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے:

ایک مسلمان کے لیے ضروری نہیں کہ جو چیز اس کی نظروں سے غائب ہو اس کے بارے میں تفتیش کرے کہ اس کو کس طرح ذبح کیا گیا تھا؟ ذبح کی شرائط پوری کی گئی تھیں یا نہیں؟ اس پر اللہ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں؟ بلکہ جو ہماری نظروں سے غائب ہو اور ذبح کرنے والا مسلمان ہو، خواہ وہ جاہل ہو یا فاسق یا وہ اہل کتاب میں سے ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔

اس سے پہلے ہم بخاری کی یہ حدیث بیان کر چکے ہیں:

((إِنَّ قَوْمًا سَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالُوا إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي أَذْكَرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا؟ فَقَالَ ﷺ: سَمُوا اللَّهَ عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوا.)) ❶

کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ بعض لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اُس پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔“

علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ افعال و تصرفات کو صحت و سلامت پر محمول کیا جائے گا، الا یہ کہ فساد و بطلان پر کوئی دلیل قائم ہو۔

❷ علامہ جصاص خفی فرماتے ہیں: مجوس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ اور جو اُن کے اہل کتاب ہونے کے قائل ہیں وہ شاذ ہیں۔ ان کے اہل کتاب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دو گروہوں کو اہل کتاب قرار دیا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿أَنْ تَقُولُوا آمَنَّا بِالْكِتَابِ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ اگر مجوس اہل کتاب سے ہوتے تو ذکر تین گروہ کا ہوتا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجوس اہل کتاب میں سے ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ ”اُن کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرو۔“ آپ ﷺ نے یہ بات خاص طور پر جزیہ کے بارے میں فرمائی۔ (ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۴۰۰) (مترجم)

❸ بخاری کتاب التوحید۔ باب ان لله مائة اسم الا واحدة ح ۷۳۹۸، ۲۰۵۷۔

## شکار

عرب اور دیگر اقوام کے بہت سے لوگ شکار پر گزارہ کرتے تھے اس لیے قرآن و سنت نے شکار کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ اور فقہاء نے مستقل ابواب مخصوص کر کے حلال و حرام اور واجب و مستحب شکار کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ یہ تفصیل اس لیے ضروری ہوئی کہ بہت سے جانور اور پرندے جن کا گوشت پاکیزہ ہے انسان کے اختیار اور قابو میں نہیں ہوتے، کیونکہ وہ انسان سے غیر مانوس ہوتے ہیں، اس لیے اسلام نے مانوس حیوانات کے حلق اور لہ کو ذبح کرنے کی جو شرط رکھی ہے وہ ان غیر مانوس حیوانات کے لیے نہیں رکھی بلکہ ان کو ذبح کرنے کا آسان طریقہ تجویز کیا۔ یہ انسان کے حق میں تخفیف اور وسعت و کشادگی کا پہلو ہے۔

اسلام نے انسان کی فطری ضرورتوں کا پورا پورا لحاظ کیا ہے اور شکار کے بارے میں جو شرائط عائد کی ہیں ان کا منشاء یہ ہے کہ انسان اسلام کے عقیدہ اور اس کے نظام کے آگے جھک جائے اور جس طرح ایک مسلمان کو ہر معاملہ میں اسلام کا رنگ اختیار کرنا چاہیے اس معاملہ میں بھی وہ اسلام کا (پورا) رنگ اختیار کرے۔

ان شرائط میں سے بعض وہ ہیں جن کا تعلق شکار کرنے والے سے ہے بعض کا شکار سے اور بعض کا شکار کے فعل سے۔

یہ باتیں بڑی شکار سے متعلق ہیں، کیونکہ دریائی شکار کے بارے میں اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی قید کے سب کو حلال قرار دیا ہے۔

﴿اَحْلَلْ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ (المائدة: ۹۶/۵)

”دریائی شکار اور اس کا کھانا تمہارے لیے جائز کر دیا گیا ہے۔“

وہ شرائط جو شکاری سے متعلق ہیں:

خشکی کا شکار کرنے والے کے لیے وہی شرائط ہیں جو ذبح کرنے والے کے لیے ہیں، یعنی اس کا مسلمان یا اہل کتاب یا جو اہل کتاب کے حکم میں ہیں ان میں سے ہونا، جیسے مجوسی یا صابی۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ فضول شکار نہ کیا جائے، یعنی شکار کھانے کی غرض سے کیا



جائے یا کسی اور قسم کا فائدہ اٹھانے کی غرض سے۔ اور اس طرح خواہ مخواہ جان تلف کرنے کی کسی طرح بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ حدیث میں آیا ہے:

((مَنْ قَتَلَ عُصْفُورًا عَبَثًا عَجَّ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ: يَا رَبِّ، إِنَّ فُلَانًا قَتَلَنِي عَبَثًا وَلَمْ يَقْتُلْنِي مَنَفَعَةً.))<sup>①</sup>

”جس نے کسی چڑیا کو بے مقصد مار ڈالا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے گی کہ اے میرے رب! فلاں شخص نے مجھے خواہ مخواہ مار ڈالا تھا۔ یہ کام کسی فائدہ کے لیے نہیں کیا تھا۔“

دوسری حدیث میں ہے:

((مَا مِنْ إِنْسَانٍ يَقْتُلُ عُصْفُورًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا إِلَّا سَأَلَهُ اللَّهُ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا حَقُّهَا؟ قَالَ أَنْ يَذْبَحَهَا فَيَاكُلُهَا وَلَا يَقْطَعَ رَأْسَهَا فَيَرْمِي بِهِ.))<sup>②</sup>

”جو شخص کسی چڑیا یا اس سے بھی کمتر کسی جاندار کو ناحق مار ڈالتا ہے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے ضرور باز پرس کرے گا۔“ کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ”اس کو ذبح کر کے کھانا اور یہ نہ ہو کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے۔“

علاوہ ازیں ضروری ہے کہ شکار کرنے والا حج یا عمرہ کے احرام میں (محرم) نہ ہو کیونکہ مسلمان جب احرام میں ہوتا ہے تو مکمل امن و سلامتی کی حالت میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَحُرْمَةٌ عَلَيْهِمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُ حُرْمًا﴾ (المائدة: ۹۶/۵)

”خشکی کا شکار جب تک کہ تم حالت احرام میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے۔“

① نسائی، کتاب الضحایا: باب من قتل عصفوراً بغير حقها، ح ۴۴۵۱۔

② نسائی، حوالہ سابق، ح ۴۴۵۰۔ (اسنادہ ضعیف)



جس کا شکار کیا جائے اس سے متعلق شرائط:

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس جانور کا شکار کیا جائے اس کے حلق یا نچہ کو ذبح کرنے پر انسان قادر نہ ہو۔ اگر اس پر قدرت رکھتا ہو تو پھر لازماً اسی طرح ذبح کرنا ہوگا کیونکہ ذبح کرنے کا اصل طریقہ یہی ہے۔

اسی طرح اگر تیر چلا کر یا سدھائے ہوئے کتے کے ذریعہ شکار کیا ہو اور وہ اس حالت میں مل جائے کہ اس میں قرار پذیر زندگی ہو تو معمول کے مطابق حلق سے ذبح کرنا ضروری ہوگا، لیکن اگر ایسی حالت میں مل جائے کہ اس میں قرار پذیر زندگی نہ ہو تو بہتر ہوگا کہ اسے ذبح کر لیا جائے، لیکن اگر اسے اپنے حال پر مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو (اُس کے کھانے پر) کوئی گناہ نہ ہوگا۔ صحیحین کی حدیث ہے:

((وَإِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَادْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَادْرَكْتَهُ حَيًّا فَادْبَحْهُ. )) ❶

”جب تم اپنے کتے کو چھوڑو تو اس پر اللہ کا نام لو۔ پھر اگر وہ شکار کو تمہارے لیے روک رکھے اور تم اسے زندہ پالو تو ذبح کرو۔“

شکار کے ذرائع:

وہ چیزیں جن سے شکار کیا جائے، دو طرح کے ہیں:

(۱): ..... جارج آلہ جیسے تیر، تلوار، نیزہ، جیسا کہ قرآن کی آیت سے مترشح ہے:

﴿تَنَالُهُ آيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ﴾ (المائدة: ۹۴)

”جو تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں آجائے۔“

(ب): ..... شکاری جانور جسے شکار کی تربیت دی گئی ہو، جیسے کتا، چیتا، باز اور شکرہ۔

قرآن میں ہے:

﴿قُلْ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا

❶ بخاری، کتاب الذبائح: باب صید المعراض، ح ۵۴۷۶، ۵۴۸۴۔ مسلم، کتاب الصيد: باب الصيد بالکلاب المعلمة والرمی، ح ۱۹۲۹/۶۔ واللفظ له۔

عَلَيْكُمْ اللَّهُ (المائدة: ۵/۴)

”کہو! تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو یعنی جن کو اللہ کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو۔“

شکار کرنے کے لیے زخمی کرنے والا ہتھیار اور بندوق کے شکار کا حکم:

شکار کے آلہ سے متعلق دو شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ آلہ جسم کے اندر نفوذ (داخل) کر جائے کہ یہ نفوذ اور جرح (زخم) شکار کی موت کا باعث بن جائے۔ آلہ کے بوجھ تلے دب کر موت واقع نہ ہوئی ہو۔ عدی بن حاتم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا:

((إِنِّي أَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ فَأُصِيبُهُ قَالَ إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَرَقَ فَكُلْ وَمَا أَصَابَ بِعَرَضِهِ فَلَا تَأْكُلْ)) ❶

”میں بغیر (بھالے کے) پھل کے تیر سے شکار کرتا ہوں اور وہ نشانہ پر لگ جاتا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم تیر چلاؤ اور شکار کے جسم میں نوک کی طرف سے گھس جائے تو اسے کھاؤ۔ اور عرض کی طرف سے جا کر لگے تو مت کھاؤ۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتبار ہتھیار کے نفوذ کر جانے کا ہوگا اگرچہ شکار کا قتل کسی بوجھل چیز سے ہوا ہو۔ اس بنا پر بندوق اور ریو اور کی گولی سے کیا ہوا شکار حلال ہے کیونکہ یہ گولی جسم میں تیر، نیزہ اور تلوار سے بھی زیادہ تیزی سے نفوذ کر جاتی ہے۔ رہی امام احمد کی روایت کردہ حدیث کہ:

((لَا تَأْكُلُ مِنَ الْبُنْدُوقَةِ إِلَّا مَا ذُكِّتَ .)) ❷

”بندوق سے کیا ہوا شکار نہ کھاؤ الا یہ کہ تم نے اسے ذبح کر لیا ہو۔“

❶ بخاری کتاب الذبائح : باب ما اصاب المعراض بعرضه ح ۵۴۷۷، ۷۳۹۷، مسلم کتاب الصيد: باب الصيد بالکلاب المعلمة والرمی ح ۱/۱۹۲۹۔ واللفظ له .

❷ مسند احمد (۴/۳۸۰) (استانہ ضعیف) .

اور بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ بندقہ کا شکار موقوفہ (چوٹ کھا کر مرا ہوا جانور) ہے ❶ تو اس بندقہ سے مراد مٹی کا ڈھیلا ہے جس کو پھینک کر شکار کیا جائے۔ یہ بندقہ موجودہ بندوق سے بالکل مختلف چیز ہے۔

بندقہ سے مشابہت رکھنے والی چیز کنکری ہے جس کو پھینکنے کی نبی ﷺ نے ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے:

((إِنَّهَا لَا تَصِيدُ صَيْدًا وَلَا تَتَنَكَّأُ عَدُوًّا لِيَكُنَّهَا تَكْسِيرُ السِّنِّ وَتَفْقَاطُ الْعَيْنِ .)) ❷

”کنکری سے نہ شکار ہوتا ہے اور نہ دشمن زخمی ہوتا ہے بلکہ دانت ٹوٹ جاتا ہے اور آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔“

دوسرے یہ کہ آلہ پھینکنے یا ہتھیار چلاتے وقت اللہ کا نام لیا جائے جس طرح کہ نبی ﷺ نے سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو اس کی ہدایت فرمائی تھی ❸ اور اس بات میں ان سے روایت کردہ حدیثیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

کتوں کے ذریعہ شکار:

جب شکار کتے یا باز وغیرہ کے ذریعہ کیا جائے تو اس صورت میں درج ذیل شرائط کو ملحوظ رکھنا ہوگا:

❶ ایک یہ کہ جانور کو شکار کی تربیت دی گئی ہو۔

❷ دوسرے یہ کہ سدھایا ہوا جانور اپنے مالک کے لیے شکار کرے۔ اور قرآن کی تعبیر کے مطابق اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے مالک کے لیے روکے رکھے۔

❶ بخاری، کتاب الذبائح: باب صید المعراض قبل ح ۵۴۷۶۔ تعلیقاً فی ترجمہ الباب و وصلہ

البیہقی فی السنن الکبری (۲۴۹/۹)

❷ بخاری، کتاب الذبائح: باب الخذف والبدقة ح ۵۴۷۹، مسلم، کتاب الصيد: باب اباحۃ

ما یستطعان علی الاضطیاء ح- ۱۹۵۴۔

❸ بخاری، کتاب الذبائح: باب صید المعراض ح- ۵۴۷۶، ۵۴۸۴۔ مسلم، کتاب الصيد: باب

الصيد بالکلاب المعلمۃ ح: ۱۹۲۹۔

تیسرے یہ کہ اس کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا جائے۔

ان شرائط کی بنیاد درج ذیل آیت ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۚ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَانْقُوا لِلَّهِ ۚ﴾ (المائدة: ۵/۴)

”تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کیا چیزیں حلال کر دی گئی ہیں؟ کہو تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو یعنی جن کو اللہ کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو وہ جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھیں اس کو کھاؤ البتہ اس پر اللہ کا نام لو۔“

◆..... شکاری جانور کو کس حد تک سدھایا جانا چاہیے یہ ایک معروف بات ہے۔ اس کے مفہوم میں درج ذیل باتیں شامل ہیں:

- ① اس کا مالک اس پر اپنا حکم چلا سکے۔
- ② اس کے بلانے پر وہ آجائے۔
- ③ شکار کرنے پر وہ آمادہ کرے تو وہ اس کی تعمیل کرے۔
- ④ اور ڈانٹنے پر متنبہ ہو جائے۔

ان میں سے بعض باتوں کے شرط ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سدھانے کا مطلب عرف سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

◆..... مالک کے لیے روک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شکار میں سے خود نہ کھائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِذَا أَرْسَلْتَ الْكَلْبَ فَآكَلَ مِنَ الصَّيْدِ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ، فَإِذَا أَرْسَلْتَهُ فَقَتَلَ وَلَمْ يَأْكُلْ فَكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى

صاحبہ . ))

”جب تم کتے کو شکار کے لیے چھوڑ دو اور وہ شکار میں سے کچھ کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ“ کیونکہ اس نے شکار کو اپنے لیے روکا ہے۔ اور اگر تمہارے چھوڑ دینے کے بعد وہ شکار کرے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھائے تو تم اسے کھاؤ“ کیونکہ ایسی صورت میں اس نے اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھا ہے۔“

بعض فقہاء نے درندوں میں فرق کیا ہے۔ ایک وہ جو چوپایوں میں سے ہوں مثلاً: کتے۔ اور دوسرے وہ جو پرندوں میں سے ہوں مثلاً: شکرہ۔ ان کے نزدیک پرندہ کا کھایا ہوا شکار جائز ہے لیکن کتے کا کھایا ہوا شکار جائز نہیں۔

شکاری جانور کو سدھانے اور اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھنے کی شرطیں درحقیقت انسان کے مرتبہ کی بلندی کے پیش نظر اور اسے درندوں کے پس خوردہ سے پاک رکھنے کی غرض سے ہیں۔ کیونکہ جب کتا سدھایا ہوا ہو اور وہ اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھے تو اس کی حیثیت محض ایک آلہ کی ہو جاتی ہے جسے شکاری استعمال کرتا ہے۔ جیسے تیر اور نیزہ۔

..... شکار کے لیے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا ایسا ہی ہے جیسے تیر چلاتے نیزہ گھونپتے یا تلوار سے ضرب لگاتے وقت اللہ کا نام لینا۔ قرآن کی آیت ﴿وَإِذْ كُنَّا نَسُوقَ الْفُلَ لَكَ فَخَرْتَهُ وَفُوتَ الْوَعْدَ عَلَيْنَا نَبَإُ الْمَغْرِبِ﴾ (اس پر اللہ کا نام لو) میں اس کا حکم موجود ہے۔ اور اس سلسلہ میں صحیح اور متفق علیہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں جیسے مذکورہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

اس شرط کے صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جس کتے کو شکار کے لیے چھوڑا گیا اس کے ساتھ اگر کوئی دوسرا کتا شریک ہو جائے تو ان کا شکار جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب سیدنا عدی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

① قال الشيخ الالبانی ”لم اره عند احمد في المسند بهذا اللفظ ولا عند احد من اصحاب الكتب الستة وقد جاء الحديث في عدة مواطن من المسند بالفاظ مختلفة۔ (٢٥٨٢٥٦/٤)۔ ٣٧٧۔ (٣٨٨)۔ ليس فيها هذا اللفظ ومعناه عند البخاری و مسلم وغيرهما۔ (غاية المرام ص ٥١) انظر البخاری كتاب الذبائح: باب صيد المعراض ح: ٥٤٧٦ مسلم كتاب الصيد: باب الصيد بالكلاب المعلمة ح: ١٩٢٩۔

((إِنِّي أُرْسِلُ كَلْبِي أَحَدُ مَعَهُ كَلْبًا لَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَهُ؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى غَيْرِهِ.))<sup>①</sup>

”میں اپنا کتا شکار کے لیے چھوڑ دیتا ہوں پھر اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی موجود ہوتا ہے، معلوم نہیں ہوتا کہ کس کتے نے شکار کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مت کھاؤ“ کیونکہ تم نے اپنے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا تھا، دوسرے کتے پر نہیں لیا تھا۔“

پھر اگر تیر چلاتے وقت یا کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھول چوک کی صورت میں کوئی مواخذہ نہیں ہے اور اس کا تدارک کھاتے وقت اللہ کا نام لے کر کیا جائے، جیسا کہ ذبح کے باب میں گذر چکا۔

تیر چلانے کے بعد اگر شکار مردہ حالت میں مل جائے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شکاری تیر چلاتا ہے اور شکار کو لگ جاتا ہے، لیکن وہ بروقت دستیاب نہیں ہوتا، بلکہ ایک دن یا چند دن بعد مردہ حالت میں دستیاب ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ شکار کیا ہوا جانور حلال ہے بشرطیکہ:

①..... وہ پانی میں نہ گر پڑا ہو کیونکہ نبی ﷺ کی حدیث ہے:

((إِذَا رَمَيْتَ سَهْمَكَ فَإِنْ وَجَدْتَهُ قَدْ قُتِلَ فَكُلْ إِلَّا أَنْ تَجِدَهُ قَدْ وَقَعَ فِي مَاءٍ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي الْمَاءُ قَتَلَهُ أَمْ سَهْمُكَ.))<sup>②</sup>

”تم تیر چلانے کے بعد شکار کو مردہ حالت میں پالو تو کھاؤ، لیکن اگر پانی میں گرا ہوا پاؤ تو نہ کھاؤ“ کیونکہ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ پانی کی وجہ سے مر گیا ہے یا

① بخاری، کتاب الذبائح: باب صید المعراض، ح ۵۴۷۶۔ مسلم، کتاب الصيد: باب الصيد بالکلاب، ح ۱۹۲۹۔

② بخاری، کتاب الذبائح: باب الصيد اذا غاب عنه يومين او ثلاثة، ح ۵۴۸۴، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶۔ مسلم، کتاب الصيد: باب الصيد بالکلاب، ح ۱۹۲۹/۶-۷۔

تمہارا تیر لگ کر۔“

﴿..... کسی دوسرے تیر کا نشان اس پر موجود نہ ہو جس سے شبہ ہو کہ شکار کسی اور تیر کے لگ جانے سے مر گیا ہے۔ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرُمِي الصَّيْدَ فَأَجِدُ فِيهِ سَهْمِي مِنَ الْغَدِ فَقَالَ: إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَفِ فِيهِ آثَرَ سَبْعِ فَكُلْ.))<sup>①</sup>

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں تیر چلاتا ہوں اور دوسرے دن شکار کو پاتا ہوں جس میں میرا تیر لگا ہوا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے ہی تیر نے اسے قتل کیا ہے اور کسی درندے کے کھانے کا کوئی نشان موجود نہ ہو تو اسے کھاؤ۔“

﴿..... شکار میں تعفن (بدبو) نہ پیدا ہوا ہو کیونکہ طبع سلیم کے نزدیک متعفن چیز ناپاک ہے اور اسے ایسی چیز سے نفرت ہے نیز اس میں مضرت کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((إِذَا رَمَيْتَ سَهْمَكَ فَعَابَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَأَدْرَكَتْهُ فَكُلْهُ مَا لَمْ يُتَيْنِ.))<sup>②</sup>

”جب تم تیر چلاؤ اور شکار تین دن کے بعد مل جائے، تو اسے کھاؤ بشرطیکہ اس میں تعفن نہ پیدا ہوا ہو۔“

## شراب

خمر (شراب) ایک الکوحلی مادہ ہے۔ جو نشہ پیدا کرتا ہے۔

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ شراب کے کتنے مضر اثرات انسان کے عقل و جسم اور

① ترمذی 'كتاب الصيد: باب ماجاء فى الرجل يرمى الصيد فيغيب عنه' ح: ١٤٦٨ 'نسائی' كتاب

الصيد: باب فى الذی يرمى الصيد فيغيب عنه' ح: ٤٣٠٧ .

② مسلم 'كتاب الصيد: باب اذا غاب عنه الصيد ثم وجد' ح: ١٩٣١ .

اس کے دین و دنیا پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور ایک خاندان کے لیے وہ کیا کیا تباہیاں لاتی ہے۔ اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ قوم اور سماج کی مادی، اخلاقی اور رُوحانی زندگی کے لیے یہ کس قدر خطرناک اور مہلک ہے۔

ایک محقق نے بالکل صحیح کہا ہے کہ انسان کو شراب سے بڑھ کر کسی چیز نے زک نہیں پہنچائی۔ اگر دنیا کے ہسپتالوں کا جائزہ لے کر ان لوگوں کے اعداد و شمار جمع کیے جائیں جو شراب کی وجہ سے جنون اور لاعلاج امراض کا شکار ہو جاتے ہیں، جو قتل و خون کرنے لگ جاتے ہیں اور جو اعصابی بیماریوں اور پیٹ وغیرہ کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں، نیز جو اپنی اُملاک سے ہاتھ دھو کر مفلس اور فلاش ہو کر رہ جاتے ہیں، تو اعداد و شمار ایسی خطرناک حد کو پہنچ جائیں گے کہ اس کے مقابلہ میں جو نصیحت بھی کی جائے، کم ہی محسوس ہوگی۔

عرب زمانہ جاہلیت میں شراب کے متوالے اور رسیا تھے۔ ان کی زبان میں شراب کے تقریباً ایک سو نام تھے اور ان کی شاعری میں شراب کی اقسام اس کی خصوصیات اور جام و مینا اور محفل سرور کا ذکر بڑی کثرت سے کیا گیا ہے۔ جب اسلام کی آمد ہوئی تو اس نے تربیت کا نہایت حکیمانہ انداز اختیار کیا۔ اور تدریجاً اسے کلیتہً حرام قرار دیا۔

اس نے سب سے پہلے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی۔ اس کے بعد یہ بات ذہن نشین کرائی کہ شراب کا گناہ اس کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔ اور اخیر میں سورہ مائدہ کی جامع آیت نازل ہوئی جس نے شراب کا قطعی حکم یوں بیان کر دیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ٩١﴾ (المائدة: ٩٠/٩١)

”اے ایمان والو! شراب، جو، استھان اور پانسے کے تیر بالکل نجس شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز



سے روکے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز آ جاؤ گے۔؟“  
اس قطعی بیان کے بعد مومنوں کا جواب تھا۔ ”اے رب! ہم اس سے باز آ گئے۔ اے رب! ہم باز آ گئے۔“<sup>①</sup>

انہوں نے اس آیت کے نازل ہونے پر حیرت انگیز نمونہ پیش فرمایا۔ جو شخص ہاتھ میں جام لیے پی رہا تھا، یہ اُبت سنتے ہی اس نے منہ سے جام ہٹا دیا اور اسے زمین پر اُنڈیل دیا۔<sup>②</sup>  
بہت سی حکومتوں نے شراب کے نقصانات کو جو افراد خاندانوں اور ملکوں کو بھگتنا پڑتے ہیں، تسلیم کر لیا ہے۔ اور بعض حکومتوں نے اسے قانون و اقتدار کے بل پر ممنوع قرار دینے کی بھی کوشش کی۔ چنانچہ امریکہ نے شراب کو قانوناً ممنوع قرار دیا تھا لیکن اس میں اُسے بُری طرح ناکامی ہوئی، لیکن اسلام اور صرف اسلام شراب کے خلاف جنگ لڑنے اور اس کا خاتمہ کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا۔

اہلِ کینہ کے درمیان شراب کے بارے میں مسیحی مذہب کا موقف متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا مأخذ انجیل کی اس عبارت کو قرار دیا ہے کہ ”قلیل مقدار میں شراب معدہ کے لیے مفید ہے۔“

اگر یہ کلام صحیح ہو اور واقعی وہ معدے کے لیے مفید ہو، تب بھی قلیل مقدار سے بھی بچنا ضروری ہوگا، کیونکہ قلیل مقدار میں پیتے پیتے آدمی کثیر مقدار میں پینے لگے گا اور ایک جام دوسرے جام کی خواہش پیدا کرے گا۔ اس طرح وہ شراب کا عادی اور رسیا بن جائے گا۔

ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے:

نبی ﷺ نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی کہ شراب کس چیز سے بنائی جاتی ہے بلکہ اس کے اثر یعنی نشہ کو قابلِ لحاظ سمجھا۔ لہذا جس چیز میں نشہ لانے کی قوت ہو وہ خمر (شراب)

① ابو داؤد، کتاب الاشربة: باب تحريم الخمر۔ ح: ۳۶۷۰۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة المائدة: ح: ۳۰۴۹۔ نسائی، کتاب الاشربة: باب تحريم الخمر، ح: ۵۵۴۲۔

② بخاری، کتاب الاشربة: باب نزل تحريم الخمر۔ ح: ۵۵۸۲۔ مسلم، کتاب الاشربة: باب تحريم الخمر، ح: ۱۹۸۰۔ المغنی۔

ہے۔ خواہ لوگوں نے اس کا کوئی سانا م رکھا ہو اور خواہ وہ کسی چیز سے تیار کی گئی ہو۔ شراب کی اس حقیقت کے پیش نظر بیئر (Beer) اور اس کے مماثل چیز حرام ہیں۔

نبی ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ شہد مکئی اور جو سے جو شراب بنائی جاتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں بڑی جامع بات ارشاد فرمائی:

((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ.)) ❶

”ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔ اور ہر خمر (شراب) حرام ہے۔“

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول ﷺ سے اعلان فرمایا:

((الْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ.)) ❷

”خمر (شراب) وہ ہے جو عقل کو ڈھانک دے“

نشہ آور چیز حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر

اسلام نے قطعی طور پر شراب حرام کر دی اور کم یا زیادہ مقدار میں پینے کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ تاکہ اس راہ میں انسان کے قدم ڈمگنا نہ جائیں اور وہ گراوٹ کو اختیار نہ کرے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ.)) ❸

”جو چیز کثیر مقدار میں نشہ لائے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔“

نیز فرمایا:

❶ مسلم، کتاب الاشربة/ باب بیان ان کل مسکر خمر، ح: ۷۱/ ۱۷۳۳، ۲۰۰۳۔ واللفظ له واخرجه البخاری فی کتاب المغازی: باب بعث ابی موسیٰ ومعاذ الی الیمن۔ ح: ۴۳۴۳، ۱۱۲۴ باختلاف یسیر۔

❷ بخاری، کتاب الاشربة: باب ما جاء فی ان الخمر ما خامر العقل، ح: ۵۵۸۸۔ مسلم، کتاب التفسیر: باب فی نزول تحریم الخمر، ح: ۳۰۳۲۔

❸ مسند احمد (۳/ ۳۴۳)۔ ابوداؤد، کتاب الاشربة: باب ما جاء فی السكر، ح/ ۳۶۸۱۔ ترمذی: کتاب الاشربة: باب ما جاء ما اسکر کثیره فقليله حرام، ح/ ۱۸۶۵۔ ابن ماجہ، کتاب الاشربة: باب ما اسکر کثیره فقليله حرام، ح: ۳۳۹۳۔

(( مَا أَسْكَرَ الْفَرْقُ مِنْهُ فَمِلْ أُلْكَفَ مِنْهُ حَرَامٌ )) ❶

”جو چیز فرق (ایک ناپ کا پیمانہ جو سولہ رطل کا ہوتا ہے) کی مقدار میں نشہ آور ہو اس کی چلو بھر مقدار بھی حرام ہے۔“

### شراب کی تجارت:

نبی ﷺ نے تھوڑی یا زیادہ مقدار میں شراب پینے کو ہی حرام نہیں ٹھہرایا، بلکہ اس کی تجارت کو بھی حرام قرار دیا، اگرچہ یہ تجارت غیر مسلموں کے ساتھ کی جائے۔ لہذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ شراب کی درآمد و برآمد کا کاروبار کرے یا شراب خانہ کھول کر بیٹھ جائے یا اس میں ملازمت کرنے لگ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے شراب کے سلسلہ میں دس افراد پر لعنت فرمائی ہے:

(( لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةَ: عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِيَ لَهَا وَالْمُشْتَرَاةَ لَهُ )) ❷

”شراب نچوڑنے والا، نچروالینے والا، پینے والا، اٹھانے والا، وہ جس کے لیے اٹھا کر لے جاتی جائے، پلانے والا، فروخت کرنے والا، اس کی قیمت کھا جانے والا، خریدنے والا اور وہ جس کے لیے خریدی جائے، ان سب پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔“

جب سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت جس میں شراب کی حرمت بیان ہوئی ہے نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا:

(( إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَمَنْ أَدْرَكَتْهُ هَذِهِ الْآيَةُ وَعِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلَا يَشْرِبْ وَلَا يَبِيعْ )) ❸

❶ مسند احمد (۱/ ۱۳۱)۔ ابوداؤد، حوالہ سابق، ح/ ۳۶۸۷۔ ترمذی، حوالہ سابق، ح: ۱۸۶۶۔

❷ ترمذی، کتاب البیوع: باب النهی ان یتخذ الخمر خللاً، ح/ ۱۲۹۵۔ ابن ماجہ، کتاب الاشربة: باب لعنت الخمر علی عشرة، ح: ۳۳۸۱۔

❸ مسلم، کتاب المساقاة: باب تحریم بیع الخمر، ح: ۱۵۷۸۔ باختلاف یسر۔

”اللہ نے شراب حرام کر دی ہے۔ لہذا جس شخص تک یہ حکم پہنچ جائے اور اس کے پاس شراب موجود ہو تو وہ اسے نہ پئے اور نہ فروخت کرے۔“

راوی کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس شراب موجود تھی اس کو انہوں نے مدینہ کے راستوں پر بہا دیا۔ اسلام نے سید ذریعہ کے طور پر یہ بات بھی حرام کر دی کہ کوئی مسلمان کسی ایسے شخص کے ہاتھ انگور فروخت کرے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ ان کو نچوڑ کر شراب بنائے گا۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ أَيَّامَ الْقَطَافِ حَتَّى يَبِيعَهُ مِنْ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مِمَّنْ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلَى بَصِيرَةٍ.)) ❶

”جس نے انگور کو فصل کٹنے پر روک رکھا تا کہ وہ کسی یہودی یا نصرانی یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ بیچ دے گا جو اس سے شراب بناتا ہو تو وہ جانتے ہو جتھے آگ میں گھس پڑا۔“

مسلمان شراب کا ہدیہ نہیں دے سکتا:

شراب کو فروخت کرنا اور اس کی قیمت کھا جانا ہی حرام نہیں ہے بلکہ کسی مسلم یا غیر مسلم کو شراب کا ہدیہ دینا بھی حرام ہے۔ مسلمان پاک ہوتا ہے اور پاک چیز ہی کا ہدیہ دینا اور لینا پسند کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ”ایک شخص نے چاہا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں شراب ہدیہ پیش کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ: اللہ نے شراب حرام کر دی ہے۔

اجنبی شخص: پھر اسے فروخت کر دوں؟

رسول اللہ ﷺ: جس ہستی نے شراب کا پینا حرام کر دیا ہے اس نے اس کا فروخت کرنا

❶ بیہقی فی شعب الایمان (۵۶۱۸) طبرانی فی الاوسط (۵۳۵۲) کما فی الجمع (۹۰/۴)۔

ابن ابی حاتم فی العلل (۱۱۶۵)، ابن حبان فی المجروحین (۲۳۶/۱) و قال لا اصل له و ابن الجوزی فی العلل المتماہیة (۱۸۸/۲)۔ قال ابو حاتم: هذا حديث كذب باطل۔

بھی حرام کر دیا ہے۔

اجنبی شخص: پھر یہودی خدمت میں ہدیہ پیش کر دوں؟

رسول اللہ ﷺ: جس ہستی نے اسے حرام کیا ہے اس نے یہودی خدمت میں ہدیہ

پیش کرنا بھی حرام کیا ہے۔

اجنبی شخص: پھر میں اسے کیا کروں؟

رسول اللہ ﷺ: بطحاء کے راستوں پر بہا دو۔<sup>①</sup>

شراب کی مجلسوں کا بائیکاٹ:

اسی طرح مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ شراب کی مجلسوں کا بائیکاٹ کرے اور شراب پینے والوں کا ہم نشین نہ بنے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ كَانَ يَوْمَيْنِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَقْعُدُ عَلَى مَائِدَةٍ تَذَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ.))<sup>②</sup>

”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔“

کیونکہ مسلمان اس بات پر مامور ہے کہ جب کسی منکر کو دیکھے تو اسے بدل دے اور اگر

① ضعیف مسند حمیدی، ۴۴۷/۲، رقم الحدیث: ۱۰۳۴، مسند احمد بن حنبل ۴/۲۲۷، رقم الحدیث: ۱۷۹۹۵، المطالب العالیہ لا بن حجر عسقلانی، ۱۳۳/۵، رقم الحدیث: ۱۸۲۰، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۴۹۴۴، ۳۱۹/۱۱، (شواہد کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے) بحوالہ مسند حمیدی، محقق (مفہوماً) صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم بیع الخمر، رقم الحدیث: ۱۵۷۹۔ (معناً)

② صحیح السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۶۶/۷، مسند ابی یعلیٰ الموصلی، ۱۲۷/۱، رقم الحدیث: ۲۴۶، مسند احمد بن حنبل، ۲۰/۱، رقم الحدیث: ۱۲۵، جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی دخول الحمام، رقم الحدیث: ۲۸۰۱، إرواء الغلیل للالبانی، ۶/۷، رقم الحدیث: ۱۹۴۹۔

اس کا ازالہ نہ کر سکتا ہو تو پھر اس سے دور ہو جانا چاہیے خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ شراب پینے والوں کے ساتھ اس شخص کو بھی کوڑے لگاتے جو ان کی مجلس میں شریک ہوتا، گو اس نے شراب نہ پی ہو۔

شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے:

مذکورہ نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے شراب کے خلاف زبردست جنگ آرائی کی، مسلمانوں کو اس سے یکسر روک دیا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی۔ اسلام میں نہ تھوڑی سی شراب پینا روا ہے نہ خرید و فروخت کا معاملہ کیا جاسکتا ہے نہ ہدیہ کے طور پر شراب پیش کی جاسکتی ہے اور نہ اس کو بنانا جائز ہے۔ اسی طرح اپنی تجارت گاہ یا اپنے گھر میں شراب رکھنا بھی جائز نہیں اور نہ ہی جشن وغیرہ کی محفلوں میں پیش کرنے اور غیر مسلم مہمانوں کی اس سے تواضع کرنے اور ماکولات و مشروبات میں اس کی آمیزش کرنے کے لیے کوئی وجہ جواز ہے۔

رہا دواء کے طور پر شراب کے استعمال کا مسئلہ تو رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے پوچھنے پر اس سے بھی منع فرمایا:

((إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ .))<sup>①</sup>

”شراب دواء نہیں بلکہ بیماری ہے۔“

نیز فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالِدَوَاءَ وَجَعَلَ لَكُمْ دَاءً دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا

تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ .))<sup>②</sup>

① صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب تحریم التداوی بالخمر، رقم الحدیث: ۱۹۸۴، مسند احمد بن حنبل ۴/۳۱۱، رقم الحدیث: ۱۸۷۸۷، سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الأدوية المکرودہ رقم الحدیث: ۳۸۷۳، سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب النهی أن يتداوی بالخمیر، رقم الحدیث: ۳۵۰۰.

② ضعیف سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الأدوية المکرودہ، رقم الحدیث: ۳۸۷۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۵، نصب الراية للزیلعی ۴/۲۸۵، شرح السنة للبیہقی، کتاب

”اللہ نے بیماری اور دواء (علاج) دونوں چیزیں نازل کی ہیں اور تمہارے لیے بیماری کا علاج بھی رکھا ہے، لہذا علاج کرو لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرو۔“

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما آدھ چیزوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ.))<sup>①</sup>

”اللہ نے اپنی حرام کردہ چیزوں میں تمہارے لیے شفاء نہیں رکھی ہے۔“

(البخاری تعلیقاً)

علاج معالجہ کے لیے شراب اور دیگر محرّمات کو اسلام نے جو حرام قرار دیا ہے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ کے بقول کسی چیز کی حرمت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ اس سے بالکل اجتناب اور دوری اختیار کی جائے۔ اگر بغرض علاج اس کو استعمال کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہوتی تو اس سے رغبت اور اختلاط پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا، جو شارع کے مشأ کے بالکل خلاف ہے۔“

موصوف مزید فرماتے ہیں: ”علاج کے لیے اگر شراب کو مباح کر دیا جاتا تو وہ شہوت و لذت کے حصول کا ذریعہ بن سکتی تھی، خصوصاً جبکہ لوگ اسے مفید اور موجب شفاء خیال کرتے۔“

ابن قیم رحمہ اللہ نے ایک اہم نفسیاتی پہلو کی طرف بھی متوجہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

”دواء سے شفاء حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے قبولیت کے ساتھ

استعمال کیا جائے، یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ وہ مفید ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے

جو شفاء رکھی ہے اس کی برکت حاصل ہوگی، لیکن ایک مسلمان کا اعتقاد یہ

ہوتا ہے کہ شراب عین حرام ہے اور یہ اعتقاد اس کے مفید اور ذریعہ شفاء ہونے کے

① الطب والرقی، باب الدواء ۱۲/۱۳۹، رقم الحدیث: ۳۲۲۶، کنز العمال للمفتی الہندی ۵۳/۱۰، رقم الحدیث: ۲۸۳۲۴۔

② بخاری کتاب الاشربة: باب شراب الحلواء والعسل تعلیقاً قبل -ح: ۵۶۱۴۔ ووصلہ احمد

فی کتاب الاشربة (ح: ۱۳۰) والحاکم فی المستدرک (۴/۲۱۸)

منافی ہے۔ اس اعتقاد کے ساتھ نہ شراب کے بارے میں اچھا گمان پیدا ہو سکتا ہے اور نہ اسے قبولیت کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ بندہ ایمان میں جتنا پختہ ہوگا اتنا ہی وہ شراب سے نفرت کرے گا اور اسے بُرا اور ناگوار خیال کرے گا۔ ایسی صورت میں شراب کا استعمال اس کے لیے بیماری کا باعث ہوگا نہ کہ دواء کا۔“ ❶

اس کے باوجود شریعت کی نظر میں مجبوری ایک حقیقت ہے جس کی مناسبت سے الگ احکام ہیں۔ فرض کیجئے، شراب یا کوئی ایسی چیز جس میں شراب ملائی گئی ہو کسی ایسے مرض کا واحد علاج قرار پائے جس میں انسانی زندگی خطرہ میں پڑ گئی ہو اور کوئی ایسی دواء نہ مل سکتی ہو جو اس سے بے نیاز کر دے اور میں نہیں سمجھتا کہ ایسی صورت ممکن ہے اور یہ دوا تجویز کرنے والا مسلمان ماہر طبیب ہو جو دین کے معاملہ میں غیرت مند بھی ہو تو ایسی صورت میں شریعت کے اصول جو آسانی پیدا کرنے اور حرج کو رفع کرنے پر مبنی ہیں، اس کے استعمال سے نہیں روکتے بشرطیکہ یہ استعمال ممکنہ حد تک محدود دائرہ کے اندر ہو۔

ارشاد الہی ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ❷

(الانعام: ۱۴۵/۶)

”پھر جو مجبور ہو جائے بغیر اس کے کہ وہ اس کا چاہنے والا ہو یا حد سے تجاوز کرنے والا تو تمہارا رب غفور و رحیم ہے۔“

مخدرات (عقل کو بے حس کرنے والی چیزیں)

شراب سے قرآن میں منع کیا گیا ہے، جاننا چاہیے کہ خمر کیا ہے؟  
((الْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلُ))

”خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانک دے۔“

ایک درخشنده بات ہے جسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے برسرِ منبر رسول ﷺ خطبہ دیتے ہوئے

❶ ملاحظہ ہو: زاد المعاد۔ ج ۳ ص ۱۱۵-۱۱۶۔



بیان فرمایا۔<sup>①</sup> اس سے خمر کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور کسی شبہ کے لیے گنجائش نہیں رہتی۔ ہر وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈالے اور قوتِ میسرہ، قوتِ مدرکہ اور قوتِ فیصلہ کو متاثر کر دے ”خمر“ (شراب) ہے، جسے اللہ اور اس کے رسول نے قیامت تک کے لیے حرام ٹھہرایا ہے۔

مخدرات مثلاً: گانجا، کوکین، افیون وغیرہ بھی اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔ یہ عقل پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہیں کہ دور کی چیز قریب اور قریب کی چیز دور نظر آنے لگتی ہے۔ جو چیز امر واقع میں موجود ہے اس کے بارے میں ڈھول ہونے لگتا ہے اور جو چیز واقعہً موجود نہیں ہے اس کو آدمی موجود خیال کرنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ اوہام و خیالات کے سمندر میں تیرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس، اپنے دین اور اپنی دنیا سب کو بھول کر محض خیالات کی وادی میں بھٹکنے لگتا ہے۔

علاوہ ازیں اس سے جسم میں فتور، اعصاب میں بے حسی پیدا ہو جاتی ہے اور صحت کمزور ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ جو پست ہمتی، اخلاقی گراؤ، ارادہ کا ڈھیلا پن اور شعور میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، اس کے نتیجہ میں ان زہریلی اشیاء کے عادی معاشرہ کے جسم کا ناسور بن کر رہ جاتے ہیں۔

ان تمام خرابیوں کے علاوہ ضیاعِ مال اور گھروں کی تباہی اس پر مستزاد ہے۔ اور بعض اوقات تو ان منشیات کا عادی اپنے بیوی بچوں کی غذا تک کا پیسہ نشے پر خرچ کر بیٹھتا ہے اور کبھی دیگر غیر شریفانہ طریقے اختیار کرتا ہے۔

اسلام کا یہ اصول ہم بیان کر چکے ہیں کہ حرام چیزیں خباثت اور مضرت کا باعث ہیں اور حقیقتاً یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ صحت کے نقطہ نظر سے نیز نفسیاتی، اجتماعی اور اقتصادی لحاظ سے یہ چیزیں سخت مضر ہیں، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان خباثت کی حرمت پر ان تمام فقہاء کا اتفاق ہے جن کے زمانہ میں ان چیزوں کا ظہور ہوا۔ ان کے پیش پیش شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہیں۔

① بخاری، کتاب الاشربة: باب ماجاء فی ان الخمر ما خامر العقل، ح ۵۵۸۸۔ مسلم، کتاب

التفسیر: باب فی نزول تحريم الخمر، ح: ۳۰۳۲

موصوف فرماتے ہیں:

”یہ حشیش (گانجا) حرام ہے خواہ اس سے مدہوشی طاری ہو یا نہ ہو..... اس میں نشہ ہوتا ہے اس لیے اسے فاجر لوگ ہی استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ اپنی خصوصیت کی بنا پر نشہ آور شراب ہی کے قبیل کی چیز ہے۔ شراب محرک ہے اور خصوصیت (جھگڑے) کے جذبات پیدا کرتی ہے اور گانجا عقل میں فتنہ پیدا کر کے ذلت کا سامان پیدا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ عقل و مزاج میں خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے نیز اس سے شہوت کو شعلہ ملتی ہے اور بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان خرابیوں کے پیش نظر گانجا نشہ آور شراب سے بھی بدتر چیز ہے۔ لوگوں میں اس کا رواج تاتاریوں کے ظہور سے ہوا ہے۔ اس کے پینے پر خواہ تھوڑی مقدار میں پیا جائے یا زیادہ مقدار میں شراب کی حد یعنی اتنی یا چالیس کوڑے لگائے جانے چاہئیں۔“

جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے گانجا پیا ہے تو اس کی یہ حرکت بمنزلہ شراب نوشی کے ہے بلکہ بعض وجوہ سے اس سے بھی بدتر ہے۔ اور اسے استعمال کرنے والا شراب نوشی ہی کی طرح کی سزا کا مستحق ہے۔ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ محرمات میں سے جن چیزوں کی دلوں میں اشتہاء پیدا ہوتی ہے جیسے شراب اور زنا، ان پر حد جاری کی جائے گی، لیکن جن چیزوں کی اشتہاء پیدا نہیں ہوتی، جیسے مردار، ان پر تعزیر ہے اور گانجا تو پینے والوں کو ایسا مرغوب ہوتا ہے کہ وہ اسے کسی حال میں چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، حالانکہ کتاب و سنت کی نصوص اس کے حرام ہونے پر اسی طرح دلالت کرتی ہیں جس طرح کہ دوسری قسم کی شراب کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔“<sup>①</sup>

جو چیز بھی ضرر رساں ہو اس کا کھانا پینا حرام ہے

اسلامی شریعت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان کے لیے کسی ایسی چیز کا کھانا پینا جائز نہیں ہے جو اسے فوراً یا آہستہ آہستہ ہلاک کر دے۔ مثلاً: ہر قسم کا زہریا اور کوئی مضر چیز۔ اسی

① فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج ۴ ص ۲۶۲ اور السیاسة الشرعية .

اسی طرح بکثرت کھانا پینا بھی جائز نہیں کہ بسیار خوری کے نتیجہ میں بیمار پڑ جائے۔ مسلمان کی تحویل میں صرف اس کا نفس ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کا دین، اس کی ملت، اس کی زندگی، اس کی صحت، اس کا مال اور اللہ کی ساری ہی نعمتیں اس کے پاس امانت ہوتی ہیں لہذا ان کو ضائع کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝﴾

(النساء: ۴/۲۹)

”اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تم پر مہربان ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ﴾ (البقرة: ۲/۱۹۵)

”اور اپنے ہاتھوں کو اپنے آپ ہلاکت میں نہ ڈالو۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) ❶

”ضرر پہنچانا، اپنی تمام صورتوں کے ساتھ ناجائز ہے۔“

اس اصول کی مناسبت سے ہم کہتے ہیں کہ تمباکو خبیث ہونے کے علاوہ اگر استعمال کرنے والے کے لیے مضر ثابت ہو رہا ہو تو دو وجوہ سے حرام ہے۔ خاص طور سے جبکہ ڈاکٹر کسی خاص شخص کے بارے میں یہ بتلائے کہ تمباکو کا استعمال اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر بالفرض تمباکو مضر صحت نہ ہو، تب بھی وہ مال کا ضیاع ہے جس میں نہ دینی فائدہ ہے نہ دنیوی۔ حدیث میں ہے:

((نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ)) ❷

”نبی ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

❶ مسند احمد (۱/۳۱۳/۵/۳۲۷) ابن ماجہ، کتاب الاحکام: باب من بنی فی حقہ ما یضر

بجارہ، ح ۲۳۴۰/۲۳۴۱، من روایۃ عبد اللہ بن عباس، عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہما۔

❷ بخاری، کتاب الرقاق: باب ما یکرہ من قیل و قال، ح ۶۴۷۳۔ مسلم: کتاب الاقضية: باب

النہی عن کثرة المسائل، ح ۵۹۳/۱۴۔

اور یہ ممانعت اس صورت میں اور موکدہ ہو جاتی ہے جبکہ آدمی اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کا ضرورت مند ہو۔

## لباس اور زینت

اسلام میں یہ بات نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے کہ مسلمان اللہ کی پیدا کردہ زینت پوشاک اور نفیس لباس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی وضع قطع اور شکل و صورت میں بعض علماء سلف نے تمباکو کی حرمت کے لیے سورۃ اعراف کی آیت (۱۵۷) سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

اور وہ (رسول اللہ) ان کے لیے طیب (پاکیزہ) اشیاء کو حلال اور خبیث (گندی) چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ جبکہ دنیا بھر کے انسانوں کے نزدیک خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، تمباکو ایک خبیث اور مضر صحت جڑی بوٹی ہے۔ جسے کوئی ایک بھی سمجھدار انسان طیب یا پاکیزہ نہیں کہہ سکے گا لہذا آیت مبارکہ کی رو سے تمباکو قطعاً حرام ہے۔

حُسن و جمال پیدا کرے۔

اسلام کی نظر میں لباس سے مقصود دو چیزیں ہیں۔

❖ ایک ستر کو ڈھانپنا۔

❖ اور دوسرے زینت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے پوشش اور زینت کا جو سامان مہیا کیا ہے، اس کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا آدَمُ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوْآتِكَ وَرِيشًا﴾

(الاعراف: ۲۶/۷)

”اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو تمہاری ستر پوشی بھی کرتا ہے اور زینت بھی ہے۔“

لہذا ان دونوں باتوں ستر پوشی اور ترتیب میں بے اعتدالی اختیار کرنا اسلام کی شاہراہ سے انحراف کر کے شیطان کے راستہ پر جا پڑنا ہے۔ یہ نکتہ قرآن مجید کی ان دو (آیتوں) میں مضمر ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ شیطان کے نقش قدم کی پیروی میں عریانیت اور ترک زینت کا طریقہ اختیار نہ کرے:

﴿يٰۤاٰدَمُ خُذْ زِينَتَكَ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلْ وَاشْرَبْ وَلَا تُسْرِفْ ۚ﴾

(الاعراف: ۳۱/۷)

”اے بنی آدم! شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرم گاہیں اُن کے سامنے کھول دے۔“

اسلام نے مسلمان پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنے جسم کے پوشیدہ اعضاء کو جنہیں ایک مہذب انسان فطری طور پر کھولنے میں شرم محسوس کرتا ہے چھپائے اور نگے جانوروں سے ممتاز ہو جائے نیز اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ خلوت میں بھی ستر کو چھپائے رکھے تاکہ شرم و حیاء انسان کی عادت و خصلت بن جائے۔

بہن بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! عَوْرَاتُنَا مَأْنَأَتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ؟ فَقَالَ: احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ۔ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَإِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ؟ قَالَ: فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فَلَا يَرَيْنَهَا، فَقُلْتُ فَإِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا؟ قَالَ: فَاللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْ يَسْتَحْيِيَ عَنْهُ)) ❶

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اپنے ستر کا کس حد تک خیال رکھیں

❶ مسند احمد (۵/۳-۴) ابو داود کتاب الحمام: باب فی التعری: ح: ۴۰۱۷، ترمذی کتاب الادب: باب ماجاء فی حفظ العورة/ ح: ۲۷۶۹۔ ابن ماجہ کتاب النکاح: باب التستر عند الجماع ح: ۱۹۲۰۔

اور کس حد تک نہیں؟ فرمایا: ”اپنے ستر کی حفاظت کرو بجز اپنی بیوی اور لونڈی کے۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ (سفر وغیرہ میں) ہوں تو؟ فرمایا: ”جہاں تک ہو سکے ستر پوشی ضرور کرو۔“ میں نے کہا: جب ہم میں سے کوئی شخص تخیلہ میں ہو تو؟ فرمایا: ”اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آدمی اس سے شرمائے۔“

### نظافت اور جمال والا دین

اسلام نے زیبائش سے پہلے نظافت کا اہتمام کرنا ضروری قرار دیا ہے کیونکہ نظافت ہر قسم کی زیب و زینت کے لیے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((تَنْظِفُوا فَإِنَّ الْإِسْلَامَ نَظِيفٌ)) ❶

”نظافت اختیار کرو کہ اسلام نظافت والا دین ہے۔“

((النَّظَافَةُ تَدْعُو إِلَى الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ مَعَ صَاحِبِهِ فِي الْجَنَّةِ)) ❷

”نظافت ایمان کو داعی ہے اور ایمان اپنے ساتھی کو لے کر جنت میں جائے گا۔“

نبی ﷺ نے بدن لباس گھر اور راستوں کی صفائی کی ترغیب دی ہے اور خاص طور سے اپنے دانت ہاتھ اور سر وغیرہ کو صاف ستھرا رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

نظافت کی یہ اہمیت ایک ایسے دین میں تعجب خیز نہیں ہے جس نے طہارت کو نماز جیسی اولین عبادت کے لیے کلید کی حیثیت دی ہے چنانچہ ایک مسلمان کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا بدن کپڑے اور نماز کی جگہ صاف نہ ہو۔ یہ نظافت غسل اور وضو سے حاصل ہونے والی طہارت کے علاوہ ہے۔

❶ ابن حبان فی المجروحین (۵۷/۳) وابن الجوزی فی العلل المتناہیة (۲/۲۲۴) وفيه نعيم بن مروع قال ابن حبان " شيخ يروي عن الثقات العجائب لا يجوز الاحتجاج به بحال" وقال البخاري منكر الحديث نقل عنه العقيلي- طبرانی فی الاوسط (۷۳۰۷) كما فی المجمع (۱/۲۳۶) والترغيب (۱/۱۶۹) وقال وافقه علي ابن مسعود في الكبير باسناد حسن وهو الاشبه.

❷ و اخبار اصيهان (۱/۱۸۳) فيه ابراهيم بن حبان وقال ابن عدی احاديثه موضوعه.

اہل عرب دیہات اور صحرائی ماحول میں رہتے تھے جس کے زیر اثر اکثر لوگ صفائی اور زیبائش کے معاملہ میں بے اعتنائی برتتے تھے اس لیے نبی ﷺ اُن کے اندر نظافت کا احساس برابر پیدا کرتے رہے اور ان کی تربیت اس طرح کی کہ وہ ترقی کر کے متمدن قوم بن گئے۔ اور جس گھنیا اور اتر حالت میں تھے اس سے نکل گئے۔ اور ان کی حالت میں موزوں قسم کا جمال پیدا ہو گیا۔

نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ تھے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا کہ گویا آپ ﷺ اسے بال درست کرنے کا حکم دے رہے ہیں چنانچہ اس نے بال درست کر لیے اور پھر حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

((الَيْسَ هَذَا خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدُكُمْ تَأْيِرَ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ شَيْطَانٌ)) ❶

”یہ بہتر ہے یا تمہارا اس حال میں آنا کہ شیطان کی طرح بال پراگندہ ہوں؟“

اسی طرح ایک دفع آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال پراگندہ ہیں تو فرمایا:

((أَمَّا وَجَدَ هَذَا مَا يُسْكِنُ بِهِ شَعْرَهُ؟ وَرَأَى الْآخَرَ عَلَيْهِ ثِيَابٌ

وَسِخَّةٌ فَقَالَ أَمَا كَانَ هَذَا يَجِدُ مَا يَغْسِلُ بِهِ تَوْبَهُ؟)) ❷

”کیا اسے بالوں کو درست کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی؟“ آپ ﷺ نے

ایک اور شخص کو جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا، دیکھا تو فرمایا: ”کیا اسے اپنے

کپڑے دھونے کے لیے کچھ نہیں ملا؟“

ایک اور شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے جسم پر خراب (میلے کپیلے)

کپڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

❶ موطا امام مالک (۲/۹۴۹) کتاب الشعر: باب اصلاح الشعر اح' ۷ مرسلًا قال الشيخ

الالبانی: ضعيف بهذا اللفظ ..... ويغنى عنه الحديث الذي بعده (غاية المرام - ص ۶۲)

❷ ابو داود کتاب اللباس: باب فی الخلقان وفي غسل الثوب' ۴۰۶۲۔ نسائی: کتاب الزينة:

باب تسكين الشعر' ح: ۵۲۳۸۔

((أَلَيْكَ مَالٌ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ: مَنْ آيَ الْمَالِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِي اللَّهُ تَعَالَى قَالَ: فَإِذَا آتَاكَ اللَّهُ مَالًا فَلْيَرَأْ ثَرْنِيْعَمَةَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَكَرَامَتُهُ)) ❶

”کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: کس قسم کا مال ہے؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال عطاء فرمایا ہے۔ فرمایا: ”جب اللہ نے تمہیں مال سے نوازا ہے تو وہ تم پر اپنی نعمت اور فضل کا اثر بھی دیکھنا چاہتا ہے۔“ آپ ﷺ نے بالخصوص جمعہ و عیدین جیسے اجتماعات کے موقعوں پر نظافت و زیبائش کا اہتمام کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

((مَا عَلَى أَحَدِكُمْ أَنْ وَجَدَ سَعَةً أَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ ثَوْبِيْ مِهْنَتِهِ)) ❷

”اگر ممکن ہو تو کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے ایک جوڑا کپڑے مخصوص کر لینے میں کیا مضائقہ ہے۔“

سونا اور خالص ریشم ❸ مردوں پر حرام ہے

اسلام نے جہاں زینت کو جائز بلکہ مطلوب ٹھہرایا ہے اور خود اپنی طرف سے حرام کر لینے کی مذمت کی ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

❶ ابو داود، کتاب اللباس، باب فی الخلقان، ح: ۴۰۶۳۔ نسائی، کتاب الزینة، باب الجلاجل، ح: ۵۲۲۶۔

❷ صحیح سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب البس للجمعة، رقم الحديث: ۱۰۸۷، سنن ابن ماجہ، کتاب اکصلا، باب ماجاء فی الزینة یوم الجمعة، رقم الحديث: ۱۰۹۵، صحیح ابن خزيمة رقم الحديث: ۱۷۶۵، صحیح ابن حبان ۱۶۰۱۵، رقم الحديث: ۲۷۷۷، صحیح بشاہدہ۔

❸ مصنف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالص ریشم پہننا مردوں کے لیے حرام ہے جبکہ کسی چیز سے ملا ہوا ریشم پہننا جائز ہے حالانکہ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ اگر ریشم غالب ہو تو اس کا حکم خالص ریشم والا ہے کہ وہ مردوں کے لیے حرام ہے اور اگر ریشم کم ہو اور دوسری چیزیں اس پر غالب ہو تو جبہ و کمر کے نزدیک جائز ہے کیونکہ ریشم پر دوسری چیز غالب آ چکی ہے، دیکھیے: الاعلام بنقد کتاب الحلال والحرام للفرغان: ۲۸، ۲۶۔



﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

(الاعراف: ۳۲/۷)

”کہو! کس نے اللہ کی زینت کو حرام کر دیا جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو؟“

وہاں اس نے مردوں پر زینت کی دو چیزیں حرام کر دی ہیں جبکہ عورتوں کے لیے وہ دونوں حلال قرار دی ہیں۔ یعنی سونے کے زیورات اور خالص ریشم پہنتا۔ سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ریشم کو اپنے داہنے ہاتھ میں اور سونے کو اپنے بائیں ہاتھ میں رکھ کر فرمایا: ((إِنَّ هَذَيْنِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي وَفِي رَوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ «حِلٌّ لِّأَنثَاهُم»)) ❶

”یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔“ اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ”ان کی (امت کی) عورتوں کے لیے حلال ہیں۔“

اور سیدنا عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ فَإِنَّ مَنْ لَبَسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ)) ❷

”ریشم نہ پہنو کیونکہ جو شخص دنیا میں ریشم پہنتا ہے وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔“

اور ریشم کے ایک جوڑے کے بارے میں فرمایا:

❶ مسند احمد (۱/۱۱۵) ابوداؤد کتاب اللباس: باب فی الحریر للنساء، ح: ۴۰۵۷۔ نسائی: کتاب الزینة: باب تحریم الذهب علی الرجال، ح: ۵۱۴۸/۵۱۴۷ ابن ماجہ کتاب اللباس: باب لبس الحریر والذهب للنساء، ح: ۳۵۹۵۔

❷ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب لبس الحریر للرجال، رقم الحدیث: ۵۸۳۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی لبس الحریر، رقم الحدیث: ۴۰۴۰۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب کراهیة لبس الحریر، رقم الحدیث: ۳۵۸۸۔ مسند احمد بن حنبل، ۲۰/۱، رقم الحدیث: ۱۳۲۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة، رقم الحدیث: ۲۰۶۹۔

((أَتَمَّا هَذِهِ لِبَاسٌ مِّنْ لَا خَلَاقَ لَهُ.)) ❶

”یہ ان لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“

آپ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگلی دیکھی تو نکال کر پھینک دی اور

فرمایا:

((يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ.)) ❷

”تم چاہتے ہو کہ اپنے ہاتھ میں (آگ کا) انگارہ رکھ لو؟“

نبی ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی نے اس شخص سے کہا کہ انگلی اٹھا لو اور

اپنے کام میں لے آؤ۔ اس شخص نے کہا:

((لَا، وَاللَّهِ لَا أَخُذُهُ وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.)) ❸

”قسم اللہ کی! میں اسے نہیں اٹھاؤں گا جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو پھینک دیا

ہے۔“

سونے کی انگلی ہی کی طرح وہ چیزیں ہیں جن کو آج عیش پرست لوگ استعمال

کرتے ہیں مثلاً سونے کا قلم، سونے کی گھڑی، سونے کا سگریٹ لائٹر، سونے کی سگریٹ کی

ڈبیہ اور سونے کا سگریٹ ہولڈر وغیرہ۔

البتہ چاندی کی انگلی نبی ﷺ نے مردوں کے لیے جائز قرار دی ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَاتَمًا مِنْ وَرَقٍ وَكَانَ فِي يَدِهِ ثُمَّ كَانَ

بَعْدُ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِي يَدِ عُمَرَ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِي يَدِ

❶ بخاری، کتاب اللباس: باب لبس الحریر للرجال، ح: ۵۸۳۴۔ مسلم، کتاب اللباس: باب

تحريم لبس الحرير، ح: ۲۰۶۹/۱۱ واللفظ له۔

❷ بخاری، کتاب العیدین: باب فی العیدین والتجمل فیہ، ح: ۹۴۸۔ مسلم، کتاب اللباس: باب

تحريم لبس الحرير، ح: ۲۰۶۸/۸۔

❸ مسلم، کتاب اللباس: باب تحريم خاتم الذهب علی الرجال، ح: ۲۰۹۰۔

عُثْمَانُ حَتَّى وَفَعَ بَعْدُ فِي بَيْتِ أَرِيْسَ)) ❶

”رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی تھی جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی۔ آپ ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور اخیر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی یہاں تک کہ اریس نامی کنویں میں گر پڑی۔“

رہی دوسری دھاتوں کی انگوٹھی، مثلاً لوہے وغیرہ کی، تو اس کی حرمت کسی صحیح نص سے ثابت نہیں ہے، بلکہ صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے مہر کے بارے میں فرمایا:

((الْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ)) ❷

”کوئی چیز تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔“

اس سے امام بخاری نے لوہے کی انگوٹھی کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ ❸

❶ بخاری، کتاب اللباس: باب نقش الخاتم، ح: ۵۸۷۳، مسلم، کتاب اللباس: باب لبس النبی ﷺ خاتماً من ورق، ح: ۵۴/۲۰۹۱۔

❷ بخاری، کتاب اللباس: باب خاتم الحديد، ح: ۵۸۷۱، مسلم فی کتاب النکاح: باب الصداق، ح: ۱۴۲۵۔

❸ سنن میں سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لوہے کی انگوٹھی پہنے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: کیا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو نے دوزخیوں کا زیور پہن رکھا ہے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے چاندی کی انگوٹھی پہننے کا کہا۔ (ابو داؤد، کتاب الخاتم: ماجاء فی خاتم الحديد، ح: ۴۲۲۳، ترمذی، کتاب اللباس: باب ماجاء فی خاتم الحديد، ح: ۱۷۸۵، نسائی، کتاب الزينة: باب مقدار ما يجعل فی الخاتم من الفضة، ح: ۵۱۹۸) یہ حدیث حسن لہذا ہے اور اس سے لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت نکلتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا اس شخص سے کہنا کہ تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ اگر نبی ﷺ رشتم و دیباچ تلاش کرنے کا کہتے تو کیا ان کا پہننا بھی درست ہو جاتا؟ بلکہ اس سے کم سے کم قیمت والی حقیر چیز کا تلاش کرنا اور لانا مراد ہے۔ اور شعب الایمان میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ”نہی رسول اللہ ﷺ عن خاتم الذهب وعن خاتم الحديد“ (صحيح الجامع الصغير: ۶۹۵۵ والصحيحه: ۱۲۴۲ شعب الایمان: ۶۳۴۹) اس حدیث سے صراحۃً لوہے کی انگوٹھی کا پہننا ممنوع قرار پاتا ہے۔ واللہ اعلم! ﴿﴾

اور ریشم کا کپڑا پہننے کا جواز اس صورت میں ہے جبکہ اس کی واقعی ضرورت ہو چنانچہ نبی ﷺ

ﷺ نیز دیکھئے: فتح الباری تحت الحديث المذكور 'آداب الزفاف' (ص: ۱۳۳-۱۳۴) غایۃ المرام (ص: ۶۰) وغیرہا (نصیر احمد کاشف)

**تنبیہ:** مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے لوہے کی انگوٹھی پہننے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ اس کے آگے فرماتے ہیں: دیگر معدنیات مثلاً: لوہا، بتیل، سلور وغیرہ اس کو حرام قرار دینے میں کوئی بھی صحیح نص (علم) وار نہیں ہوئی، بلکہ صحیح بخاری میں وارد اس مذکورہ حدیث ہی کے ذریعہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لوہے کی انگوٹھی پہننے کی اجازت پر استدلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں:..... اس پر دو طرح مزید غور کرنے کی ضرورت ہے:

①..... یہ ہے کہ فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ استدلال کی تردید کی ہے۔ فرماتے ہیں: "اس میں لوہے کی انگوٹھی کی اجازت کی حجت نہیں۔ کیونکہ لوہے کی انگوٹھی بنانے کے جواز سے اس کے پہننے کا جواز لینا لازم نہیں آتا۔ اس میں احتمال ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کے حاصل کرنے کا آپ ﷺ نے اس لیے کہا ہو کہ اس کی قیمت سے بیوی فائدہ اٹھا سکے۔"

②..... یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت صحیح سند سے وارد ہے۔ امام بخاری نے الادب المفرد رقم نمبر ۱۰۲۱ میں روایت بیان کی ہے جو کہ امام احمد نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے باپ سے اور داؤد سے بیان کی ہے۔ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اس نے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے اعراض کیا، جب آدمی نے آپ کی ناپسندیدگی ملاحظہ کی تو انگوٹھی پھینک دی اور لوہے کی انگوٹھی بھائی اسے پہن کر نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: "یہ اس سے بھی بدتر ہے یہ تو دوزخ کے بایوں کا زیور ہے۔" پھر اس نے وہ بھی پھینک دی اور چاندی کی انگوٹھی پہن لی، پھر نبی ﷺ خاموش رہے۔ تنقید نہ فرمائی۔

میں کہتا ہوں: اس کی سند جید ہے۔ امام بخاری نے صحیح کے علاوہ دیگر مقامات پر اس قسم کی سند سے حجت لی ہے۔ امام احمد ابن راہویہ اور ترمذی وغیرہم نے اسے قابل حجت سمجھا ہے۔

اور اسی پر زیادہ تر فقہی احکام کا دارومدار ہے جیسا کہ اعلام الموقنین میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کیا ہے جبکہ اس حدیث کی دوسری سند میں اور تائیدی احادیث بھی ہیں جنہیں میں نے (آداب الزفاف رقم ۱۳۵) میں ذکر کیا ہے۔ پس یہ حدیث بالکل صحیح ہے اسی کی روشنی میں ائمہ فقہاء کی ایک جماعت نے عمل اپنایا ہے۔

الحنفی بن منصور مروزی۔ اپنی کتاب "مسائل" میں امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ سے بیان کرتے ہیں، سونے یا لوہے کی انگوٹھی پہننا ناجائز ہے (صفحہ نمبر ۲۳۳) اور کہتے ہیں: اللہ کی قسم! جیسا فتویٰ امام احمد نے دیا ہے اسی طرح امام اسحاق نے بھی دیا ہے اور اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن وہب نے "جامع" کے صفحہ نمبر ۱۰۱-۱۱۰ میں بیان کیا ہے اور ابن سعد نے طبقات الکبریٰ صفحہ نمبر ۱۱۳ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اور اسی طرح عبد الرزاق اور بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح الجامع الکبیر میں سیوطی نے بیان کیا ہے۔ (۱/۱۹۱ ج) (ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ)

نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو خارش کی وجہ سے ریشم کے کپڑے پہننے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔<sup>①</sup>

مردوں پر ریشم حرام کرنے کی مصلحت

ریشم اور سونا مردوں پر جن مصالح کی بنا پر حرام کر دیا گیا ہے وہ نہایت اہم تربیتی اور اخلاقی مصالح ہیں۔ اسلام جو جہاد اور قوت کا دین ہے ان مظاہر کے مقابلہ میں جو کردار میں کمزوری، ذہیلا پن اور گراوٹ پیدا کرتے ہیں۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت سے مختلف جسمانی ساخت عطا کی ہے اس لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ وہ حسین عورتوں کا مقابلہ کرنے لگے اور زیورات سے آراستہ ہونے اور خوبصورت پوشاک زیب تن کرنے میں ان کی ہمسری کرنے لگے۔

علاوہ ازیں اس حرمت کے پیچھے اجتماعی مصلحتیں بھی کار فرما ہیں۔ اسلام نے تعیش کے خلاف جنگ کا جو پروگرام بنایا اس کا ایک جزء سونے اور ریشم کی حرمت بھی ہے۔ قرآن کی نظر میں عیش پرستی وہ اخلاقی گراوٹ ہے جس نے کتنی ہی قوموں کو تباہی کے گھاٹ اتارا۔ یہ عیش پرستی اجتماعی ظلم کا مظہر ہے، کیونکہ ایک قلیل التعداد طبقہ کثیر التعداد اور مفلوک الحال طبقہ کے بل پر مزے اڑاتا ہے۔ یہ طبقہ ہمیشہ حق، خیر اور اصلاح کا مخالف رہا ہے۔

قرآن کہتا ہے:

﴿وَإِذَا آدَدُنَا أَنْ تُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾ (الاسراء: ۱۶/۱۷)

”اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے خوشحال لوگوں کو حکم

دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں تب عذاب کا فیصلہ اس

بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اُسے بالکل تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔“

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ

① بخاری، کتاب الجہاد: باب الحریر فی الحرب، ح/ ۲۹۱۹، ۲۹۲۰، مسلم، کتاب اللباس: باب

إباحة لبس الحریر للرجل، ح: ۲۰۷۶۔

﴿كَيْفَرُونَ﴾ (السياء: ۳۴/۳۴)

”ہم نے جس بستی میں بھی کوئی خبردار کرنے والا بھیجا تو اس بستی کے عیش پرست لوگوں نے یہی کہا کہ تم جو پیغام لے کر آئے ہو اُس سے ہم انکاری ہیں۔“

قرآن کی اس اسپرٹ کے پیش نظر نبی ﷺ نے مسلمان کی زندگی میں تعیش کے جملہ مظاہر کو حرام قرار دیا۔ جس طرح سونا اور ریشم مردوں کے لیے حرام کیا اسی طرح سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے حرام ٹھہرایا۔<sup>①</sup>

ان تمام مصالح کے علاوہ اقتصادی لحاظ سے بھی اس میں کافی وزن ہے کیونکہ سونا نقدی کے لیے بین الاقوامی طور پر محفوظ سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اس کا استعمال مرد کے زیور یا برتن جیسی چیزوں کے لیے ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

عورتوں کے لیے مباح ہونے کی مصلحت

اس حکم سے عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ یہ استثناء عورت کے حق میں رعایت بھی ہے اور نسوانیت کا تقاضا بھی نیز یہ ان کی زینت پسند فطرت کے عین مطابق بھی ہے بشرطیکہ اس سے مقصود غیر مردوں کو راغب کرنا اور شہوانی جذبات کو برا بیچختہ کرنا نہ ہو۔ حدیث میں ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلَى قَوْمٍ لِيَجِدُوا رِيحَهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ وَكُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ.))<sup>②</sup>

”جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ اس کی مہک ان تک پہنچے پس وہ زانیہ ہے اور ہر نظر بد زانیہ ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

① بخاری: کتاب الاشربة: باب اُنیۃ الفضة: ح: ۵۶۳۳۔ مسلم: کتاب اللباس: باب تحريم استعمال اناء الذهب والفضة: ح: ۲۰۶۷۔

② ابو داؤد: کتاب الترجل: باب فی طیب المرأة للخروج: ح: ۴۱۷۳۔ ترمذی: کتاب الادب: باب ماجاء فی کراهیۃ خروج المرأة متعطرة: ح: ۲۷۸۶۔ نسائی: کتاب الزینة: باب ما یکره للنساء من الطیب: ح: ۵۱۲۹۔ صحیح ابن حبان (الاحسان ۴۴۰۷) واللفظ له۔

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ يَاجُجِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ (النور: ۲۴/۳۱)

”وہ اپنے پاؤں زور سے مارتی ہوئی نہ چلیں تاکہ انہوں نے اپنی جس زینت کو چھپا رکھا ہے وہ معلوم ہو جائے۔“

### مسلمان خاتون کا لباس

اسلام نے عورت کے لیے ایسے کپڑے پہننا حرام کر دیا ہے جن کے اندر سے بدن نظر آئے یا جھلکے۔ اسی طرح وہ کپڑا بھی حرام ہے جس سے بدن کے خدو خال اور خاص طور سے وہ اعضا نمایاں ہوں جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو سکتا ہے مثلاً چھاتی، کمر، سرین وغیرہ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صِنْفَانِ مِنَ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سَبَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجِدُنَّ مَسِيرَةَ كَذَا وَكَذَا)) ❶

”دو گروہ دوزخی ہیں جنہیں میں نے دیکھا نہیں ہے۔ ایک وہ جن کے ساتھ گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے جن کو وہ لوگوں پر برسائیں گے (یعنی ظالم حکمران)۔ اور دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی برہنہ رہیں گی۔ وہ اپنی طرف مردوں کو مائل کریں گی اور خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی۔ ان کے سر اوٹ کے جھلکتے ہوئے کوہان کی طرح ہوں گے۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پا سکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو دور دور تک پھیلی ہوئی ہوگی۔“

وہ کاسیات (یعنی کپڑے پہنے ہوئے) ہوں گی۔ اس کے باوجود عاریات (یعنی برہنہ) ہوں گی کیونکہ انکے کپڑے اس قدر باریک اور شفاف ہوں گے کہ بدن اندر سے ظاہر ہو رہا ہوگا اور وہ ستر پوشی کا کام نہیں دے سکیں گے۔ موجودہ زمانہ کی عورتیں زیادہ تر ایسا ہی لباس پہنتی ہیں۔

❶ مسلم، کتاب اللباس: باب النساء الكاسيات العاريات، ح: ۲۱۲۸۔

اور ان کے سر کو اوٹ کے کوہان سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ وہ اپنے بالوں کا جوڑا سر کے درمیانی حصہ میں اونچا کر کے باندھیں گی۔ جس میں عورتوں کے بال سنوارنے اور ان کو فیشن ایبل (Fashionable) بنانے کے لیے خاص مراکز قائم ہو گئے ہیں۔ ان مراکز کو ”بیوٹی پارلر“ کہا جاتا ہے اور ان کی نگرانی زیادہ تر مرد کرتے ہیں اور اپنی اس خدمت کی خوب خوب اجرت طلب کرتے ہیں۔ اس پر بس نہیں بلکہ عورتوں کا عام طور سے جمال یہ ہوتا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قدرتی بالوں کو نا کافی خیال کرتے ہوئے مصنوعی بال خرید کر اپنے بالوں میں لگا لیتی ہیں۔

ایک طرف مرد ہیں جو ملائمت و نزاکت اور حسن و جمال میں عورتوں سے بڑھ جانے کے خواہشمند ہیں اور دوسری طرف عورتیں ہیں جو زیادہ سے زیادہ پُرکشش بن کر مردوں کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتی ہیں۔

مذکورہ حدیث میں ایک عجیب نکتہ یہ ہے کہ سیاسی استبداد اور اخلاقی گراؤٹ کے درمیان ایک قسم کا ربط ہے جس کی تصدیق حالات حاضرہ نے کردی ہے۔ استبداد کرنے والے ہمیشہ قوم کو شہوت انگیز کاموں میں مصروف رکھ کر اور لوگوں کو ذاتی دلچسپی کے کاموں میں الجھا کر ان کی توجہ اہم مسائل کی طرف سے ہٹاتے رہتے ہیں۔

عورت اور مرد کا ایک دوسرے کی مشابہت کرنا

نبی ﷺ نے واضح طور سے بیان فرمایا ہے کہ عورت کے لیے مرد کا لباس پہننا اور مرد کے لیے عورت کا لباس پہننا ممنوع ہے۔<sup>①</sup>

نیز آپ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔<sup>②</sup>

مشابہت کے مفہوم میں بات چیت، حرکت، چال اور لباس رویہ شامل ہیں۔

① مسند احمد (۲/۳۲۵) ابوداؤد، کتاب اللباس: باب لبسة النساء، ح: ۴۰۹۸۔ مستدرک حاکم (۴/۱۹۴)۔

② صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهین بالنساء والمتشبهات بالرجال، ص: ۴۰



انسانی زندگی میں شر کے پیدا ہونے اور معاشرہ کے بگاڑ میں مبتلا ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت سے انحراف اور طبعی امور کے خلاف رویہ اختیار کرتا ہے۔ مرد ایک مخصوص مزاج کا حامل ہوتا ہے اور عورت بھی ایک مخصوص مزاج کی حامل ہوتی ہے۔ یعنی ہر ایک کی خصوصیات الگ الگ ہیں۔ لیکن جب مرد و عورت بننے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور عورت، مرد بن جانے کی خواہش تو اس کا نتیجہ بگاڑ اور اخلاقی گراؤ کی شکل میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔

نبی ﷺ نے ایسے شخص کو ملعون قرار دیا ہے جس نے اپنے کو مؤنث بنا لیا اور عورتوں کی مشابہت کرنے لگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مرد بنایا تھا۔ اور اس عورت کو بھی جسے اللہ نے مؤنث بنایا تھا لیکن وہ مذکر بن کر مردوں کی مشابہت کرنے لگی۔ ❶

اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے مردوں کو زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((نَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ التَّخْتُمِ بِالذَّهَبِ وَعَنْ لِبَاسِ الْقَيْسِيِّ..... وَعَنْ لِبَاسِ الْمُعَصْفَرِ.)) ❷

”رسول اللہ ﷺ نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے اور قیسی (ایک قسم کا ریشم) کا لباس پہننے..... اور زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔“

❶ رقم الحديث: ٥٨٨٥، مجمع الزوائد للهيثمی، ١٠٢/٧، رقم الحديث: ١٣١٧٩،  
المجمع الكبير للطبرانی، ٢٠١/١١، رقم الحديث: ١١٦٤٦، مسند احمد بن حنبل، ٢٠٠/٢،  
رقم الحديث: ٦٨٧٥، سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء رقم الحديث:  
٤٠٩٧، جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی المتشبهات بالرجال من النساء، رقم  
الحديث: ٢٧٨٤.

❷ طبرانی فی الكبير (٢٤١/٨) واسناده ضعيف قال الهيثمی فی المجمع (١٠٣/٨) فيه علی بن یزید الالہانی وهو متروک۔

❸ مسلم کتاب اللباس: باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر، ح: ٢٠٧٨/٣١.

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى ثَوْبَيْنِ مُعْصَفَرَيْنِ فَقَالَ: إِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسُهَا.)) ❶

رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم پر زرد رنگ کے دو کپڑے دیکھے تو فرمایا: ”یہ کفار کا لباس ہے اسے نہ پہنو۔“

شہرت اور تکبر کا لباس

پاکیزہ چیزوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے خواہ وہ کھانے پینے کی ہوں یا پہننے کی عام شرط یہ ہے کہ اس معاملہ میں اسراف اور تکبر نہ کیا جائے۔ اسراف یہ ہے کہ حلال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حد سے تجاوز کیا جائے۔ اور تکبر کا تعلق ظاہر کی بہ نسبت دل اور نیت سے زیادہ ہے۔ اور تکبر (اختیال) یہ ہے کہ آدمی اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھتے ہوئے غرور میں مبتلا ہو جائے اور لوگوں کے مقابلہ میں فخر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كِبْرًا مُّخْتَالٍ فَخُورًا﴾ (الحديد: ۲۳/۵۷)

”اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں ہیں جو اترانے والے اور فخر کرنے والے ہوں۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلًا لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ❷

”جو اپنے کپڑے تکبر سے گھسیٹے ہوئے چلے گا تو اللہ قیامت کے دن اُس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔“

چونکہ مسلمان کو ایسی چیز سے جس میں تکبر کا اندیشہ ہو اجتناب کرنا چاہیے اس لیے نبی ﷺ نے شہرت کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے جن سے فخر، ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش اور مقابلہ کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

❶ مسلم، کتاب اللباس: باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر، ح: ۲۰۷۷.

❷ بخاری، کتاب اللباس: باب قول الله تعالى (قل من حرم زينة الله...) ح: ۵۷۸۳.

۵۸۷۴۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحريم جر الثوب خيلاء، ح: ۲۰۸۵.

((مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شَهْرَةِ أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ❶

”جو شخص شہرت کا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔“

ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ میں کس قسم کے کپڑے پہنوں؟ آپ نے کہا: ”جس کے پہننے سے نادان لوگ تمہیں بے وقعت خیال نہ کریں (یعنی گھٹیا قسم کے اور بدنما نہ ہوں) اور اہل دانش اس میں عیب نہ نکالیں (یعنی حد اعتدال سے متجاوز نہ ہوں)۔“ ❷

زینت میں غلو کے لیے خلق اللہ میں تغیر:

زینت میں ایسا غلو کہ اللہ کی پیدا کردہ ساخت میں تغیر واقع ہو، اسلام کے نزدیک مردود ہے۔ قرآن نے اسے ”شیطان کی وحی“ سے تعبیر کیا ہے اور قرآن نے شیطان کا یہ قول اس کے پیروؤں کے بارے میں نقل کیا ہے:

﴿وَلَا مَرْتَهُمْ فَلْيَغَيِّرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ﴾ (النساء: ۱۱۹)

”اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں ردو بدل کریں گے۔“

گودنا، دانتوں کو نوکدار بنانا اور خوبصورتی کے لیے آپریشن کرانا

منجملہ ان ممنوعات کے بدن کا گودنا اور دانتوں کو نوکدار بنانا بھی ہے۔

((لَعَنَ الرَّسُولُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْوَاشِرَةَ وَالْمُسْتَوْشِرَةَ)) ❸

❶ مسند احمد (۲/۹۳، ۱۳۹) ابو داؤد، کتاب اللباس: باب فی لبس الشهرة، ح ۴۰۲۹، ۴۰۳۰  
ابن ماجہ، کتاب اللباس: باب من لبس شهرة من الثياب، ح: ۳۶۰۶، ۳۶۰۷.

❷ مجمع الزوائد (۵/۱۳۵) وقال الهیثمی: رواه الطبرانی (۱۲/ ۲۰۳ - ح ۱۳۰۵۱) ورحالہ رجال الصحیح.

❸ بخاری، کتاب اللباس: باب الموصولة، ح/ ۵۹۴۰، ۵۹۲۲۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلة المستوصلة، ح: ۲۱۲۴۔ لکن لبس فیہ ”الواشرة والمستوشرة“ وفي مسند ۵۵۵

”رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے: گودنے والی پر گودوانے والی پر دانتوں

کو نوکدار بنانے والی پر اور اُس پر جو دانتوں کو نوکدار بنوالے۔“

گودنے کے لیے نیلا رنگ استعمال کیا جاتا ہے اور بدنما نقوش بنائے جاتے ہیں جس سے چہرے اور ہاتھوں میں مضحکہ خیز بد صورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس معاملہ میں بعض عربوں نے اور خاص طور سے عورتوں نے تو حد کر دی ہے کہ اپنے پورے جسم پر نقوش بنا لیتے ہیں اور بعض اہل مذاہب تو اپنے دیوتاؤں اور مذہبی شعائر کی تصویریں بنا لیتے ہیں چنانچہ نصاریٰ اپنے ہاتھ اور سینہ پر صلیب کی تصویر بناتے ہیں۔

ان مفاسد کے علاوہ ایک بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ بدن میں سوئی چھونے سے انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے یہ کام کرنا، کرانا موجب لعنت ہونے کے ساتھ ساتھ باعثِ اذیت بھی ہے۔

رہا ”وشر“ یعنی دانتوں کو نوک دار اور کوتاہ بنانا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کام کو انجام دینے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے اور اس عورت پر بھی جو کسی سے یہ خدمت لے۔ اگر کوئی مرد یہ خدمت انجام دے تو وہ لعنت کا بدرجہ اولیٰ مستحق ہے۔

نبی ﷺ نے جس طرح اس بات کو حرام کر دیا کہ دانتوں کو نوکدار بنایا جائے، اسی طرح اس بات کو بھی حرام ٹھہرایا کہ دانتوں کے درمیان درزیں بنائی جائیں۔

((وَلَعَنَ الْمُتَقَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيَّرَاتِ خَلَقَ اللَّهُ)) ❶

”آپ ﷺ نے خوب صورتی (فیشن) کے لیے دانتوں میں درزیں بنانے والیوں پر جو درحقیقت اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں ردو بدل کرتی ہیں لعنت فرمائی ہے۔“

❷ عمر بن عبد العزیز لابن الباغندی (۲۶) فی حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ ..... والواشرة والمتوشرة۔ و اسنادہ ضعیف و اخرجه احمد من حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ و فیہ ”نہی عن التامصة والواشرة.....“ (۴۱۵/۱)

❸ بخاری کتاب اللباس: باب الموصولة ح: ۵۹۴۳ خ ۵۹۴۸۔ مسلم کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة ح: ۲۱۲۵۔

درزیں بنانے سے مقصود دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا ہے۔ بعض عورتوں کے دانتوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے اور بعض کے نہیں۔ تو جن کے دانتوں کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا وہ مصنوعی طور پر درزیں بنالیتی ہیں۔ یہ جعل سازی اور آرائش (فیشن) میں غلو ہے جس سے اسلام کا مزاج انکاری ہے۔

مذکورہ بالا حدیثوں کے ذریعہ جو صحیح ہیں، ہم خوبصورتی پیدا کرنے کی غرض سے کیے جانے والے آپریشنوں کا حکم بھی معلوم کر سکتے ہیں جسے جسم و شہوت کی پرستار تہذیب نے رائج کیا ہے، یعنی دور حاضر کی مادہ پرستانہ مغربی تہذیب نے۔ چنانچہ اپنی ناک یا پستان وغیرہ کی شکل درست کرانے پر مرد ہو یا عورت ہزاروں روپے خرچ کر ڈالتے ہیں۔ یہ سب کام موجب لعنت ہیں، کیونکہ یہ تکلیف دہ بھی ہیں اور اللہ عزوجل کی بنائی ہوئی ساخت میں بلا ضرورت رد و بدل کے مترادف بھی۔ پھر یہ تہذیبی عارضی ہوتی ہے حقیقی نہیں اور یہ رد و بدل جسم میں ہوتا ہے رُوح میں نہیں۔

”البتہ اگر کسی شخص کے جسم میں کوئی ایسا عیب موجود ہو جو ایک زائد چیز کی حیثیت رکھتا ہو اور اس سے تکلیف محسوس ہوتی ہو یا اس سے ذہنی کوفت ہوتی ہو تو اس کا علاج کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ مقصود اس حرج کو دور کرنا ہو جس میں وہ مبتلا ہے اور جس سے عرصہ حیات اس پر تنگ ہو رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دین میں کوئی مشقت حرج نہیں رکھا۔“

(المرأة بین البیت والمجتمع، ص ۱۰۵)

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حدیث ”لَعَنَ الْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ“ (خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے دانتوں میں درزیں بنانے والیوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے) کے الفاظ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کام اس صورت میں مذموم ہے جب یہ جھوٹی خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے کیا جائے، لیکن اگر کسی تکلیف یا ضرر کو دور کرنے کی غرض سے واقعی اس کی ضرورت ہو، تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔

بھویں باریک کرنا:

غلو آمیز زینت کی ایک شکل جسے اسلام نے حرام کیا ہے، نمص (بال نوچنا) ہے۔ نمص سے مراد بھوؤں کے بال نکال ڈالنا ہے تاکہ ان کو صاف یا ہموار کیا جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے:

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ النَّامِصَةَ وَالْمُتَمَصِّصَةَ)) ❶

”رسول اللہ ﷺ نے بال نوچنے والی پر اور اُس عورت پر جو کسی سے یہ خدمت لے، لعنت فرمائی ہے۔“

بال نوچنے کی حرمت اس صورت میں اور شدید ہو جاتی ہے جبکہ یہ بدکار عورتوں کا شعار ہو۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چہرے کے بال صاف کرنا، سرخی لگانا، نقش و نگار بنانا اور ناخنوں کو پالش لگانا، جائز ہے بشرطیکہ شوہر کی اجازت سے یہ کام کیے جائیں کیونکہ یہ چیزیں بھی زینت میں شامل ہیں۔ لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے چہرے کے بال صاف کرنے کی شدید مخالفت کی ہے اور اس کا شمار نمص ❷ میں کیا ہے، جو حرام ہے۔ ❸

❶ ابوداؤد کتاب الترجل: باب فی صلة الشعر ج: ۱۷۰ بلفظ ”لعنت ..... النامصة“۔ و

حدیث بن مسعود رضی اللہ عنہ السابق شاہدہ۔ (شرح صحیح مسلم ۱۴-۱۰۶)

❷ تنبیہ: سنن میں وارد امام ابوداؤد کے اس قول سے مصنف رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ نامصہ (چہرے کے بال اکھاڑنے والی) وہ عورت ہے جو اپنے ابرؤں کی تراش خراش کرتی ہے حتیٰ کہ انہیں باریک کر دیتی ہے۔ اس کی زد میں داڑھی کے پراگندہ بال داخل نہیں اور نہ ہی چہرہ کے بال دور کرنا شامل ہے۔ میں کہتا ہوں: ..... مجھے اس میں چند باتوں پر اعتراض ہے۔

❸ ..... یہ موقف اس کے خلاف ہے جس پر مطلق احادیث دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے جسے میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ (جو کہ نامصہ اور متمصہ والی ہے) یہ حدیث جسم کی ہر اس جگہ کو مشتمل ہے جس سے بھی بال اکھاڑے جائیں۔ اور اس قسم کے اثر (قول) کے ساتھ اس کی تخصیص کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اثر پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتا۔

❹ ..... دوسری بات یہ ہے کہ یہ تفسیر لغت عرب کے بھی خلاف ہے، قاموس میں ہے نمص کا معنی بال اکھاڑنا ہے اور جو نامصہ کو لعنت کی گئی ہے، نامصہ وہ عورت ہے جو بال اکھاڑ کر عورتوں کو آراستہ کرتی ہے، متمصہ وہ عورت ہے جو بال اکھاڑ کر آراستہ ہوتی ہے۔

⇐⇐

البتہ ابو داود نے ”سنن“ میں نامصہ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بھوؤں میں نقش و نگار بنا کر اسے باریک کر دیتی ہے۔ اس سے امام نووی کی رائے کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ نمص کے مفہوم میں چہرہ کے بال صاف کرنا شامل نہیں ہے۔ طبری کی

تیسری بات یہ ہے کہ ابو داود کا مذکورہ قول عام رواج کے تحت بیان ہوا ہے اس میں نمص (بال اکھاڑنا) صرف ابرؤں کو بنانے تک ہی محدود نہیں۔ اپنی کتاب سنن میں ابو داود کی مکمل گفتگو ہماری اس توجیہ پر دلالت کرتی ہے جو مصنف نے اس سے نقل کیا ہے۔ وہ بیان کرتے کہ بعض کہتے ہیں۔ واشئہ (گودنا کرنے والی) وہ عورت ہے جو اپنے چہرے میں سرمہ یا کیمیکل کے ذریعہ تل بناتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے جب وہ یہ تل اپنے ہاتھ میں بنائے گی تو گودنا بنانے والی شمار نہ ہوگی؟ کیوں نہیں، ضرور شمار ہوگی؟ اس کی تائید حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمائی ہے۔ ابو داود کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”گودنا بنانے میں چہرے کا ذکر غلبہ کے طور پر کیا گیا ہے حالانکہ یہ گودنے کا تل زیادہ تر ہونٹ پر بناتی ہیں۔ (۱۰/۳۱۳ ج ۱۰)

اس کے بعد والے باب سے سیدنا نافع رحمہ اللہ کا بیان آئے گا کہ گودنا زیادہ تر مسوڑے میں بناتی ہیں چہرے پر گودنا جانے کی قید نہیں، یہ کبھی جسم کے دیگر اعضاء پر بنتا ہے مثلاً ہاتھ وغیرہ پر بھی بنا لیتے ہیں۔

اس وضاحت کے بعد نامصہ (بال اکھاڑنے والی) کے بارے میں ابو داود کے گزشتہ قول اور ابن اثیر کے نہایہ میں آنے والے قول کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، نامصہ وہ جو اپنے چہرے کے بال اکھاڑتی ہے۔ اس میں حصرو قید نہیں بلکہ اس میں ابرو کے بال اور چہرے کے بال اکھاڑنا مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری میں اس بات کو ضعیف قرار دیا ہے جس میں نمص سے مراد صرف ابرو کے بال اکھاڑنا، لیے گئے ہیں۔ جو نہایہ کے حوالہ سے میں نے ذکر کیا ہے اسے ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ایک قول یہ ہے کہ نمص (بال اکھاڑنا) صرف ابرؤں کے بالوں کو زائل کرنے کے ساتھ خاص ہے انہیں اوپر کو اٹھائیں یا برابر کریں۔“ (۱۰/۳۱۷) پھر آگے ابو داود والا قول نقل کیا جس میں اسے (النمص) کو ابرو کے بال برابر کرنے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔

اگر حافظ صاحب مرحوم ابو داود کے اس قول کے بارے میں یہ کہتے کہ ابرو کے بال اکھاڑنے کا ذکر بطور قید نہیں، جس طرح چہرے کے بارے میں کہا ہے تو یہ زیادہ بہتر تھا کیونکہ علمائے کرام کی گفتگو کو صحیح معنی پر قیاس کرنا ہی بہتر ہے غلط معنی پر قیاس کر کے ان کو خطا کار قرار دینے پر مجبور ہونے سے یہی بہتر ہے کہ معنی ہی صحیح مراد لیا جائے۔ مختصر بات یہ ہے کہ مصنف نے جو امام نووی سے چہرے کے بال اور داڑھی کے بال کٹوانے ناجائز ہونے کا جو حکم بیان کیا ہے اگرچہ بعض حنبلی اس سے اختلاف رکھتے ہیں بہر صورت علمی تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہونا ہی صحیح ہے۔ واللہ الموفق۔ (ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

روایت ہے کہ ابواسحاق کی بیوی جو نو جوان تھی اور خوبصورتی کی شائق تھی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا، عورت اپنے شوہر کے لیے اپنے زخار کے بال صاف کر سکتی ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”اذا یت کو ممکن حد تک دُور کرو۔“ ❶

### بال جوڑنا

عورت کا دوسرے بالوں کو جوڑ کر زینت کرنا بھی حرام ہے، خواہ بال اصلی ہوں یا نقلی (مصنوعی) یعنی جسے آج کل ”وگ“ کہا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ اسماء رضی اللہ عنہا ابن مسعود ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

((إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ)) ❷

”رسول اللہ ﷺ نے بال جوڑنے والی اور بالوں کو جوڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔“

اس حرمت کا اطلاق اُن مردوں پر بدرجہ اولیٰ ہوتا ہے جو یہ کام انجام دیں خواہ وہ دوسروں کے سر میں بال لگانے کی خدمت انجام دیں جنہیں آج کل ”بیوٹی پارلر“ کہا جاتا ہے یا اپنے سر میں دوسرے بال لگوائیں، جیسے نو جوان زنخے (بیجڑے)۔

نبی ﷺ نے اس قسم کی جملا سازی کی سخت مخالفت کی ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کسی ایسی عورت کو بھی دوسرے بال لگوانے کی اجازت نہیں دی جس کے بال بیماری کی وجہ سے گر گئے ہوں، خواہ وہ پہلی شب کی دہن کیوں نہ ہو۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انصار کی ایک لڑکی کی شادی اس حال میں ہوئی کہ بیماری کی وجہ سے اس کے بال گر چکے تھے۔ لوگوں نے چاہا کہ (مصنوعی طور پر) دوسرے بال لگائیں، لیکن جب نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

❶ فتح الباری (۱۰/۳۱۷)۔

❷ بخاری، کتاب اللباس: باب وصل الشعر، ح ۵۹۳۳۔ الی۔ ۵۹۳۹ وخرجه ایضاً مسلم فی کتاب اللباس: باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة، ح: ۲۱۲۲۔ الی۔ ۲۱۲۵۔ الا حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ لان البخاری انفرده۔



((لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ)) ❶

”اللہ نے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔“

سعید بن المسیب کہتے ہیں:

((قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِينَةَ اخِرَ قَدَمَةٍ قَدِمَهَا فَخَطَبَنَا فَأَخْرَجَ كُبَّةً مِنْ شَعْرٍ قَالَ مَا كُنْتُ أَرَى أَحَدًا يَفْعَلُ هَذَا غَيْرَ الْيَهُودِ . إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمَّاهُ الزُّورَ يَعْنِي الْوَاصِلَةَ فِي الشَّعْرِ)) ❷

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے اور مدینہ میں ان کی یہ تشریف آوری آخری مرتبہ تھی۔ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور دوران خطبہ بالوں کا گچھا نکال کر فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ یہودیوں کے علاوہ اور کوئی یہ فیشن کرتا ہوگا۔ نبی ﷺ نے اسے زور (جھوٹ، فریب) سے تعبیر فرمایا ہے یعنی بال جوڑنے کا فیشن۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ سے کہا:

((أَيْنَ عُلَمَاءُكُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هَذِهِ وَيَقُولُ: إِنَّمَا هَلَكْتُ بَنُو إِسْرَائِيلَ حِينَ اتَّخَذَ هَذِهِ نِسَاءً هُمْ)) ❸

”تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کی چیزوں سے روکتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے جب اس (فیشن) کو اختیار کیا تو وہ ہلاک ہو گئے۔“ ❹

❶ بخاری، کتاب اللباس: باب وصل الشعر، ح: ۵۹۳۴۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلة، ح: ۲۱۲۳۔

❷ بخاری، کتاب اللباس: باب وصل الشعر، ح: ۵۹۳۸۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلة، ح: ۲۱۲۷۔

❸ بخاری، حوالہ سابق، ح: ۵۹۳۳، مسلم، حوالہ سابق۔

❹ میں کہتا ہوں: ..... یہ روایت اس بارے میں صریح ہے کہ بالوں میں کپڑا وغیرہ ملانا منع ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے جو موقف اختیار کیا ہے یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ شاید انہیں اس کا پتہ نہ تھا۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث آتی ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے جسے میں دو احادیث کے بعد ذکر کروں گا۔ ان شاء اللہ!

تنبیہ: ..... امام سیوطی رحمہ اللہ نے جامع میں یہ حدیث کہ ”نبی ﷺ نے جھوٹ سے منع کیا ہے“ تہانسی کی ہے

رسول اللہ ﷺ نے اس عمل (فیشن) کو زور (جھوٹ) سے تعبیر فرمایا ہے جس سے تحریم کی اہمیت و مصنحت واضح ہوتی ہے۔ یہ ایک قسم کا فریب، جعل سازی اور تصنع ہے۔ اسلام فریب کاری کو سخت ناپسند کرتا ہے اور تمام معاملات کو خواہ وہ مادی ہوں یا معنوی، کھوٹ سے پاک دیکھنا چاہتا ہے چنانچہ فرمایا: ((مَنْ عَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا)) ❶ ”جس نے ہمارے ساتھ فریب دہی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ امام خطابی کہتے ہیں:

”ان چیزوں کے بارے میں سخت وعید اس لیے وارد ہوئی ہے کہ ان میں کھوٹ

❶ جانب نسبت کی ہے کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اس میں جو کوتاہی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ حدیث جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں (صفحہ نمبر ۸۹) یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے مسلم اور ان کے علاوہ سنن اور مسانید کتابوں والوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بیان کیا ہے۔ یہ ارداء صفحہ نمبر ۱۳۱۹ میں بیان کی گئی ہے۔ یہ حدیث رقم ۳۳۰ میں اپنے سبب کے ساتھ ذکر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ!

(حدیث نمبر ۱۰۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو تبدیل کرنے والیاں ہیں صفحہ ۹۰ (۸۹) یہ صحیح ہے۔ یہ جو پہلے میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث بیان کی ہے اس کے آخر میں آپکی ہے۔ (۹۳) (حدیث نمبر ۱۰۳) سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ موباف لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں اسے ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (صفحہ ۹۰-۸۹) مگر یہ ضعیف ہے۔ اسے ابوداؤد نے شریک کی سند سے پھر سالم سے پھر سعید بن جبیر سے بیان کیا ہے۔ (رقم نمبر ۴۱) میں کہتا ہوں:۔۔۔ یہ شریک بن عبد اللہ قاضی فحی ہے۔ ذہبی نے اسے ضعیف میں ذکر کیا ہے۔ اور قطان نے کہا ہے کہ یہ خلط ملط ہو گیا تھا اور ابوحاتم کہتے ہیں یہ بہت غلطیاں کرتا ہے جب سے یہ کوفہ میں قاضی مقرر ہوا تو اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

میں کہتا ہوں:۔۔۔۔۔ یہ سند ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ پہلے مذکورہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بھی خلاف ہے (رقم نمبر ۱۰۰) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعض صحیح روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی ایک لائچی لے کر آیا، اس کے سرے پر اس نے کپڑا باندھ رکھا تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”خبردار یہ جھوٹ میں شامل ہے۔“ سیدنا قتادہ فرماتے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ زیادہ تر عورتیں اپنے بال ان کپڑے کے ٹکڑوں سے بڑھاتی ہیں۔ اسے مسلم اور احمد نے بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں:۔۔۔ یہ اثر سعید بن جبیر والے اثر کے خلاف ہے اس سے مولف کا پہلو تہی کرنا اور اس اثر پر اعتماد کرنا مناسب نہیں شاید کتابت کے وقت یہ یاد نہ رہا ہو۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ حدیث جمہور کی حجت ہے کہ بالوں کو کسی دوسری چیز سے ملانا نہیں چاہیے بال ہوں یا کوئی اور چیز ہو۔ (۳/۳۱۵ ج ۳)

(ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

❶ مسلم، کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ ”مَنْ عَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا“۔ ح/ ۱۰۱۔

اور فریب ہے۔ اگر ان کو ناجائز کر دیا جاتا تو کھوٹ اور فریب کی دوسری صورتیں بھی جائز ہوتیں، نیز ان چیزوں میں قدرتی ساخت میں رد و بدل کا پہلو بھی ہے۔ ابن مسعود کی حدیث اَلْمُعَيَّرَاتِ خَلَقَ اللّٰهُ ① (اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں رد و بدل کرنے والیاں) سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے۔ ②

جو حدیثیں حرمت پر دلالت کرتی ہیں ان میں بالوں کو جوڑنے کا حکم بیان ہوا ہے، خواہ وہ اصلی ہوں یا مصنوعی۔ اس میں جعل سازی اور فریب دہی کا پہلو ہے، لیکن اگر بال نہ جوڑے جائیں بلکہ کپڑے کی دھجی یا دھاگا وغیرہ جوڑ دیا جائے تو یہ چیز ممانعت کے حکم میں شامل نہیں ہوگی، اس سلسلہ میں سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((لَا بَأْسَ بِالتَّوَامِلِ)) ③

”توامل لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

”توامل“ سے ریشم، اون وغیرہ کے دھاگے (پونیاں) مراد ہیں جن کو عورتیں بالوں میں جوڑ کر چوٹیاں بنا لیتی ہیں۔ امام احمد اس کے جواز کے قائل ہیں۔ ④

### خضاب لگانا

زینت کے موضوع سے متعلق سر اور داڑھی کو خضاب لگانے کا مسئلہ بھی ہے۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ خضاب لگا کر بالوں کا رنگ بدل دینے کے قائل نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ زیب و زینت، دینداری اور عبادت الہی کے امور کے منافی ہے، چنانچہ راہبوں اور دین میں غلو کرنے والے زاہدوں کا یہی شعار رہا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی تقلید کرنے اور ان کے طریقے اپنانے سے منع فرمایا تاکہ مسلمان ظاہر و باطن میں اپنی مستقل

① فتح الباری: باب وصل الشعر.

② بخاری: کتاب اللباس: باب الموصولة: ح: ۵۹۴۳۔ مسلم: کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلة: ح: ۲۱۲۵۔

③ ابوداؤد: کتاب الترجل: باب فی صلة الشعر: ح: ۴۱۷۱۔ (اسنادہ ضعیف).

④ ابوداؤد: حوالہ سابق: وهو صحیح.

امتیازی حیثیت کو برقرار رکھ سکیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصْرَى لَا يَصْبَغُونَ فَخَالِفُوهُمْ)) ❶

”یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے، لیکن تم ان کے خلاف طرز عمل اختیار کرو۔“

یہ حکم یعنی خضاب لگانا مستحب ہے جیسا کہ صحابہ کرام کے عمل سے واضح ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ مثلاً سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ خضاب لگایا کرتے تھے۔ ❷ لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ ❸ سیدنا ابی بن کعب ❹ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ نہیں لگایا کرتے تھے۔ ❺

لیکن سوال یہ ہے کہ خضاب کس قسم کا ہو؟ سیاہ یا کسی بھی رنگ کا خضاب استعمال کیا جاسکتا ہے؟ یا سیاہ خضاب سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو شخص بہت بوڑھا ہو گیا ہو اور اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید ہو گئے ہوں، اس کو سیاہ خضاب نہیں لگانا چاہیے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو قحافہ کو فتح مکہ کے دن اٹھا کر لائے تھے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بٹھا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ ان کے سر کے بال بالکل سفید ہو گئے ہیں فرمایا:

((غَيِّرُوا هَذَا وَجَنَّبُوهُ السَّوَادَ)) ❻

”ان بالوں کا رنگ بدل دو لیکن سیاہ خضاب سے پرہیز کرنا۔“

لیکن جس کا حال ابو قحافہ جیسا نہ ہو اور نہ وہ ان کی عمر کا آدمی ہو تو اس کے سیاہ خضاب لگانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں:

”جب تک ہمارا چہرہ تروتازہ تھا ہم سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے لیکن جب سے

❶ بخاری، کتاب اللباس: باب الخضاب / ۵۸۹۹۔ مسلم، کتاب اللباس: باب فی مخالفة اليهود فی الصبغ ح: ۲۱۰۳۔

❷ مسلم، کتاب الفضائل: باب شبیہ ح: ۲۳۴۱۔

❸ طبقات ابن سعد (۲۵/۳)۔

❹ مستدرک حاکم (۳/۳۰۲)۔ طبقات ابن سعد (۴۴۹/۳)۔

❺ فی طبقات ابن سعد (۷/۲۴۲۳) خلافتہ۔ واللہ اعلم۔

❻ مسلم، کتاب اللباس: باب استحباب خضاب الشیب بصفرة ح: ۲۱۰۲۔

چہرے اور دانتوں میں تغیر آگیا ہے لہذا ہم نے اس کا استعمال ترک کر دیا ہے۔“ ❶

❶ مقطوع مسند احمد، ۲/۲۰۹ قال معمر: وكان الزهري يخصب بالسواد رقم الحديث: ۸۰۸۳، طبقات ابن سعد، ذكر صفة علي بن ابي طالب ۳/۲۵.

(۱) میں کہتا ہوں: ... یہ روایت مقطوع ہے لہذا یہ بالکل حجت کے قابل نہیں۔ مصنف رحمہ اللہ نے اسے سابقہ حدیث میں جو حکم ہے اس پر بطور تائید وارد کیا ہے۔

”اسے سیاہی سے بچاؤ“ یہ حکم اس بوڑھے کے ساتھ خاص ہے جو بہت ہی عمر رسیدہ ہو جس کے سر اور داڑھی پر مکمل بڑھا پالا اور سفیدی چھا جائے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: اور جو ابوقافہ کی مانند یا ہم عمر نہ ہو وہ اگر سیاہی سے رنگ لے تو کوئی حرج نہیں اسی کے بارے میں زہری قائل تھے اور اسے ذکر کیا ہے۔

یہ قابل حجت نہ ہونے کے ساتھ جو مؤلف اختیار کیا ہے اور تفصیل بیان کی ہے اس بارے میں یہ دلالت نہیں کرتی۔ زہری کی رائے تھی کہ سفید بالوں والا سیاہی سے نہ رنگے یہ حرام ہے۔

یہ خالی خبر ہے۔ اس کا طلب سیاہی رنگ چھوڑنا بھی نکلتا ہے اور کرنا بھی نکلتا ہے۔ اس سے حرام قرار دینے کی دلالت نہیں۔ بلکہ ظاہر یہی ہے کہ زہری کے پاس اسے حرام قرار دینے کی بالکل حدیث نہ تھی۔ وہ اس معاملے کو اپنے ذوق کے مطابق لیتے تھے۔ جب سر ابھی نیا نیا سفیدی اختیار کرتا تو خضاب لگا لینے کے حکم پر عمل کرتے اور اس کے بعد چھوڑ دیتے۔

معمر بیان کرتے ہیں جو کہ زہری کے شاگرد ہیں کہ زہری سیاہ رنگ کا خضاب لگاتے۔ انہوں نے مطلق کہا ہے نہ تو تخصیص کی ہے اور نہ ہی تفصیل بیان کی ہے۔ اسے امام احمد نے بیان کیا ہے (صفحہ ۳۰۹/ج ۲) سند صحیح ہے مجھے یہ معلوم نہیں کہ ابن ابی عاصم کی سند زہری تک درست ہے یا نہیں۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے عمل اور قول میں حجت نہیں۔ اور پہلے گزری ہوئی حدیث زہری وغیرہ کے خلاف حجت ہے جو شروع کی سفیدی اور بزرگی والی سفیدی میں تفریق کرتے ہیں کیونکہ آپ کا یہ فرمان: کہ ”اسے سیاہ رنگ سے دور رکھو“ اس سے یہ تفریق ثابت نہیں ہوتی۔ خصوصاً جبکہ یہاں دو حدیثیں اور بھی موجود ہیں۔ جو عموم پر دلالت کرتی ہیں۔

(نمبر ۱) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آخر زمانہ میں لوگ ہوں گے جو سیاہ رنگ سے بال وغیرہ رنگیں کریں گے جیسا کہ کبوتروں کے حلقے ہوتے ہیں یہ جنت کی خوشبو نہ پائیں گے۔ (ابوداؤد نسائی احمد اور ضیاء مقدسی نے اسے مختارہ میں بیان کیا ہے ۳۵/۲۳۴) ان کے علاوہ بھی محدثین نے بیان کیا ہے (۱۳۹/ج ۲) اس کی سند میں کمزوری ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳۰۰/ج ۱۰) میں بیان کیا ہے اور اسے طبرانی اور ابن ابی عاصم کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

﴿﴾

سلف کا ایک گروہ جن میں سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر، سیدنا حسن، سیدنا حسین اور جریر بن نضر وغیرہ شامل ہیں، سیاہ خضاب کے جواز کا قائل ہے۔ لیکن علماء کے دوسرے گروہ کے نزدیک سیاہ خضاب لگانا جائز نہیں ہے الا یہ کہ جہاد کے موقع پر دشمن کو مرعوب کرنے کی غرض سے لگایا جائے تاکہ دشمن جب اسلام کے لشکر کو دیکھے گا کہ وہ تمام تر نوجوانوں پر مشتمل ہے تو اس کی دھماک دلوں میں بیٹھ جائے گی۔<sup>①</sup> (فتح الباری، ۱۰: ۳۵۵-۳۵۶)

اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

((إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ))<sup>②</sup>

”بہترین چیز جس سے تم سفید بالوں کا رنگ بدل سکتے ہو وہ حناء اور کتم ہے۔“

”کتم“ (وسمہ) یمن کی نباتات سے ہے جس کا رنگ سیاہی مائل بہ سرخ ہوتا ہے اور حناء کا رنگ سرخ ہوتا ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حناء

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بیان کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔  
 ① یہاں ایک تیسری حدیث بھی ہے لیکن وہ بہت ہی کمزور ہے جسے ابو حسن ثینی نے اپنی حدیث (صفحہ ۱۱/۲) میں عمر بن قیس کی حدیث سے جو انہوں نے رجاہ بن ابی حارث سے اس نے مجاہد سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بیان کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

میری امت میں سے زمانہ کے آخر میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہی استعمال کریں گے روز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں دیکھیں گے بھی نہیں اس کی سند میں عمر بن قیس جو کہ ابو جعفر ہے۔ المعروف سندل، یہ متروک راوی ہے۔ (تقریب)  
 مصنف نے جو تفریق کا طریقہ اپنایا ہے اگرچہ ان کا تنہا نظریہ نہیں، مگر یہ دلیل کے لحاظ سے قوی نہیں۔ کیونکہ یہ بخاری و مسلم میں وارد الوقافہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو حدیثوں کے خلاف ہے۔

ابن ابی عاصم نے پہلی حدیث کی تاویل کی ہے کہ یہ اس آدمی کے حق میں ہے جس کے سر کے بال کلی طور پر سفید ہوں، یہ ہر ایک کے بارے میں مناسب نہیں اور دوسری حدیث کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس میں سیاہ رنگ کرنے کی کراہت پر دلالت نہیں، جبکہ اس میں قوم کی اطلاع دی گئی ہے جس کی یہ حالت ہوگی، یہ بات حافظ ابن حجر نے فتح (صفحہ ۱۰۰/ج ۱۰) پر نقل کی ہے۔ پھر اس کا تعاقب کیا ہے کہ ابن ابی عاصم کا یہ قول ان دو حدیثوں کے منشاء کے خلاف ہے۔ (تعلیق از: ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

① ابوداؤد: کتاب الترجل: باب فی الخضاب: ح: ۴۲۰۵۔ ترمذی: کتاب اللباس: باب ماجاء فی

الخضاب: ح: ۱۷۵۳۔ نسائی: کتاب الزینۃ: باب الخضاب بالحناء والکتم: ح: ۵۰۸۱۔ ابن ماجہ:

کتاب اللباس: باب الخضاب بالحناء: ح: ۳۶۲۲۔

اور کتیم کا خضاب لگایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خالص حناء کا۔<sup>①</sup>

### ڈاڑھی بڑھانا

ہمارے موضوع سے متعلق ایک مسئلہ ڈاڑھی بڑھانے کا بھی ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((حَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَ قَرُّوا اللَّحْيَ وَ أَحْفُوا السَّوَارِبَ))<sup>②</sup>

”مشرکین کے خلاف طرز عمل اختیار کرو۔ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کتر داؤ۔“

اس روایت میں توفیر (و فروا) کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اور دوسری روایت میں اعفاء کا صیغہ آیا ہے۔<sup>③</sup> دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی داڑھی کو چھوڑ دینا اور باقی رہنے دینا۔ اس کی علت بھی حدیث نے واضح کر دی ہے، یعنی مشرکین کی مخالفت کرنا مقصود ہے۔ مشرکین سے مراد یہاں آتش پرست مجوسی ہیں۔ یہ لوگ ڈاڑھی کترواتے تھے۔ البتہ کچھ لوگ منڈاتے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی مخالفت کا حکم دے کر مسلمانوں کی تربیت اس انداز سے کرنا چاہی ہے کہ وہ اپنا تشخص قائم رکھ سکیں اور صوری اور معنوی ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے دوسروں کے مقابلہ میں ممتاز ہوں۔ علاوہ ازیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ڈاڑھی منڈانا ایک ایسا فعل ہے جو فطرت کے خلاف ہے اور اس میں عورتوں سے مشابہت کا پہلو بھی ہے۔ دراصل داڑھی رجولیت (مردانگی) کی تکمیل ہے اور اس سے مرد کا امتیاز قائم ہوتا ہے۔

داڑھی کو چھوڑ دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے بال کم نہ کیے جائیں۔<sup>④</sup> ایسی صورت میں داڑھی اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ بے ڈھنگا پن ظاہر ہونے لگے گا اور اس سے

① مسلم، کتاب الفضائل: باب شبیہ، ج: ۲۳۴۱۔

② بخاری، کتاب اللباس: باب تقليم الاظفار، ج: ۵۸۹۲۔ مسلم، کتاب الطهارة: باب خصال الفطرة، ج: ۲۵۹۔

③ بخاری، کتاب اللباس: باب اعفاء اللحی، ج: ۵۸۹۳۔ مسلم، حوالہ سابق، ج: ۵۳/۲۵۹۔

④ داڑھی کو معاف کرنے (یعنی چھوڑنے) کا مطلب یہی ہے کہ اس کی کانت چھانت نہ کی جائے۔ نبی کریم ﷺ کا داڑھی بڑھانے کا حکم دینا پانچ مختلف الفاظ سے کتب احادیث میں مذکور ہے۔ جن الفاظ کے مجموعی معانی اور مدلول نے بارے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ان تمام الفاظ کا یہی مطلب ہے کہ داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑ دینا۔“

اور بعض سلف سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے۔ قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں :

”داڑھی منڈانا“ اس کو چھوٹا بنانا اور ہموار کرنا مکروہ ہے، البتہ جب داڑھی بڑھ جائے تو اس کے طول و عرض میں سے مال کتر لینا اچھا ہے۔“

اور ابو شامہ کہتے ہیں

۱۰۰ دیا جائے (شرح النووی: ۱/ ۱۲۹) داڑھی کی کانٹ چھاننا، سر ہاتھ نہ دھونا، نہ پیرا کرنا، نہ غسل سے لیا جاتا ہے ان کا عمل اگرچہ ہماری نسبت بہت اعلیٰ درجہ فہم و فراست پر مبنی تھا لیکن انہوں نے کسی کو داڑھی کھوانے کا فتویٰ یا حکم نہیں دیا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی عمومی طور پر داڑھی کو بڑھا جاتی بہتر سمجھتے تھے۔ علمائے سلف وغیرہ کے عمل کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے، جبکہ یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور فرمان کے مقابل کسی کا بھی عمل یا قول کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ مصنف نے اگلی سطور میں ترمذی کی ایک روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس سے داڑھی کی کانٹ چھانٹ کو نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم وہ روایت قرارین کے سامنے بیان کر کے اس کی استنادی حیثیت اور اس روایت سے استدلال کرنے کے نقصانات سے آگاہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ روایت اس طرح ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لَحْيَتِهِ مَنْ عَرَضَهَا وَطَوَّلَهَا" (نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کی طول و عرض سے کانٹ چھانٹ کر لیا کرتے تھے)۔ اسنن الترمذی: کتاب الأدب، باب ما جاء في الأخذ من اللحية، حدیث: ۲۷۶۲۔ اس روایت کو علامہ الربانی رحمہ اللہ نے موضوع، من گھڑت قرار دیا ہے۔ دیکھئے: السلسلة الضعيفة: ۱/ ۴۵۶۔ علامہ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے: انوار الصحیفة: ص: ۲۶۹۔ ابوالحسن مبشر احمد ربانی

① ترمذی کی حدیث یہ ہے:

((أَنْ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ طَوْلِ إِحْيَيْتِهِ وَغَرَضِهَا.)) (ابواب الآداب)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کے طول و عرض سے بال کتر لیا کرتے تھے۔“

انام ترمذی نے اس حدیث کو بیان کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مترجم)

② ترمذی: کتاب الادب: باب ماجاء فی الاخذ من اللحية: ح: ۲۷۶۲- وقال الالبانی موضوع- (غایة المرام (۱۱۰)- ضعیف سنن الترمذی (۵۲۵/ ۲۹۲۴).



میں مشہور ہے کہ وہ کترواتے تھے۔<sup>①</sup>

اس سلسلہ میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت اپنے دین کے دشمنوں اور یہود و نصاریٰ جیسے سامراجیوں کی تقلید کرتے ہوئے داڑھی منڈانے لگی ہے۔ اور مغلوب قوم ہمیشہ غالب قوم کی تقلید کرتی ہے، مسلمان اس بات سے غافل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی مشابہت کرنے سے منع فرمایا ہے حدیث میں ہے:

((مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))<sup>②</sup>

”جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ اُن ہی میں سے ہوگا۔“

بہت سے فقہاء کے نزدیک اِِعْفَاءِ لِحْيَہ (داڑھی بڑھاؤ) والی حدیث کے پیش نظر ڈاڑھی منڈانا حرام ہے، کیونکہ حکم اصلاً وجوب پر دلالت کرتا ہے اور خاص طور سے یہ حکم تو کفار کی مخالفت کی علت کے ساتھ ہے اور ان کی مخالفت واجب ہے، نیز سلف میں سے کسی کا اس واجب کو ترک کرنا ثابت نہیں ہے۔ لیکن موجودہ دور کے بعض علماء حالات سے متاثر ہو کر اور عموم بلوئی (عام ابتلاء کی حالت) کے آگے سپر ڈالتے ہوئے داڑھی منڈانے کو جائز کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنا رسول اللہ ﷺ کے افعالِ عادیہ میں سے ہے اور شرعی اُمور سے متعلق نہیں ہے کہ اس کو عبادت کی حیثیت دی جائے۔

لیکن حقیقت میں اِِعْفَاءِ لِحْيَہ (ڈاڑھی رکھنا) نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے بلکہ آپ ﷺ نے اس کا صراحت کے ساتھ حکم بھی دیا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ کفار کی مخالفت کرنا چاہیے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ ”ان کی مخالفت شارع کے نزدیک مقصود ہے کیونکہ ظاہری چیزوں میں مشابہت کرنے سے باطنی طور پر مودت و محبت اور موالات کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، جس طرح باطن کی محبت ظاہر میں مشابہت پیدا کرتی ہے۔ محسوسات اور تجربات اس پر شاہد ہیں۔“

① فتح الباری ۱۰-۳۵۱۔ ② ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، ح: ۴۰۳۱۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

”کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ کفار کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی فی الجملہ مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ جس چیز میں کسی خرابی کے مضمر ہونے کا احتمال ہوگا اُس پر حرام کا اطلاق ہوگا۔ کفار کی ظاہری افعال میں مشابہت مذموم اخلاق و افعال کی مشابہت کا باعث ہوگی بلکہ اندیشہ ہے کہ مشابہت کا یہ سلسلہ اعتقادات تک دراز نہ ہو جائے۔ اس کے اثرات گرفت میں نہیں آسکتے کیونکہ اس سے جو اصل خرابی پیدا ہوتی ہے وہ بظاہر دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کا ازالہ بہت مشکل ہے۔ لہذا جو چیز بھی خرابی کا موجب ہو اس کو شارع نے حرام قرار دیا ہے۔“ ①

اس طرح ہمارے نزدیک داڑھی منڈانے کے بارے میں تین اقوال ہیں:

- ① ایک قول یہ ہے کہ داڑھی منڈانا حرام ہے۔ یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کا مسلک ہے۔
- ② دوسرا قول یہ ہے کہ داڑھی منڈانا مکروہ ہے۔ یہ قول فتح الباری میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کا بیان کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ کسی اور کا نام مذکور نہیں ہے۔
- ③ اور تیسرا قول جو ازا کا ہے اور موجودہ زمانہ کے بعض علماء اسی کے قائل ہیں۔ ②

① اقتضاء الصراط المستقیم (ص ۲۸۲۷)

② مصنف نے کہا ہے کہ بعض علماء داڑھی منڈوانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ مصنف نے یہ بات کہہ کر عی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے کے بعد کوئی بھی مسلم سکا ر داڑھی منڈوانے کو جائز نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ احادیث رسول ﷺ آثار صحابہ اور اقوال و اعمال سلف کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ داڑھی منڈوانا حرام ہے۔ کسی بھی عالم دین نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ داڑھی منڈوانا تو اس قدر قبیح عمل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے مرتکب دو آدمیوں سے (جو آپ ﷺ کو ایران سے ملنے آئے تھے) منہ پھیر لیا تھا۔ داڑھی منڈوانا عورتوں سے مشابہت ہے جبکہ عورتوں سے مشابہت کرنا مردوں کے لیے حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔ [صحیح البخاری: کتاب اللباس، باب المتشبهین بالنساء، .....، حدیث: ۵۸۸۵۔ سنن أبی داؤد: کتاب اللباس، باب لباس النساء، حدیث: ۴۰۹۷] داڑھی مرد کی شان اور فطری امور میں سے ہے۔ اس لیے اسے منڈوانا غیر فطری عمل اور حرام ہے۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ]

لیکن غالباً سب سے زیادہ معتدل، قرین قیاس اور مبنی بر صحت قول کراہت و ناپسندیدگی کا ہے، کیونکہ داڑھی رکھنے کا حکم قطعی طور پر وجوب پر دلالت نہیں کرتا، گو اس کی علت کفار کی مخالفت کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی کے مثل خضاب لگانے کا حکم ہے جس کی علت بھی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنا ہے، لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خضاب نہیں لگایا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ خضاب لگانا بس مستحب ہے۔ (واجب نہیں)۔ ❶

یہ بات صحیح ہے کہ سلف میں سے کسی کا داڑھی منڈانا ثابت نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ انہیں داڑھی منڈانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی ہو، کیونکہ وہ لوگ داڑھی رکھنے کے عادی تھے۔

## گھر

مسکن یا گھر آدمی کے لیے محفوظ مقام اور پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا ہے جہاں وہ خانگی زندگی بسر کرتا ہے اور سماج کی قیود سے اپنے کو آزاد محسوس کرنے لگتا ہے۔ گھر میں جسم کو آرام ملتا اور نفس کو سکون۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا﴾ (النحل: ۸۰ / ۱۶)

”اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا۔“

اور نبی ﷺ کو کشادہ گھر پسند تھا اور اسے آپ ﷺ دنیوی سعادت خیال فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

❶ داڑھی رکھنے کو خضاب لگانے پر قیاس کرنا بعید از عقل بات ہے۔ مصنف نے ایسا ہی کیا ہے اور اس قیاس کے ذریعے داڑھی رکھنے کو وجوب سے گرا کر استحباب کے درجے میں لانے کی کوشش کی ہے۔ داڑھی کی مقدار میں اگرچہ کسی حد تک اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس موقف پر تمام علماء و فقہاء متفق ہیں کہ داڑھی رکھنا واجب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔ اور داڑھی صرف کفار کی مخالفت کے نقطہ نظر سے نہیں رکھی جاتی بلکہ داڑھی (رکھ کر) بڑھانا امور فطرت میں شامل ہے۔ جو انسان داڑھی کے وجوب کا منکر ہے وہ درحقیقت امور فطرت میں سے ایک فطری امر کا انکار کرتا ہے۔ لہذا درست اور رائج بات یہی ہے کہ داڑھی رکھنا فرض ہے اور اس سے کسی طور انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مصنف نہ جانے ایسی بے بنیاد باتیں کر کے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ان باتوں کی کوئی دلیل مصنف کے پاس نہیں ہے۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ]

((أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكِنُ الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيُّ.)) ❶

”چار چیزیں باعث سعادت ہیں: نیک بیوی، وسیع مسکن، اچھا پڑوسی اور عمدہ سواری۔“  
آپ ﷺ یہ دُعا بہ کثرت مانگا کرتے:

((اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي وَبَارِكْ لِي فِي رِزْقِي))  
”اے اللہ! میرے گناہ بخش دے، میرے گھر میں کثرت پیدا فرما اور میرے رزق میں برکت عطا کر۔“

کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا بات ہے آپ ﷺ اکثر یہ دُعا مانگا کرتے ہیں؟ فرمایا:

((وَهَلْ تَرَكَنَ مِنْ شَيْءٍ)) ❷

”اس دُعا نے کسی چیز کو بھی چھوڑا ہے؟“

آپ ﷺ نے گھروں کو صاف ستھرا رکھنے کی ترغیب دی ہے تاکہ یہ صفائی، نظافت پسند دین اسلام کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہو اور ایک ایسا عنوان ہو جو مسلمانوں کو ان لوگوں سے ممتاز کرے جن کے مذہب میں گندگی، تقرب الہی کا ذریعہ ہے، چنانچہ فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ، جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ، فَتَطَهَّرُوا أَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ.)) ❸

”اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، نفیس ہے نظافت کو پسند کرتا ہے، کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے، فیاض ہے فیاضی کو پسند کرتا ہے۔ لہذا اپنے گھروں

❶ صحیح ابن حبان (الاحسان: ۴۰۳۲)۔ مستدرک حاکم (۱۶۲/۲) مسند احمد (۱/۱۶۰۹)

❷ نسائی فی الکبریٰ (۶/۲۴: ح ۹۹۰۸)۔ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ۔ (۲۸) رواہ احمد (۴/۳۹۹) مختصراً۔ (اسنادہ ضعیف لا نقطاعہ)۔

❸ ترمذی کتاب الادب: باب ماجاء فی النظافۃ: ح ۲۷۹۹۔ (واسناد ضعیف)

کے صحن صاف رکھا کرو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔“

**نعیش اور بت پرستی کے مظاہر**

اپنے گھر کو رنگ و روغن، نقش و نگار اور جائز قسم کی زیب و زینت سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ﴾ (الاعراف: ۷/۳۲)

”کہو! کس نے حرام ٹھہرایا اللہ کی اُس زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے؟“

جی ہاں! ایک مسلمان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر، کپڑے اور جوتے وغیرہ کے معاملہ میں جمال کو پسند کرے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنًا۔ فَقَالَ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ.)) ❶

جس شخص کے دل میں ذرہ برابر کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے پوچھا: آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں (تو کیا یہ بھی کبر ہے؟) فرمایا: ”اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔“

دوسری روایت میں ہے:

((لَنْ رَجُلًا جَمِيلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّ الْجَمَالَ وَقَدْ أُعْطِيتُ مِنْهُ مَا تَرَى حَتَّى مَا أُحِبُّ أَنْ يَقُوْفَنِي أَحَدٌ بِشِرَاكِ نَعْلِي أَقِمِّنِ الْكِبْرَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لَا وَلَكِنَّ الْكِبْرَ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ.)) ❷

”ایک خوبصورت شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں

❶ مسلم، کتاب الایمان: باب تحریم الکبر و بیانہ، ح: ۹۱۔

❷ ابوداؤد، کتاب اللباس: باب ماجاء فی الکبر، ح: ۴۰۹۲۔

جمال کو پسند کرتا ہوں اور مجھے جو جمال عطا ہوا ہے اس کا مشاہدہ آپ ﷺ فرمائی رہے ہیں۔ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص جوتے کے تسمہ کے معاملہ میں بھی مجھ پر فوقیت لے جائے تو اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ بھی تکبر ہے؟ فرمایا: ”نہیں بلکہ کبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکراؤ اور لوگوں کو حقیر خیال کرنے لگو۔“

البتہ غلو اسلام کو کسی چیز میں بھی پسند نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ نے اس بات کو بھی پسندیدہ نہیں قرار دیا کہ ایک مسلمان کا گھر تعیش اور اسراف کا مظہر ہو جس کی قرآن نے سخت مذمت کی ہے یا بت پرستی کا مظہر ہے جس سے اس توحید والے دین نے پوری قوت کے ساتھ جنگ کی ہے۔

### سونے چاندی کے برتن

اسی لیے اسلام نے اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ مسلمان کے گھر میں سونے چاندی کے برتن یا خالص ریشم کا بستر ہو۔ اس سے انحراف کرنے والے کو نبی ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((أَنَّ الَّذِي يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ فِي أَيْنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجْرَجُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ)) ❶

”جو شخص سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے، بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔“

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَشْرَبَ فِي أَيْنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَأْكُلَ فِيهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالذِّيْبَاجِ وَأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ وَقَالَ: هُوَلَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ)) ❷

❶ بخاری، کتاب الاشربة: باب آئینۃ الفضة، ح: ۵۶۳۴۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اوانی الذهب، ح: ۲۰۶۵۔

❷ بخاری، کتاب الاشربة: باب الشرب فی آئینۃ الذهب، ح: ۵۶۳۲ واللفظ له رواہ مسلم، کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اناء الذهب، ح: ۲۰۵۷۔ نحوه۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا ہے، نیز حریر و دیباچ کے کپڑے پہننے اور ان پر بیٹھنے کی بھی ممانعت کی ہے اور فرمایا: ”یہ چیزیں کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گی۔“

اور جب یہ سب چیزیں حرام ہیں تو ان کو تحفہ میں دینا اور سجاوٹ کے طور پر استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ سو۔۔۔ چاندی کے برتنوں اور ریشم کے بستر وغیرہ کی یہ حرمت مرد اور عورت دونوں کے لیے (یکساں) ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کو اس لیے حرام کر دیا گیا ہے کہ گھر کو ناپسندیدہ سامان قیّش سے پاک رکھا جائے۔ امام ابن قدامہ نے اس پر بڑے اچھے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

”حدیث کے حکم کی عمومیت کے پیش نظر مرد اور عورت دونوں کے لیے یہ حکم یکساں ہے، کیونکہ ان چیزوں کو حرام کر دینے کی علت اسراف، تکبر اور غریبوں کی دل شکنی ہے جس کا تعلق دونوں فریق سے ہے۔ رہا عورتوں کے لیے زیورات کا جواز، تو وہ اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے سنگھار کر سکیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اسے مباح کر دیا گیا۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر حرمت کی علت یہی ہے تو پھر یا قوت وغیرہ کے برتن کیوں نہیں حرام کیے گئے جو سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غریب لوگ ان چیزوں سے آشنا نہیں ہوتے، اس لیے دوستندوں کے اس چیز کو استعمال کرنے سے غریبوں کی دل شکنی نہیں ہوتی، نیز یہ جو اہرات اتنی قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں کہ ان کے برتن بنانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لہذا ان کو حرام قرار دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن سونے اور چاندی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔“<sup>①</sup>

① المغنی، ج ۸ ص ۳۲۳۔

ان وجوہ کے علاوہ ایک وجہ اقتصادی پہلو بھی ہے جس کی طرف ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ دراصل سونے اور چاندی کی حیثیت نقدی کے لیے بین الاقوامی محفوظ سرمایہ کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اموال کی قیمت کے لیے معیار بنایا ہے۔ اس میں ایک قسم کی حاکمانہ قوت موجود ہے جو قیمتوں میں صحیح توازن پیدا کرتی ہے اور زرمبادلہ کا کام دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس کے استعمال کی رہنمائی فرما کر انسان کو اپنی نعمت سے نوازا ہے تاکہ وہ اس کو گردش میں رکھیں اور یہ نعمت انہیں اس لیے نہیں عطا کی گئی ہے کہ وہ اس کو نقد خزانہ کی شکل میں گھر میں بند کر رکھیں یا برتن اور سامانِ زینت کی شکل میں بے کار بنا کر رکھ دیں۔ امام غزالی نے ”احیاء العلوم“ میں یہ بات کس قدر خوبی کے ساتھ بیان فرمائی ہے:

”جس نے درہم و دینار سے سونے چاندی کے برتن بنائے اس نے کفرانِ نعمت کیا، اور اُس کا حال اس شخص سے بھی بدتر ہے جو خزانہ جمع کر کے رکھتا ہے کیونکہ اس کا معاملہ اس شخص کا سا ہے جس نے حاکم شہر کو کپڑا بننے، جھاڑو دینے جیسی خدمت میں لگایا جس کو معمولی لوگ انجام دیتے ہیں۔ اس کو اس طرح استعمال کرنے کے مقابلہ میں جمع کر رکھنا اچھا ہے کیونکہ مٹی، لوہا، سیسہ اور تانبا سیال چیزوں کو محفوظ کرنے کے لیے سونے چاندی کے قائم مقام ہیں اور برتن سیال چیزوں کو محفوظ کرنے ہی کے لیے ہوتے ہیں، لیکن پکی ہوئی مٹی اور لوہے وغیرہ سے نقدی کا مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا، اور جو شخص اس حقیقت سے نا آشنا ہو اس پر تشریح ربانی کے ذریعہ یہ بات واضح ہو جانی چاہیے اور اُسے یہ حدیث سنانا چاہیے:

((مَنْ شَرِبَ فِي اِنْيَةٍ مِنْ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ فَكَانَ مَا يُعْجَرُ جُرْفِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ)) ①

”جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ گویا اپنے پیٹ میں جہنم کی

① بخاری، کتاب الاشربة: باب آنية الفضة، ح: ۵۶۳۴۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اوانی الذهب..... ح: ۲۰۶۵۔



آگ بھرتا ہے۔“<sup>①</sup>

یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس (مذکورہ اشیاء کی) حرمت کے نتیجہ میں مسلمانوں کے لیے گھر کے معاملات میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے، نہیں! بلکہ پاک اور حلال چیزوں کا دائرہ (اس کے علاوہ بھی) کافی وسیع ہے۔ کانچ، مٹی، چینی، تانبے اور بہت سی دوسری دھاتوں کے برتن کتنے بہترین ہیں! اور روئی اور کتان وغیرہ کے بستر اور تنیکے کتنی عمدہ چیزیں ہیں!

اسلام میں مجسموں کی حرمت

کسی دینی گھر میں مجسمہ کا وجود اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے یعنی وہ مجسم تصویریں جو بے وقعت نہ ہوں۔ اس قسم کے مجسموں کی گھر میں موجودگی ملائکہ کی دوری کا باعث ہے حالانکہ وہ اللہ کی خوشنودی کا مظہر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا تَدْخُلُ بُيُوتًا فِيهَا تَمَاثِيلٌ))<sup>②</sup>

”جس گھر میں مجسمے ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“<sup>③</sup>

علماء کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصویر آویزاں کرنے والا کفار کی مشابہت کرتا ہے۔ کفار اپنے گھروں میں تصویریں لگاتے اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ بات چونکہ فرشتوں کو ناپسند ہے اس لیے وہ ایسے گھر کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس میں داخل نہیں ہوتے۔

① احیاء العلوم۔ کتاب الشکر و الصبر۔ ۴-۸۹۔

② بخاری، کتاب بدء الخلق: باب اذا قال احدکم آمین..... ح: ۳۲۲۵۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحريم تصوير صورة الحيوان، ح ۸۷/۲۱۰۶ بلفظ مختلف ورواہ احمد (۳/۹۰) والترمذی فی کتاب الادب: باب ماجاء ان الملائكة لا تدخل بیتا..... ح: ۲۸۰۵۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ بہذا اللفظ۔ واللہ اعلم۔

③ تنبیہ:۔۔۔ مذکورہ حدیث یا جو بھی احادیث اس کتاب میں بیان ہوں گی یہ جسم والی یا غیر جسم والی تمام تصویروں کو شامل ہیں، لیکن مصنف نے انہیں صرف جسم والی تصویروں پر قیاس کیا ہے۔ یہ ایک عجیب نظریہ ہے۔ جبکہ میرے خیال کے مطابق وہ جانتا ہے کہ ان احادیث کے وارد ہونے کا سبب غیر جسم والی تصویروں ہیں۔ جیسا کہ جبریل علیہ السلام اس گھر میں داخل نہ ہوئے تھے جس پر تصویروں والا پردہ لٹکا ہوا تھا۔ عنقریب اس کی تحریر (رقم نمبر ۱۲۱) میں ہوگی۔ اس پر دوسری احادیث بھی دلالت کرتی ہیں جیسا کہ اس کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے۔

اسلام نے مجسمہ سازی کو حرام کر دیا ہے خواہ مجسمے غیر مسلمین کے لیے کیوں نہ بنائے جائیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُصَوِّرُونَ هَذِهِ الصُّورَ)) ❶

”قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جو اس قسم کی تصویریں بناتے ہیں۔“

ایک اور روایت میں ہے:

((الَّذِينَ يُضَاهَوْنَ بِخَلْقِ اللَّهِ))

”جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں۔“

نیز نبی کریم ﷺ نے آگاہ کیا ہے:

((مَنْ صَوَّرَ صُورَةَ كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا أَبَدًا)) ❷

”جس کسی نے تصویر بنائی اسے قیامت کے دن اُس میں رُوح پھونکنے کے لیے کہا جائے گا اور وہ کبھی اُس میں رُوح پھونک نہ سکے گا۔“ ❸

❶ بخاری، کتاب الادب: باب ما يجوز من الغضب..... ح: ۶۱۰۹۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحريم تصوير صورة الحيوان، ح: ۲۱۰۷۔

❷ بخاری، کتاب اللباس: باب ما وطى من التصاوير، ح: ۵۹۵۴۔ مسلم، حوالہ سابق، ح: ۲۱۰۷/۹۲۔

❸ بخاری، کتاب اللباس: باب من صور صورة كلّف..... ح: ۵۹۶۳۔ مسلم، حوالہ سابق، ح: ۲۱۱۰۔  
تنبیہ:..... حدیث بیان کرنے کے سبب یہ معلوم ہوا کہ جن تصویروں کا اس میں ذکر کیا گیا ہے یہ جسم رکھنے والی تصویروں کے علاوہ ہیں۔ پہلی روایت میں اسی جانب اشارہ کیا ہے۔ انہیں جسم رکھنے والی تصویروں پر قیاس کرنا درست نہیں۔ واللہ المستعان

ان تصاویر کی نوعیت کا بیان جو پردہ پر تھیں وہ اس روایت میں آتا ہے جو ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ سفر سے تشریف لائے تو میں نے اپنے ساتھ

یعنی اس میں حقیقی رُوح ڈالنے کی ذمہ داری ڈالنا جائے گی اور یہ ذمہ داری ڈالنے کا مطلب اس کو بے بس کرنا اور سرزنش کرنا ہے۔

مجسموں کو حرام قرار دینے کی مصلحت

(۱) مجسموں کو حرام قرار دینے کی مصلحتیں کئی ایک ہیں۔ من جملہ ان سے ایک مصلحت توحید کا تحفظ اور بت پرستوں کے طرز عمل کی مشابہت سے اجتناب کرنا ہے کیونکہ بت پرست اپنے ہاتھ سے تصویر اور بت بناتے ہیں پھر اس کو مقدس قرار دے کر اس کے سامنے خشوع کے انداز میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسلام توحید کے معاملہ میں بڑا حساس ہے اور اس کا اس معاملہ میں حساس اور محتاط ہونا بالکل بجائے کیونکہ جن امتوں نے اپنے پیش روؤں اور نیک لوگوں کی تصویریں یادگار کے طور پر بنائیں وہ ایک مدت گزر جانے پر ان شخصیتوں کو مقدس قرار دے بیٹھے اور انہیں معبود قرار دے کر دروازے پر غالیچے کا پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں پروں والے گھوڑے کی تصویریں تھیں۔ آپ ﷺ نے مجھے اسے اتارنے کا حکم دیا تو میں نے اسے پھاڑ دیا۔

اسے مسلم (۱/۱۵۸) اور نسائی (۲/۳۰۱) اور احمد (۶/۲۸۱) نے بیان کیا ہے۔

یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ صرف وہی تصویریں حرام قرار نہیں دی گئیں جن کی خصوصی تقدیس و تعظیم کی جاتی ہے کیونکہ پروں والا گھوڑا کوئی مقدس چیز نہیں مگر آپ نے دیکھا نہیں کہ نبی ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مذکورہ گھوڑے کے بنے ہوئے کھلونوں سے کھینے کی اجازت دی تھی۔ عنقریب حدیث نمبر ۱۲۸ میں ذکر ہوگا۔

میں کہتا ہوں:..... یہ حدیث غیر مجسم تصویروں کو بھی شامل ہے کیونکہ یہ مطلق ہے اور اس کے راوی سیدنا ابن عباس نے آپ ﷺ سے یہی سمجھا۔ اگر یہ مجسم تصویروں کے ساتھ ہی خاص ہوتی تو آپ سائل پر اتنی سختی نہ فرماتے بلکہ اس کے لیے غیر مجسم تصویریں جو رُوح چیزوں کی ہیں بھی جائز قرار دیتے جیسا کہ یہ بالکل عیاں ہے۔

اور صحابی کا فہم حجت ہوتا ہے خصوصاً جبکہ وہ حدیث کا راوی بھی ہو۔ اور علم اصول کے قواعد بھی اس کی پرزور تائید کرتے ہیں اور دوسری نصوص بھی اس کی ہم نوا ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اس مذہب کو غلط قرار دیا ہے جس میں ان تصویروں کی اجازت دی گئی ہے جن کا سایہ نہیں یعنی غیر مجسم ہیں۔ مزید گفتگو حدیث ۱۳۴ کے تحت بیان کروں گا۔ (ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی، ان سے ڈرنے اور امیدیں وابستہ کرنے لگے اور حصول برکت کے لیے ان کے دربار میں حاضر ہونے لگے چنانچہ وُد سواع، یغوث، یعوق اور نسر بزرگوں کے پجاری یہی کچھ کرتے رہے۔ ❶

اسلام کا اس معاملہ میں حساس ہونا کوئی قابل تعجب اور اچنبھے بات نہیں ہے کیونکہ وہ ایک ایسا دین ہے جو بگاڑ کے جملہ ذرائع کا سدباب کرنا چاہتا ہے اور ان تمام رخنوں کو بند کرنا چاہتا ہے جن سے شرک جلی یا شرک خفی، دل و دماغ میں نفوذ کر جاتا ہے یا جس سے بُت پرستوں اور مذہب میں غلو کرنے والوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسلام کا اس معاملہ میں سخت ہونا اس وجہ سے بھی بالکل بجا ہے کہ یہ شریعت کسی ایک دور کے لوگوں کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہے خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں بستے ہوں۔ اور کسی خاص وقت کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔

(۷) تصویر کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مجسمہ ساز یا مصور اس زُعمِ باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ گویا وہ عدم سے اس مجسمہ یا تصویر کو وجود میں لایا ہے یا مٹی سے ایک جاندار مخلوق بنائی ہے۔ اس کی تصدیق واقعات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے طویل عرصہ تک مسلسل محنت کے بعد ایک مجسمہ تراشا۔ جب مجسمہ پوری طرح تیار ہو گیا تو اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس کے خدو خال اور اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر ناز کرنے اور اترانے لگا یہاں تک کہ فخر و غرور کے نشہ میں اس کو مخاطب کر کے بول اٹھا: بات کر! بات کر!

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هَذِهِ الصُّورَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ.)) ❷

❶ بخاری، کتاب التفسیر: باب تفسیر سورة نوح، ح: ۴۹۲۰۔

❷ بخاری، کتاب اللباس: باب عذاب المصورین یوم القیامة، ح: ۵۹۵۱۔ مسلم، کتاب اللباس:

باب تحریم تصویر صورة الحیوان، ح: ۲۱۰۸۔

”جو لوگ اس قسم کی تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کچھ تخلیق کیا ہے ان میں جان ڈالو۔“

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً فَلْيَخْلُقُوا شَعِيرَةً)) ❶

”اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے لگے!!! یہ لوگ ایک ذرہ یا جو کا ایک دانہ ہی پیدا کر دکھائیں۔“

(ج) جو لوگ اس فن کو اختیار کر کے اپنے مقصد کی طرف چل پڑتے ہیں پھر وہ کسی حد پر رکتے نہیں۔ وہ عورتوں کی عریاں اور نیم عریاں تصویریں بنانے لگتے ہیں۔ اور بت پرستی کے مظاہر نیز دیگر مذاہب کے شعائر مثلاً صلیب بت وغیرہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔ حالانکہ اس قسم کی تصویریں بنانا ایک مسلمان کے لیے کسی طرح روا نہیں۔

(د) مزید برآں یہ بھی حقیقت ہے کہ مجسمہ عیش پرستی کے مظاہر میں سے ہے۔ ارباب عیش و عشرت کا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اپنے محلات کو مجسموں سے آباد کرتے ہیں اور کمروں کو تصویروں سے مزین کرتے ہیں، نیز مختلف دھاتوں کے مجسمے بنا کر فنکاری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے جس دین نے عیش پرستی کے جملہ مظاہر و اقسام کے خلاف جنگ کی ہے اس کا مسلمانوں کے گھروں میں مجسموں کے وجود کو برداشت نہ کرنا اور ان کو حرام قرار دینا بعید از قیاس نہیں ہے۔

### اسلام میں شخصیتوں کی یادگار کا طریقہ

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جن بڑی شخصیتوں نے تاریخ کے شاندار اوراق پر اپنے کارنامے ثبت کیے ہیں ان کے احسانات کا بدلہ اُمت ان کے مادی مجسمے کھڑے کر کے ادا نہ کرے کہ یہ مجسمے ان کے فضل و شرافت کی یاد آنے والی نسلوں کو دلاتے

❶ بخاری کتاب اللباس: باب نقض الصور، ح: ۵۹۵۳۔ مسلم حوالہ سابق، ح: ۲۱۱۱۔

رہیں؟ قوموں کے ذہن سے اکثر ایسی محو ہوتی رہتی ہیں اور لیل و نہار کا چکر انہیں بھلاوے میں ڈال دیتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام شخصیتوں کی تعظیم کے معاملہ میں غلو کو ناپسند کرتا ہے، خواہ ان کا مرتبہ کتنا ہی بلند ہو اور خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((أَلَا لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطَرَتِ النَّصَارَى عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ قُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ)) ❶

”میری تعریف میں غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی غلو آمیز تعریف کی، میں تو محض اس کا بندہ ہوں۔ لہذا تم کہو: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے لیے احتراماً کھڑے ہونا چاہتے تھے لیکن آپ ﷺ نے انہیں اس سے منع کر دیا اور فرمایا:

((لَا تَقْوُمُوا كَمَا تَقْوُمُ الْأَعَاجِمُ يَعْظُمُ بَعْضُهَا بَعْضًا)) ❷

”عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہو جایا کرو وہ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔“

آپ ﷺ نے امت کو متنبہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد وہ آپ ﷺ کی شان میں غلو نہ کریں۔ فرمایا:

((لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيْدًا)) ❸

”میری قبر کو جشن گاہ نہ بنانا۔“

اور خود اپنے رب سے اس طرح دعا فرمائی:

((اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ)) ❹

❶ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: باب قول الله تعالى (واذكر في الكتاب مريم.....) ح: ۳۴۴۵-۶۸۳۰.

❷ ابوداؤد، کتاب الادب: باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك ح: ۵۲۳۰ (واسناده ضعيف)

❸ ابوداؤد، کتاب المناسك: باب زيارة القبور ح: ۲۰۴۲.

❹ موطا امام مالك (۱/۱۷۲) کتاب قصر الصلوة فی السفر: باب جامع الصلوة ح: ۸۵ مرسلًا. ورواه احمد (۲/۲۴۶) وغيره، من حديث ابی هريرة رضي الله عنه.

”اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا کہ اس کی پرستش کی جانے لگے۔“

کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس طرح مخاطب ہوئے: ”اے اللہ کے رسول! اے ہماری بہترین شخصیت! اے ہماری بہترین شخصیت کے صاحبزادے! اے ہمارے سردار اور اے ہمارے سردار کے صاحبزادے!“ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا بِقَوْلِكُمْ أَوْ بَعْضُ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، مَا أَحَبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ. )) ❶

”لوگو! جس طرح تم مجھے خطاب کرتے رہے ہو اسی طرح کرو۔ شیطان تمہیں فریب میں مبتلا نہ کرے۔ میں محمد اللہ بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نہیں پسند کرتا کہ جو

مقام مجھے اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے بلند مقام تم میرے لیے تجویز کرو۔“

انسان کی تعظیم کے سلسلہ میں اسلام کا موقف یہ نہیں ہے کہ شخصیتوں کے مجتہد بت کی طرح نصب کیے جائیں اور ان پر ہزار ہا روپیہ خرچ کیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرف تعظیم اور احترام کے ساتھ اشارہ کریں۔ عظمت کے جھوٹے دعویدار اور باطل تاریخ سازی کرنے والے اس ہتھکنڈے سے کام لے کر قوموں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں اپنے حقیقی زعماء سے آشنا ہونے نہیں دیتے۔

حقیقی دوام جس کے مؤمن منتظر ہوتے ہیں وہ اللہ کے پاس ہے جو تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جس سے بھول چوک سرزد نہیں ہوتی۔ اور کتنی عظیم شخصیتوں کے نام اس کے نزدیک دوام کے رجسٹر میں لکھے گئے لیکن مخلوق کے نزدیک وہ غیر معروف رہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو نیک، متقی اور گمنام ہوں۔ جب وہ کسی مجلس میں موجود ہوں تو انہیں پہچانا نہ جاسکے اور جب غائب ہوں تو اُن کو کوئی تلاش کرنے والا نہ ہو۔ اگر لوگوں کے پاس دوام مطلوب ہی ہے تو یہ مجتہد کھڑے کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

❶ مسند احمد (۱۵۳/۳)۔ نسائی فی الکبریٰ (۶/۷۱۷۰) ح: (۱۰۷۷/۱۰۷۸) وفی عمل

الیوم واللیلة (۸: ۲۴۹-۲۵۰)۔ مسند عبد بن حمید (۱۳۳۷/۱۳۰۹)

اس کا واحد طریقہ جو اسلام کے نزدیک پسندیدہ بھی ہے، یہ ہے کہ ان شخصیتوں کی یاد دل و دماغ میں راسخ ہو اور زبانوں پر جاری ہو جائے۔ انہوں نے جو نیک کام کیے اور جو نیک آثار چھوڑے ان کے پیش نظر آنے والی نسلوں میں ان کے لیے سچائی کی زبانیں بلند ہوتی رہیں گی۔

رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، قائدین اسلام اور ائمہ عظام کی یادگاریں مادی تصاویر کے ذریعہ قائم نہیں کی گئیں اور نہ اُن کے لیے پتھر کے مجسمے تراشے گئے بلکہ خلف اپنے سلف اور اولاد اپنے آباء سے اُن کے کارنامے اور مناقب سیدہ بہ سیدہ منتقل کرتی رہی زبانوں پر اُن کا ذکر خیر ہوتا رہا، محفلیں ان کے تذکروں سے مہک اٹھیں اور دل و دماغ ان کے کارناموں سے مسحور ہو گئے۔ کتنی عظیم یادگاریں تصویر اور مجسمہ کے بغیر ہی قائم ہو گئیں! ❶

بچوں کے کھلونے جائز ہیں

کچھ مجسمے ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہ تعظیم مقصود ہوتی ہے اور نہ تعیش اور نہ ان سے وہ اندیشے لاحق ہوتے ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا۔ ایسے مجسموں کے بارے میں اسلام نے کسی تنگی کا ثبوت نہیں دیا۔

اس کی مثال چھوٹے بچوں کے کھلونے ہیں جو گڑیا، بلی وغیرہ جانداروں کی شکل میں بنائے جاتے ہیں۔ یہ بے وقعت بھی ہو سکتے ہیں اور ان کو بچے بس کھیلنے کے کام میں لاتے ہیں۔ اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كُنْتُ الْعَبُّ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَ يَأْتِينِي صَوَاحِبُ لِي، فَكُنَّ يَتَّقِمْنَ خَوْفًا مِّنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ يُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ، فَيَلْعَبْنَ مَعِيَ)) ❷

❶ ایسے جانداروں اور سرکف تاریخ کے روشن چہرے پر کارنامے ثبت کرنے والے اور اخلاص کا بیج بوٹنے والے، ان کی یادگاریں ان کی چھوڑی ہوئیں کتابیں، ان کی سوانح پر لکھی گئی کتابیں بھی بہترین یادگار ہوتی ہیں، ان کے قائم کردہ علمی مراکز بھی ان کی یادگار کے منہ بولتے ہیں، جس کی مثالیں احاطہ تحریر و بیان سے باہر ہیں۔

❷ بخاری، کتاب الادب: باب الانبساط الى الناس، ح: ۶۱۳۰۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل ام المؤمنين عائشہ رضی اللہ عنہا، ح: ۲۴۴۰۔



”میں لڑکیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کھیلا کرتی تھی۔ میری سہیلیاں آتیں اور رسول اللہ ﷺ کے خوف سے چھپ جاتیں۔ حالانکہ آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیتے۔ پھر وہ میرے ساتھ کھیلا کرتیں۔“

دوسری روایت میں ہے:

((إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا يَوْمًا: مَا هَذَا؟ قَالَتْ بَنَاتِي۔ قَالَ: مَا هَذَا الَّذِي فِي وَسْطِهِنَّ؟ قَالَتْ: فَرَسٌ، قَالَ: مَا هَذَا الَّذِي عَلَيْهِ؟ قَالَتْ جَنَاحَان۔ قَالَ: فَرَسٌ لَهُ جَنَاحَان؟ قَالَتْ: أَوْ مَا سَمِعْتَ أَنَّهُ كَانَ لِسُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ خَيْلٌ لَهَا أَجْنَحَةٌ؟ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاحِذُهُ)) ❶

”نبی ﷺ نے ایک دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میری گڑیاں ہیں۔ پوچھا: ان کے درمیان میں کیا چیز ہے؟ کہا: یہ گھوڑا ہے۔ پوچھا: اس گھوڑے کے اوپر کیا چیز ہے؟ کہا: دو پر ہیں۔ فرمایا: گھوڑا اور اس کے پر بھی! سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا سیدنا سلیمان بن داود کے گھوڑے پر والے تھے؟ یہ سن کر نبی ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک دکھائی دینے لگے۔“

ان گڑیوں سے، جن کا ذکر حدیث میں ہوا بچے کھیلا کرتے ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو شادی کے وقت بالکل کم سن تھیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں:

”مذکورہ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بچوں کو اس قسم کے مجسموں سے کھیلنے دینا جائز ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ بچوں کے لیے اس کو خرید کر لانا مکروہ خیال کرتے تھے۔ اور قاضی عیاض کا قول ہے کہ چھوٹی بچیوں کا گڑیوں سے کھیلنا جائز ہے۔“ ❷

❶ ابو داود، کتاب الادب: باب اللعب بالبنات، ج: ۴۹۳۲۔

❷ نیل الاوطار ۶-۲۳۲۔

اور بچوں کے کھلونوں میں وہ مجتہد بھی شامل ہیں جو مٹھائی سے بنائے جاتے ہیں اور تہواروں وغیرہ کے موقع پر فروخت کیے جاتے ہیں۔ بچے تھوڑی دیر ان سے کھیلتے ہیں اور اس کے بعد ان کو کھالیتے ہیں۔  
ناقص اور مسخ شدہ مجتہد

حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے گھر میں داخل ہونے سے اس لیے رُک گئے تھے کہ آپ ﷺ کے گھر کے دروازہ پر ایک مجسمہ تھا۔ دوسرے دن بھی داخل نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ سے کہا:

((مُرَبْرَأْسِ التَّمْثَالِ فَلْيَقْطَعْ حَتَّى يَصِيرَ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ)) ❶

”مجسمہ کا سر کٹا دیجئے اس طرح کہ درخت کی شکل میں مجسمہ رہ جائے۔“

علماء کے ایک گروہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ حرام تصویر وہ ہے جو مکمل ہو، لیکن جس تصویر کا ایسا عضو غائب ہو جس کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے تو وہ جائز ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام نے مجسمہ کا سر اڑا دینے کے لیے کہا تھا کہ وہ درخت کی شکل میں رہ جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتبار کسی ایسے عضو کے ختم کرنے کا نہیں ہے جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں، بلکہ اعتبار مسخ کر دینے کا ہے تاکہ وہ ایسی شکل میں باقی ہی نہ رہے کہ اسے دیکھ کر تعظیم کے جذبات پیدا ہونے لگیں۔

اگر ہم غور و فکر کریں اور انصاف سے کام لیں تو کسی شک و شبہ کے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ نصف مجتہد جن کو بادشاہوں اور لیڈروں کی یادگار کے طور پر میدانوں میں نصب کیا جاتا ہے حرمت میں ان چھوٹے اور مکمل مجتہدوں سے بڑھ کر ہیں جو گھروں میں زینت کے لیے رکھے جاتے ہیں۔

❶ ابوداؤد کتاب اللباس: باب فی الصور، ح: ۴۱۵۸۔ ترمذی کتاب الادب: باب ماجاء ان الملائكة لا تدخل بیتا... ح: ۲۸۰۶۔ نسائی کتاب الزینة: باب ذکر اشد الناس عذابا۔ ح:

## غیر مجسم تصویریں

یہ تو ہوا تماثیل (مجسموں) کے بارے میں اسلام کا موقف۔ اب سوال یہ ہے کہ ان فنی تصویروں کا کیا حکم ہے جو کاغذ، کپڑے، پردہ، دیوار، فرش اور نقدی وغیرہ پر بنائی جاتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ تصویر فی نفسہ کس چیز کی ہے؟ اسے کہاں رکھا جائے گا؟ کس طرح استعمال کیا جائے گا؟ اور مصور نے اس کو کس غرض سے بنایا ہے؟

اگر یہ فنی تصویریں معبودان غیر اللہ کی ہیں؛ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر جن کو نصاریٰ نے معبود بنالیا ہے یا گائے کی تصویر جس کو ہندو پوجتے ہیں تو اس قسم کی تصویریں بنانے والا جو اسی مقصد سے تصویریں بناتا ہے، کافر ہے اور کفر و گمراہی کی اشاعت کرنے والا ہے۔ ایسے ہی مصوروں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے شدید وعید سنائی ہے:

((إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ)) ❶

”قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب مصوروں کو ہوگا۔“

امام طبری فرماتے ہیں:

”یہاں مراد وہ مصور ہے جو کسی ایسی چیز کی تصویر بناتا ہے جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس کا دانستہ طور پر اسی غرض کے لیے تصویر بنانا کفر کے مترادف ہے۔ لیکن جو شخص اس مقصد سے نہیں بلکہ کسی اور مقصد سے تصویر بناتا ہے تو وہ صرف گنہگار ہے۔“ ❷

اسی طرح اس شخص کا معاملہ جو تصویر کو مقدس سمجھ کر آویزاں کرتا ہے۔ یہ حرکت کسی مسلمان سے صادر نہیں ہو سکتی الا یہ کہ وہ اسلام کو پس پشت ڈال دے۔ اس سے مماثلت رکھنے والی شکل یہ ہے کہ تصویر کسی ایسی چیز کی بنائی جائے جس کی

❶ بخاری، کتاب اللباس: باب عذاب المصورین يوم القيامة، ج: ۵۹۵۰۔ مسلم، کتاب اللباس:

باب تحريم تصوير صورة الحيوان، ج: ۲۱۰۹۔

❷ فتح الباری ۱۰-۳۸۳۔

پرستش نہیں کی جاتی لیکن مقصود اللہ کی تخلیق کی مشابہت ہو، یعنی تصویر بنانے والا اس بات کا مدعی ہو کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح تخلیق و ایجاد کا کام کرتا ہے۔ ایسا شخص اپنے اس قصد و ارادہ کی بنا پر دین توحید سے خارج ہو جاتا ہے اور ایسے ہی مصوروں کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

((إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا الَّذِينَ يُضَاهَوْنَ بِخَلْقِ اللَّهِ)) ❶

”سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں۔“ (مسلم)

یہ معاملہ صرف مصور کی نیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور غالباً اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

((وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ ذَرَّةً.))

”اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے لگے۔

یہ لوگ ایک دانہ یا ایک ذرہ ہی پیدا کر دکھائیں۔“ ❷

یہ الفاظ مشابہت کا قصد کرنے اور الوہیت کی خصوصیت (یعنی تخلیق و ایجاد) میں ہمسری کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج کیا ہے کہ وہ ایک دانہ یا ایک ذرہ ہی پیدا کر دکھائیں۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ کام اسی قصد کے ساتھ انجام دیا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو اس کا بدلہ یہ دے گا کہ علی رؤس الاشهاد (تمام لوگوں کے سامنے) ان سے اپنی تخلیقات میں جان ڈالنے کے لیے کہا جائے اور وہ ان میں کبھی جان نہیں ڈال سکیں گے۔

من جملہ ان تصاویر کے جن کا بنانا اور رکھنا حرام ہے، ان شخصیتوں کی تصویریں بھی ہیں جنہیں مذہبی لحاظ سے مقدس سمجھا جاتا ہے یا دنیوی (و سیاسی) لحاظ سے جن کو قابل تعظیم

❶ بخاری، کتاب اللباس: باب ما وطنی من التصاویر، ح: ۵۹۵۴۔ مسلم، حوالہ سابق، ح:

۲۱۰۷/۹۲۔

❷ بخاری، کتاب اللباس: باب نقض الصور، ح: ۵۹۵۳۔ مسلم، حوالہ سابق، ح: ۲۱۱۱۔

خیال کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کی تصویروں کی مثال انبیاء ملائکہ اور صالحین کی تصویریں ہیں، جیسے سیدنا ابراہیمؑ، سیدنا اسحاقؑ، سیدنا موسیٰؑ، سیدہ مریم اور سیدنا جبرائیلؑ کی تصویریں۔ ان کا رواج نصاریٰ کے ہاں ہے اور ان کی تقلید بعض مسلمان بدعتیوں نے بھی کی ہے چنانچہ سیدنا علی اور سیدہ فاطمہؑ کی تصویریں انہوں نے بنا ڈالی ہیں۔

اور دوسری قسم کی تصویروں کی مثال بادشاہوں، زعماء اور فن کاروں کی تصویریں ہیں۔ ان کا گناہ پہلی قسم کی تصویریں بنانے کی بہ نسبت کم ہے۔ لیکن گناہ کی شدت اس صورت میں بڑھ جاتی ہے جبکہ کافروں، ظالموں اور فاسقوں کی تصویریں بنائی جائیں مثلاً ان حاکموں کی تصویریں جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے بغیر فیصلے کرتے ہیں، ان زعماء کی تصویریں جو اللہ کے پیغام کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور ان فن کاروں کی تصویریں جو باطل کو فروغ دیتے اور لوگوں کے اندر بے حیائی اور بد اخلاقی پھیلاتے ہیں۔

عہد رسالت اور بعد کے زمانے میں تصویریں زیادہ تر تقدیس و تعظیم کے لیے ہوتی تھیں اور یہ اکثر روم اور فارس یعنی نصاریٰ اور مجوس کی بنائی ہوئی ہوتی تھیں اس لیے وہ مذہبی عقیدت اور حکمرانوں کی تقدیس کے اثرات سے پاک نہیں ہوتی تھیں۔ سیدنا ابوالضحیٰ فرماتے ہیں:

((كُنْتُ مَعَ مَسْرُوقٍ فِي بَيْتٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ فَقَالَ لِي مَسْرُوقٌ هَذِهِ تَمَاثِيلُ كِسْرَى؟ فَقُلْتُ لَا، هَذِهِ تَمَاثِيلُ مَرْيَمَ، كَانَ مَسْرُوقًا ظَنَّ أَنَّ التَّصْوِيرَ مِنْ مَجُوسٍ، وَكَانُوا يَصُورُونَ صُورَ مُلُوكِهِمْ حَتَّى فِي الْآوَانِي، فَظَهَرَ أَنَّ التَّصْوِيرَ كَانَ مِنْ نَصَارَى وَفِي هَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ مَسْرُوقٌ، سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ يَقُولُ: إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللَّهِ الْمُصَوِّرُونَ)) ❶

”میں مسروق کے ساتھ ایک گھر میں تھا جس میں تماثیل تھیں۔ ان کو دیکھ کر مسروق نے مجھ سے کہا: کیا یہ کسریٰ کی تماثیل ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، بلکہ سیدہ

❶ مسلم، کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورة الحيوان، ج: ۲، ص: ۲۱۰۹۔

مریم کی تمائشیں ہیں۔ گویا مسروق کا خیال تھا کہ یہ تصویریں مجوس کی بنائی ہوئی ہوں گی کیونکہ مجوس برتنوں وغیرہ پر اپنے بادشاہوں کی تصویریں بنایا کرتے تھے۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ تصویریں نصرانیوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس قصہ میں مسروق نے کہا: میں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ”اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عذاب کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو تصویریں بناتے ہیں۔“

ان کے علاوہ جو تصویریں غیر ذی روح کی ہوں مثلاً نباتات، درخت، دریا، جہاز، پہاڑ، چاند، سورج، ستارے وغیرہ قدرتی مناظر کی تو ان کے بنانے اور رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور اس معاملہ میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

اور اگر تصویر کسی ذی روح کی ہو اور اس سے شرک وغیرہ کے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو جس کا بیان اوپر گزر چکا، یعنی کوئی ایسی تصویر نہ ہو جس کی تقدیس و تعظیم کی جاتی ہے اور نہ اس سے تخلیق الہی کی مشابہت مقصود ہو، تو راقم السطور کی رائے میں ایسی تصویر حرام نہیں ہے اور اس کی تائید صحاح کی درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

((عَنْ أَبِي طَلْحَةَ صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْمَلِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ۔ قَالَ بُسْرُثُمُ اشْتَكَى زَيْدٌ بَعْدُ، فَعَدَنَاهُ فَإِذَا عَلَى بَابِهِ سَتْرٌ فِيهِ صُورَةٌ۔ قَالَ فَقُلْتُ لِعُبَيْدِ اللَّهِ الْخَوْلَانِيُّ رَيْبِ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَلَمْ يُخْبِرْنَا زَيْدٌ عَنِ الصُّورِ يَوْمَ الْأَوَّلِ؟ فَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ أَلَمْ تَسْمَعْهُ حِينَ قَالَ «إِلَّا رَقْمًا فِي ثَوْبٍ» ❶

ابوطالحہ رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ملائکہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔“ بسر کہتے ہیں: بعد میں جب

❶ بخاری، کتاب اللباس: باب من کره القعود على الصور، ح: ۵۹۵۸۔ مسلم، حوالہ سابق، ح:

زید بیمار ہو گئے اور ہم ان کی عیادت کے لیے گئے تو ان کے دروازہ کے پردہ پر تصویر تھی۔ میں نے عبید اللہ خولانی سے جو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ربیب (زیر کفالت) تھے کہا کہ زید نے ہمیں تصویروں کے بارے میں پہلے دن کیا بات بتائی تھی؟ عبید اللہ نے جواب دیا: ”جس وقت انہوں نے حرمت کی بات کہی تھی اس وقت اس استثناء کا بھی تذکر کیا تھا کہ ”الا یہ کہ کپڑے میں نقش ہو۔“

((عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ يَعُوذُهُ فَوَجَدَ عِنْدَهُ سَهْلَ بْنَ حَنِيفٍ قَالَ: فَدَعَا أَبُو طَلْحَةَ إِنْسَانًا يَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهُ فَقَالَ لَهُ سَهْلٌ: لِمَ تَنْزِعُهُ؟ قَالَ: لِأَنَّ فِيهِ تَصَاوِيرٌ وَقَالَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ مَا قَدْ عَلِمْتُ قَالَ سَهْلٌ أَوَلَمْ يَقُلْ: إِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ؟ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: بَلَى وَلَكِنَّهُ أَطِيبُ لِنَفْسِي)) ❶

”سیدنا عتبہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو موجود پایا۔ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا کہ وہ نیچے سے دری نکال لیں۔ یہ سن کر سہل نے کہا ”اسے کیوں نکالتے ہو؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ اس میں تصویریں بنی ہیں اور نبی ﷺ نے تصویروں کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے آپ واقف ہی ہیں۔ سہل نے کہا: آپ ﷺ نے یہ بھی تو فرمایا ہے ”الا یہ کہ کپڑے میں نقش ہو۔“ ابو طلحہ نے کہا ”صحیح ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اس کو ہٹا دینا بہتر ہوگا۔“

کیا یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ حرام تصویروں سے مراد مجسمے ہیں جن کو تماثل کہتے ہیں!

لیکن جو تصویریں تختیوں پر بنائی جاتی ہیں یا کپڑے فرش دیوار وغیرہ پر، جن کو منقش کیا

❶ ترمذی: کتاب اللباس: باب ماجاء فی الصورۃ ح/ ۱۸۵۰۔ نسائی: کتاب الزینۃ: باب التصاویر ح/ ۵۳۵۱۔

جاتا ہے ان کی حرمت کسی ایسی حدیث سے ثابت نہیں ہے جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی، نیز وہ کسی دوسری حدیث سے متعارض بھی نہ ہو۔

البتہ ایسی صحیح حدیثیں موجود ہیں جن میں نبی ﷺ نے اس قسم کی تصاویر کے بارے میں ناگواری کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ اس میں عیش پسندوں اور دُنیوی مفاد کے پرستاروں کے ساتھ مشابہت کا پہلو ہے۔

((عَنْ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تَدْخُلُ الْمَلِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَمَائِيلُ، قَالَ فَاتَيْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ: إِنَّ هَذَا يُخْبِرُنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَا تَدْخُلُ الْمَلِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَمَائِيلُ، فَهَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ذَكَرَ ذَلِكَ؟ فَقَالَتْ لَا..... وَلَكِنْ سَأَحَدُكُمْ مَا رَأَيْتُهُ فَعَلَ، رَأَيْتُهُ خَرَجَ فِي غُزَاتِهِ فَأَخَذَتْ نَمَطًا فَسَتَرَتْهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ عَرَفَتْ الْكَرَاهِيَةَ فِي وَجْهِهِ فَجَذَبَهُ حَتَّى هَتَكَهُ أَوْ قَطَعَهُ وَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُو الْحِجَارَةَ وَالطِّينَ. قَالَتْ فَقَطَعْنَا مِنْهُ وَسَادَتَيْنِ وَحَشَوْنَهُمَا لِيُفَا فَلَمْ يَعِْبْ ذَلِكَ عَلَيَّ)) ❶

”سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتاب یا مجسمے ہوں۔ راوی زید بن خالد کہتے ہیں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا کہ ابو طلحہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”ملائکہ کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتاب یا مجسمے ہوں۔ کیا آپ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ فرمایا: نہیں..... لیکن میں نے آپ ﷺ کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ بیان کرتی ہوں۔ آپ ﷺ کہ: غزوہ پر تشریف

❶ سنن کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورة الحيوان ح: ۸۷/۲۱۰۶، ۲۱۰۷



لے گئے تھے میں نے ایک چادر لی اور دروازہ کو پردہ لگا دیا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور چادر کو دیکھا تو آپ ﷺ کے چہرہ سے ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے پھر آپ ﷺ نے چادر کو کھینچ کر اسے پھاڑ ڈالا اور فرمایا: ”اللہ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑوں سے آراستہ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”ہم نے اس سے دو تکیے بنالیے اور اس میں کھجور کی چھال بھر دی۔ پھر آپ ﷺ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔“ ❶

❶ **تنبیہ:** ... مصنف کی ذکر کردہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث دو چیزوں پر دلالت کرتی ہے:

یہ کہ تصویریں لگانا حرام ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اس پردہ کو پھاڑ دیا تھا۔ اور یہ واضح ہے کہ کپڑا پھاڑ دینے سے مال تلف ہوتا ہے اور یہ تب ہی جائز ہو سکتا ہے جب کوئی چیز حرام ہو اور اس سے زجر و توبخ اور ترہیب کرنا (مقصود ہو)۔ یہ ہے کہ دیواروں کو پردوں سے ڈھانپنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ خواہ وہ پردے تصویر والے نہ بھی ہوں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھروں اور مٹی کو پوشش پہنانے کا حکم نہیں دیا۔ معمولی غور و فکر سے اس حدیث سے یہی معنی ظاہر ہوتا ہے۔ اور آداب زفاف میں اس حدیث کی شرح میں جو ہم نے لکھا ہے علماء نے بھی یہی مفہوم لیا ہے۔ (صفحہ نمبر ۱۱۹ رقم ۱۲۵)

لیکن مؤلف رحمہ اللہ پر دونوں معاملات گڈ نہ ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں کو ایک ہی قرار دے دیا ہے اور نبی ﷺ کا مذکورہ فرمان انہوں نے ان پردوں پر قیاس کر لیا ہے جن پر تصویریں ہوں۔ اس پر یقین رکھتے ہوئے تصویریں لگانے کو کراہت تشریحی پر محمول کیا ہے۔ اور اس پردے کو پھاڑنے کا عمل جو نبی ﷺ نے کیا ہے، ادھر توجہ مبذول نہیں فرمائی۔ اور نہ ہی نبی ﷺ کے اس قول کی جانب التفات کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھروں اور مٹی ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا۔“ کہ یہ مطلق حکم ہے اور اس کا مطلب ہے کہ نبی ﷺ کی مراد یہ بھی ہے کہ تصویروں کے بغیر بھی دیواروں پر پردے نہ ڈالیں۔

پھر مؤلف اس نتیجے پر پہنچے کہ اسے بعض ائمہ کی جانب منسوب کیا ہے جو کہ انہوں نے کہا نہیں بلکہ ان کے قول کے خلاف ہے۔ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ کراہت تشریحی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان دیواروں کو لباس پہنانے کی ممانعت ہے۔ یہ وہ ہیں جن پردوں پر تصاویر ہوں۔“ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا“ یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ نہ تو واجب ہے، نہ ہی مہدوب ہے اور نہ ہی تحریم کا تقاضا کرتا ہے۔“

میں کہتا ہوں امام نووی رحمہ اللہ نے یہ کسی اور معاملہ میں کہا ہے کہ دیواروں کو پردوں سے ڈھانپنا منع ہے۔ یہ تصویروں کے بارے میں نہیں۔ اور تصویروں کے بارے میں آپ کا قول صریح طور پر حرام ہونے کا تقاضا ہے۔

اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو حکم اخذ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ دیواروں وغیرہ کو تصویر والے پردوں سے آراستہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿﴾ کرتا ہے۔ میں نے ان کی گفتگو حدیث نمبر (۱۳۴) کے تحت نقل کی ہے۔ انہوں نے بہت تاکید کے ساتھ اس حدیث کی شرح میں دونوں باتوں کے درمیان تفریق کی ہے۔

کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا ”کہ آپ ﷺ نے پردہ پھاڑ دیا“ اس کا مطلب ہے کہ اسے کاٹ دیا اور تصویریں تلف کر دیں۔ یہ بعد والی روایات اس کی وضاحت کرتی ہیں کہ اس پردہ میں پروں والے گھوڑے کی تصویریں تھیں۔ اس میں برائی کو ہاتھ سے روکنے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اور اس پر بھی کہ حرام تصویریں پھاڑ دی جائیں۔ اور یہ بھی دلیل ہوئی کہ برائی پر اظہار غضب و ناراضی درست ہے۔

لیکن نبی ﷺ نے جب پردہ کھینچا اور اسے دور کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھروں اور مٹی کو لباس پہنانے کا حکم نہیں دیا، اس حدیث سے علمائے کرام نے استدلال کیا ہے کہ دیواروں پر پردے ڈالنا اور گھروں کو کپڑوں سے ستوارنا منع ہے، یہ ممانعت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں۔ یہی صحیح بات ہے۔

ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو فتح نصر مقدسی فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے۔ حالانکہ حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کے حرام ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ حقیقی الفاظ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے ہمیں پتھروں اور مٹی کو ڈھانچنے کا حکم نہیں دیا۔

**تنبیہ نمبر ۱:**..... حدیث بیان کرنے کے بعد مؤلف فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی ﷺ نے تصویروں والے پردے کاٹنے کا حکم نہیں دیا صرف ہٹانے کا حکم دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے پردے کا وجود گھر میں برقرار رکھا ہے جس میں پرندے وغیرہ کی تصویریں تھیں۔

میں کہتا ہوں:..... پردہ آپ ﷺ نے برقرار نہ رکھا تھا بلکہ اسے پھاڑ دیا تھا، جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے، لیکن وہ پردہ جس میں مورتیاں تھیں، یہ صحیح ہے کہ اسے برقرار رکھا تھا، لیکن یہ کب ہوا تھا اس کے حرام ہونے سے پہلے تھا یا بعد میں تھا، اگر حرام قرار دیے جانے سے پہلے تھا تو اس سے فقط کراہت پر استدلال کرنا درست نہیں۔ جیسا کہ مؤلف کا مذہب ہے۔ کیونکہ یہ تحریم تھا۔ اگر اس کے بعد کا تھا تو پھر کراہت پر استدلال کرنا درست ہے۔ لیکن اسے ثابت کرنا ممکن نہیں۔

تو پھر جمع و تطبیق کی صورت ہی باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ قاعدہ ہے کہ تعارض کی صورت میں یا جہالت تاریخ کی صورت میں منع والے حکم کو جائز والے حکم پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ امام نووی نے یہی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

یہ حکم ہے کہ جس پردہ میں تصویر ہو اس کی حرمت سے پہلے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس آخری مرتبہ سے پہلے بھی رسول اللہ ﷺ اس گھر میں داخل ہوتے اور دیکھتے تھے لیکن اس کا انکار نہ کرتے تھے۔

﴿﴾ **تنبیہ نمبر ۲:**..... مؤلف اپنے سابقہ کلام کے بعد فرماتے ہیں:

”حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں جو حرمت کی متقاضی ہو کیونکہ حدیث کے الفاظ ”اللہ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا ہے۔“ سے واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ مندوب ہونا اور نہ ہی اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔“ ①

ایسی ہی ایک روایت مسلم کی ہے جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ لَنَا سِتْرٌ فِيهِ يَمْتَلَأُ طَائِرٌ وَكَانَ الدَّخِيلُ إِذَا دَخَلَ اسْتَقْبَلَهُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَوْلِي هَذَا فَإِنِّي كُلَّمَا دَخَلْتُ قَرَأْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا.)) ②

ہمارے پاس ایک پردہ تھا جس پر پرندہ کی تصویر تھی، جب کوئی شخص داخل ہوتا تو اس کی نظر اس پر پڑتی۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسے ہٹا دو کیونکہ جب میں اندر داخل ہوتا ہوں تو میری نظر اس پر پڑتی ہے اور دنیا یاد آ جاتی ہے۔“

آپ ﷺ نے اسے پھاڑنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ اسے ہٹا دو۔ یہ اس لیے کہ آپ ﷺ ایسی چیزوں کو جو عام طور سے دُنیا اور سامانِ زینت کو یاد دلاتی ہیں، اپنے سامنے رکھیں۔ ”اس قسم کی احادیث کی بناء پر بعض سلف کہتے ہیں۔ ممانعت ان تصویروں کی ہے جن کا سایہ ہو۔ اور جن تصویروں کا سایہ نہیں ان میں کوئی حرج نہیں۔“

میں کہتا ہوں:..... یہ قاسم بن محمد کا قول ہے اور کسی کا نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ باطل مذہب ہے۔ جیسا کہ نمبر (۱۳۵) حدیث کے تحت گزرا ہے۔ مصنف نے یہاں امام نووی سے اس لیے نقل کیا ہے تاکہ وضاحت میں اس کا تعاقب کر سکے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا تعاقب کیا ہے۔ قاسم بن محمد جو مدینہ منورہ کے فقہاء میں سے ہے اور اپنے وقت کے سربراہِ آوردہ عالم دین تھے۔ یہ مذہب صحیح سند سے ان سے منقول ہے۔ میں کہتا ہوں:.....“ حافظ ابن حجر کا یہ تعاقب ایک صورت میں ہی تعاقب ہے جب اس کی گفتگو میں غور و فکر کیا جائے تو اس کی تصدیق ہوتی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ نووی پر اس وجہ سے تنقید کرتے ہیں کہ انہوں نے مطلقاً اس مذہب کو باطل قرار دے دیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنے تعاقب کے آخر میں کہا ہے۔“

اس بارے میں وارد احادیث کو آپس میں جمع و توفیق کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب مروج ہے کیونکہ قاسم نے جن تصویروں میں رخصت دی ہے یہ وہ ہیں جو پامال کی جائیں لیکن ان کی رخصت نہیں دی جو گاڑی یا گھردار میں آویزاں کی جاتی ہیں۔“ (ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

① شرح مسلم ۸۶-۸۷۔

② مسلم کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورة الحيوان ح: ۸۸/۲۱۰۷۔

دیکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ❶

**❶ تنبیہ:** اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ یہ تصویریں ذی روح (جاندار) کی تھیں۔ مصنف کا اس سے استدلال پکڑنا صحیح نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس پردے کا وجود اپنے گھر میں برقرار رکھا جس میں تصویریں تھیں۔ یہ تب ہی کیا تھا جبکہ آپ کے سامنے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ پوری ذی روح چیزوں کی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حرام قرار دینے سے پہلے کی بات ہے جیسا کہ اس سے پہلی والی حدیث میں گزر چکا ہے۔

**تنبیہ:** مصنف نے اس حدیث کو یہاں دوبارہ اس لیے بیان کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس کے مذہب کی تائید ہو جائے جو مجسم تصویروں کو ہی حرام قرار دیتے ہیں۔ غیر مجسم کو حرام نہیں کہتے ہیں جس طرح ہمارا مشاہدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کو تخلیق کرنا سطح پر تصویر مراد نہیں بلکہ وجود والی مجسم تصویریں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وہی ہے اللہ جو تمہاری ماؤں کے رحموں میں تمہاری تصویر کشی کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔“

(آل عمران: ۶/۳)

میں کہتا ہوں: ”اگر یہ منطق صحیح تصور کر لی جائے تو یہ مجسم تصویر کے بھی جائز ہونے تک پہنچا دے گی۔“ اس کی وضاحت یوں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا مخلوق کو پیدا کرنا کوئی پیدا کرنا نہیں جیسا کہ مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں روح نہ ہو بلکہ اس کا پیدا کرنا تو زندہ و متحرک ہے۔ اس کا دل ہے جو دھڑکتا ہے اور اس کے جواز اور انضاء میں۔

جبکہ مصور اس مخلوق کے ظاہر کی تصویر بناتا ہے مگر بنانا ہر طرف سے ہے۔ اسی طرح سطح بنانے والا مصور بھی ظاہر ہی کی تصویر بناتا ہے لیکن یہ ایک جانب سے بناتا ہے۔ مجسم تصویر اور غیر مجسم تصویر میں یہی فرق ہے۔ جب یہ فرق ہے تو یہ محض شکلی فرق ہے تو اس کے تقاضا کو مد نظر رکھتے ہوئے مصنف نے غیر مجسم تصویر کی اجازت دی ہے جبکہ اس سے لازم آتا ہے کہ وہ مجسم تصویر کو بھی جائز قرار دیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیداوار میں ظاہری مشابہت ہے حقیقی نہیں۔ اور جس چیز سے ایک باطل لازم آتا ہو تو اسے اپنانا بھی باطل ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مجسم تصویر اس ظاہری مشابہت ہی کی وجہ سے حرام قرار دی گئی ہے اس لیے تو مجسم تصویر بنانے والے سے کہا جائے گا (توبخ و ڈانٹ پلاتے ہوئے) جو تم نے پیدا کیا ہے اسے زندہ کرو۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ تو غیر مجسم تصویر بھی حرام قرار دینے کے لیے ہماری جھٹ ہے کیونکہ اس میں ظاہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی فرق ہے کہ مجسم تصویر میں مشابہت مکمل پائی جاتی ہے اور غیر مجسم میں مکمل نہیں پائی جاتی۔ یہی فرق کامل صورتوں و ناقص صورتوں میں ہے۔ اس سے ایک دوسری کا جواز تو نہیں نکلتا اور نہ ہی حرام قرار دینے کے حکم میں کوئی تفریق پیدا ہوتی ہے۔ حرام ہونے میں دونوں برابر ہیں جیسا کہ مؤلف نے صفحہ (۹۰ رقم ۸۹) کے تحت ثابت کیا ہے۔

﴿﴾

خاص طور سے اس لیے بھی کہ آپ سنتیں اور نفل نمازیں گھر ہی میں ادا کرتے تھے۔ اس قسم کی تصاویر و تماثیل والی چادریں اور پردے انسان کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں خشوع کا اہتمام کرنے اور مناجات کی طرف متوجہ ہونے سے دل غافل ہو جاتا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ

أَمِيطِيهِ عَنِّي فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تُعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي)) ❶

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا جسے وہ گھر کے ایک جانب لگا یا کرتی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو ہٹا دو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے ہوتی ہیں۔“

اس سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے پردہ کے وجود کو جس میں پرندہ کی تصویر تھی اور دوسری تصویروں والے پردہ کو بھی برداشت کر لیا۔ یہ اور اس قسم کی دیگر احادیث کے پیش نظر سلف اس بات کے قائل ہیں کہ ممنوع صرف وہ تصویریں ہیں جن کا سایہ پڑتا ہو، یعنی جو مجسم ہوں۔ اور جن کا سایہ نہیں پڑتا ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ❷

امام نووی نے شرح مسلم میں اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مسلک باطل ہے۔ (شرح مسلم ۸۲-۱۰) لیکن حافظ ابن حجر نے اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مسلک قاسم بن محمد سے جو مدینہ کے ممتاز فقیہ تھے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ ❸

اور شیخ بخیت نے خطابی کا یہ قول نقل کیا ہے:

”ہم بھی یہی پسند کرتے ہیں کہ مجسم اور غیر مجسم تصویروں کے درمیان تفریق نہ کی جائے بلکہ دونوں کو حرام قرار دینے میں جمہور صحابہ کرام اور ان کے بعد والے علمائے کرام والا طریقہ ہی اپنایا جائے کہ ہر قسم کی تصویروں کو عام حرام قرار دیا جائے۔ جیسا کہ نووی سے پہلے نقل ہو چکا ہے۔ خصوصاً راوی حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔“

❶ بخاری، کتاب اللباس: باب كراهية الصلاة في النماز، ج ۹/ ۹۵۹

❷ فتح الباری: ۱۰-۳۸۸

❸ شرح مسلم

”جو شخص حیوانات کی شکلیں بناتا ہے اور نقاش جو درختوں وغیرہ کے نقوش بناتا ہے، ایسے لوگ میں سمجھتا ہوں کہ اس وعید میں داخل نہیں ہیں، اگرچہ کہ اس بات کی تمام ہی چیزیں مکروہ ہیں اور اس سے انسان کی توجہ لالچنی (بے فائدہ) کاموں کی طرف ہو جاتی ہے۔“

خطابی کے اس قول پر شیخ بخیت نے یہ نوٹ لکھا ہے:

”اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص جاندار کی شکل بناتا ہے وہ جاندار کی صورت نہیں ایجاد کرتا بلکہ وہ شکل و صورت کا محض خاکہ بناتا ہے۔ اس طرح جو تصویر بنائی جاتی ہے اس کے بہت سے ایسے اعضاء غائب ہوتے ہیں جن کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے بلکہ درحقیقت جسم ہی غائب ہوتا ہے۔ لہذا یہ جاندار کی وہ تصویر نہیں ہے جس کا بنانے والا قیامت کے دن رُوح پھونکنے کی سزا کا مستحق ہوگا اور وہ اس پر رُوح پھونک نہیں سکے گا۔ بظاہر ایسی تصویر کا اطلاق جس کے بارے میں وعید آئی ہے، سایہ رکھنے والے مجسمہ پر ہوتا ہے، ایسا مجسمہ جس کا کوئی اہم عضو جو زندہ رہنے کے لیے ناگزیر ہے غائب نہ ہو۔ جو مجسمہ اس نوعیت کا ہو اس میں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ رُوح پھونکی جاسکے۔ لیکن اگر مصور اس میں رُوح پھونکنے سے عاجز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تصویر (مجسمہ) میں زندگی کو قبول کرنے کی قابلیت نہیں ہے بلکہ یہ مصور کا نقص ہے اس لیے اس کے عاجز ہونے کی ذمہ داری خود اسی پر عائد ہوتی ہے۔“

غیر مجسمہ تصویروں کے جواز کی جو رائے ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وَمَنْ أَظْلَمَ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً  
فَلْيَخْلُقُوا شَعِيرَةً)) ❶

❶ بخاری، کتاب اللباس، باب نقض الصور، ح: ۵۹۵۳۔ مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم

تصویر صورة الحيوان، ح: ۲۱۱۱۔

”اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے لگے!! ایسے

لوگوں کو چاہیے کہ ایک ذرہ یا جو کا ایک دانہ ہی پیدا کر دکھائیں۔“

درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق..... جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں..... محض خاک نہیں ہے جو کسی سطح چیز پر بنایا گیا ہو بلکہ وہ حجم رکھنے والی مجسم تصویریں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ (آل عمران: ۶/۳)

”وہی ہے جو حجم مادر میں تمہاری جس طرح چاہتا ہے صورت گری کرتا ہے۔“

اس مسلک کے خلاف اگر کوئی دلیل پیش کی جاسکتی ہے تو وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے:

((إِنَّمَا اشْتَرَتْ نَمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَلَمَّا رَأَاهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ، فَعَرَفَتْ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَتْ: يَارَسُولَ اللَّهِ: أَتُوبُ إِلَى اللَّهِ وَالْإِلَهِ رُسُولِهِ مَاذَا أَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ مَا بَالُ هَذِهِ النَّمْرُقَةِ؟ فَقَالَتْ: اشْتَرَيْتُهَا لَكَ تَقْعُدُ عَلَيْهَا وَتَتَوَسَّدُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّورِ يُعَذَّبُونَ وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّورُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ)) ❶

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصویریں بنی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اندر داخل نہیں ہوئے بلکہ دروازہ ہی پر کھڑے ہو گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع (توبہ) کرتی ہوں مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا ہے؟ فرمایا: ”یہ تکیہ کیسا ہے؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ”میں نے اسے آپ ﷺ کے بیٹھنے اور ٹیک لگانے کے لیے خریدا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس قسم کی تصاویر

بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنی تخلیق میں جان ڈالو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں اُس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں:

((فَأَخَذَتْهُ فَحَعَلَتْهُ مَرْفَقَتَيْنِ، فَكَانَ يَرْتَفِقُ بِهِمَا فِي الْبَيْتِ تَعْنِي أَنَّهَا شَقَّتِ النَّمِرَةَ فَجَعَلَتْهَا مَرْفَقَتَيْنِ.)) ❶

”پھر میں نے اس کے دو چھوٹے تکیے بنائے جن کو آپ ﷺ ایک لگانے کے لیے گھر میں استعمال کرتے رہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تصویر یوں والے تکیے کو پھاڑ کر اس کے دو چھوٹے تکیے بنا لیے۔“ ❷

❶ مسلم حوالہ سابق، ح ۲۱۰۷.

❷ **تنبیہ:** مصنف نے یہ حدیث بیان کی ہے جو کہ اس مذہب کے خلاف ہے کہ غیر مجسم تصویر جائز ہے۔ حقیقت میں یہ اس مذہب کا ابطال کرتی ہے جیسا کہ پہلے ذکر چکا ہے۔

مصنف نے اسے اس لیے یہاں وارد کیا ہے کہ یہ کہہ سکے کہ یہ تمام معاملات کے معارض (مخالف) ہے۔ اور چار باتوں کا ذکر کیا ہے جو تمام کی تمام کمزور ہیں۔ ان کا ضعف سابقہ تعانث سے واضح ہو چکا ہے۔ آخری معاملہ کے ذکر کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور اس کی خامی بھی مجبوراً ذکر کرنا رہی ہے کہ یہ حدیث اس حدیث سے ٹکراتی ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر دے کے متعلق ہے اور اس پر دے کے ہمارے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”اس حدیث کے درمیان اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جو قالین کی تصویریں والی ہے، اس کے درمیان جمع و توفیق کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس پردہ کو برقرار رکھا اور نماز پڑھی جبکہ وہ لٹکایا ہوا تھا اور اسے اتارنے کا حکم اس وجہ سے دیا تھا کہ وہ ان نمازیں میں وہ تصویریں آپ کو نظر آتی تھیں جس کی وجہ سے توجہ نہ رہی اس وجہ سے نہیں اتارا تھا کہ اس میں تصویریں تھیں۔“

حافظ ابن حجر نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جسے اتارنے کا حکم دیا تھا اس میں ذی روح (جاندار) کی تصویریں تھیں اور جو نہ اتارنے کا حکم دیا تھا اس میں حیوانات کی تصویریں نہ تھیں۔ لیکن اس مطابقت پر بھی مخالفت سامنے آتی ہے۔ کہ وہ پردہ جو کہ آپ نے برقرار رکھا تھا اس میں پرندوں کی تصویریں تھیں۔

میں کہتا ہوں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردہ والی حدیث (۱۳۷) جو ہے یہ اس کے علاوہ ہے جو اس سے



لیکن اس حدیث سے درج ذیل امور متعارض ہیں:

① یہ حدیث مختلف طریقوں سے روایت کی گئی ہے جن میں بظاہر تعارض ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تصویر والے پردہ کو پھاڑ کر جو تکیہ بنا لیا گیا تھا اس کو آپ ﷺ نے استعمال کیا، لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو استعمال نہیں فرمایا۔

② بعض روایتیں محض کراہت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کراہت بھی دیوار کو مصور پردہ سے آراستہ کرنے کے سلسلے میں ہے جو ظاہر ہے کہ ایک قسم کی عیش پسندی ہے، جس کو آپ ﷺ پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّينَ))

”اللہ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو پوشاک پہنانے کا حکم نہیں دیا ہے۔“

③ مسلم کی حدیث جو خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پرندہ کی تصویر والے پردہ کے بارے میں منقول ہے اور جس میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ ”اسے ہٹا دو کیونکہ جب میری نظر اس پر پڑتی ہے تو دنیا یاد آ جاتی ہے۔“ مطلقاً حرمت پر دلالت نہیں کرتی۔

④ یہ حدیث ”قرام“ والی حدیث سے متعارض ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو پردہ تھا اسے آپ ﷺ نے ہٹانے کا حکم دیا کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں آپ ﷺ کے سامنے ہوتی تھیں۔

⇐ کے بعد والے پردہ کی حدیث ہے جیسا کہ ان کا سیاق و سباق بتاتا ہے۔

پہلی حدیث میں ہے کہ جب داخل ہونے والا گھر میں داخل ہوتا تو یہ پردہ سامنے آتا تھا۔ دوسری میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کی ایک جانب ڈھانپ رکھی تھی اور اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کی تصاویر میرے سامنے نماز میں پیش آتی رہی ہیں۔“ یہ واضح نص ہے کہ یہ ایسا نہ تھا کہ ہر داخل ہونے والے کا اس سے سامنا ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مختلف واقعات ہیں۔ ان میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں، یہی وجہ ہے جس کی بناء پر حافظ ابن حجر نے جو مطابقت دی ہے وہ ہر مخالفت سے صحیح و سلامت رہتی ہے۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی یہ حدیث بھی ہر مکرر اؤ سے محفوظ رہتی ہے اور اس کی دلالت یہ ثبوت فراہم کر رہی ہے غیر مجسم تصویروں کو بھی محفوظ رکھنا حرام ہے۔“ واللہ الموفق۔

(ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”اس حدیث میں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نمرقہ (تکیہ) والی حدیث میں تطبیق مشکل ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کو ہٹانے کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے دیا تھا کہ تصویر کا رخ نماز کے وقت بالکل سامنے ہوتا تھا، ورنہ خاص طور سے تصویر کی وجہ سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا۔“ ❶

اس کے بعد موصوف نے دونوں حدیثوں میں مطابقت اس طرح پیدا کی ہے کہ پہلی حدیث میں جن تصاویر کا ذکر ہے وہ ذی روح (جانداروں) کی تصاویر تھیں۔ اور اس حدیث میں جن کا ذکر ہے، وہ جاندار کی نہیں تھیں۔

یہ تطبیق صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرام (پردہ) والی حدیث میں پردہ کی تصویر کا ذکر موجود ہے۔

❶ یہ حدیث ابو طلحہ انصاری کی حدیث سے متعارض ہے جس میں کپڑے کے نقش کو حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

”دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو کراہت پر محمول کیا جائے اور ابو طلحہ کی حدیث کو مطلق جواز پر محمول کیا جائے، جو کراہت کے منافی نہیں ہے۔“ ❷

حافظ ابن حجر نے اس تطبیق کو مستحسن کہا ہے۔

❷ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نمرقہ (تکیہ) والی حدیث کے راوی اُن کے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہیں جن کے نزدیک ایسی تصویریں جائز تھیں جن کا سایہ نہ پڑتا ہو۔ ابن عون فرماتے ہیں: ”میں قاسم کے پاس گیا وہ مکہ کے بالائی حصہ میں اپنے گھر میں مقیم تھے۔ میں نے اُن کے گھر میں ایک جگہ دیکھا جس میں قندس (ایک آبی جانور) اور عنقاء (پردہ) کی تصویریں تھیں۔“

❶ فتح الباری ۳-۳۸۸

❷ تفسیر قرطبی ۱۴-۲۷۳

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”ممکن ہے حدیث ”إِلَّا رَقَمًا فِي ثَوْبٍ“ (إِلَّا یہ کہ کپڑے میں نقش ہو) کو انہوں نے عام جواز پر محمول کیا ہو۔ اور غالباً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردہ والی حدیث کی توجیہ ان کے نزدیک یہ رہی ہو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ مصور (تصویر والا) بھی تھا اور اس سے دیوار کی پوشش کا کام بھی لیا گیا تھا۔ جبکہ حدیث میں آتا ہے ”اللہ نے ہمیں مٹی اور پتھر کو پوشاک پہنانے کا حکم نہیں دیا ہے۔“ قاسم بن محمد مدینہ کے سات ممتاز فقہاء میں سے ہیں۔ انہوں نے مرقہ والی حدیث روایت کی ہے۔ اگر وہ جملہ جیسی چیزوں میں تصویر کو جائز نہ سمجھتے تو اس کو استعمال نہ کرتے۔“

(تصویر کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری، کتاب اللباس، ج ۱۲، ص ۵۱۸۳)

لیکن ان احادیث سے جو تصویروں اور مصورین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، یہ احتمال ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے مرحلہ میں جب کہ شرک و بت پرستی اور تصاویر کو مقدس سمجھنے کا زمانہ گزرے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، کہ تصویر کے معاملہ میں سختی برتی ہو، لیکن جب عقیدہ توحید دل و دماغ میں راسخ ہو گیا تو غیر مجسم تصاویر کی اجازت ہو، جو فی الحقیقت محض نقوش اور خاکے ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اپنے گھر میں کسی تصویر والے پردہ کا وجود برداشت نہ کرتے اور نہ ان تصاویر کو مستثنیٰ قرار دیتے جو کپڑے میں نقش و نگار کے طور پر بنائی جاتی ہیں۔ اسی پر کاغذ اور دیوار کی تصاویر کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”آغاز میں شارع نے ہر قسم کی تصویر سے منع فرمایا تھا، خواہ وہ نقش والی ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ تصویر پرستی کا زمانہ گزرے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لیے ہر قسم کی تصویریں ممنوع قرار دیں۔ پھر جب ممانعت کے حکم پر عمل درآمد ہو گیا تو آپ ﷺ نے کپڑوں میں بنے ہوئے نقوش کو عام ضرورت کے پیش نظر مستثنیٰ کر دیا، نیز ایسی تصاویر کو بھی جائز کر دیا جن کی بے وقعتی کی جاتی

ہے۔ جس تصویر کی بے وقعتی کی جاتی ہو اس کی تعظیم کا اندیشہ نہیں رہتا۔ البتہ

جن تصاویر کی عام طور سے بے وقعتی نہیں کی جاتی ان کی ممانعت برقرار رہی۔“ ۱

تصویر کی بے وقعتی اسے جائز کر دیتی ہے

جب کسی تصویر میں ایسا تغیر کر دیا جائے کہ وہ قابل تعظیم نہ رہے بلکہ بے وقعت ہو کر رہ

جائے تو وہ جواز کے دائرہ میں آ جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ

سے آپ کے گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَدْخُلْ) قَالَ كَيْفَ اَدْخُلُ وَفِي بَيْتِكَ سَتَرٌ فِيهِ تَصَاوِيرُ؟ فَاِنْ

كُنْتَ لَا بَدَّ فَاَعْلَا فَاَقْطَعْ رَاسَهَا، اَوْ اَقْطَعْهَا وَسَائِدًا اَوْ اَجْعَلْهَا

بَسْطًا)) ۲

”تشریف لائیے!“ جبریل علیہ السلام نے کہا: ”میں کس طرح اندر داخل ہو جاؤں جبکہ

آپ ﷺ کے گھر میں تصویروں والا پردہ ہے؟ اگر اس کو رکھنا ہی ہے تو تصویر کا

سر کاٹ دیجئے یا پردہ کو پھاڑ کر تکیہ یا بچھونا بنا لیجئے۔“

اسی لیے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تصویر والے تکیہ کی وجہ سے نبی ﷺ کے چہرہ پر

ناگواری کے آثار دیکھے تو اس کو پھاڑ کر دو چھوٹے تکیے بنا ڈالے کہ ایسی صورت میں تصویروں

کی بے وقعتی و بے قدری ہوتی ہے اور تعظیم کا ادنیٰ اندیشہ بھی باقی نہیں رہتا۔

سلف سے منقول ہے کہ وہ غیر وقع تصویروں کے استعمال میں کوئی حرج محسوس نہیں

کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور تابعی عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ پرندوں اور آدمیوں کی

تصویروں والے تکیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تصویروں کا نصب

کرنا علماء کو ناپسند تھا اور جن تصاویر کو عام طور سے پامال کیا جاتا ہے، ان میں کوئی حرج خیال

نہیں کرتے تھے اور بچھونے اور تکیے کی تصویروں کے بارے میں جو پامال کی جاتی ہیں، کہتے:

یہ ان کی تذلیل ہے۔

۱ طحاوی فی معانی الآثار - ۴ - ۲۸۴: ۲۸۳.

۲ نسائی، کتاب الزینۃ: باب ذکر اشد الناس عذاباً، ح: ۵۳۶۷.

## فوٹو گرافی کی تصویریں

یہ بات بالکل واضح ہے کہ تصویر اور مصوری کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ ان تصاویر کے متعلق ہیں جو تراش لی جاتی ہیں یا جن کا خاکہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک عکسی تصویر کا تعلق ہے جو کیمرے کے ذریعہ لی جاتی ہے تو یہ ایک نئی ایجاد ہے۔ یہ فوٹو گرافی رسول اللہ ﷺ اور سلف کے زمانہ میں نہ تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تصاویر اور مصوری کے متعلق جو احکام آئے ہیں، کیا وہ فوٹو گرافی پر بھی منطبق ہوتے ہیں؟۔

جو علماء یہ سمجھتے ہیں کہ تصویر کی حرمت مجسمہ کی حد تک ہے وہ فوٹو گرافی کی تصویروں میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، خاص طور سے اس صورت میں جبکہ تصویر غیر مکمل ہو۔

رہی دوسرے گروہ کی رائے تو سوال یہ ہے کہ کیا ان عکسی تصاویر کو ان تصاویر پر قیاس کیا جائے جو ایک آرٹسٹ کے برش کی تخلیق ہیں؟ یا کیا بعض احادیث میں جو علت بیان ہوئی ہے کہ مصور اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتا ہے وہ علت فوٹو گرافی میں نہیں پائی جاتی؟ اور اصول فقہ کی رو سے جب علت ہی باقی نہیں رہی تو معلول بھی باقی نہیں رہا۔ (یعنی جب مشابہت نہیں پائی جاتی تو حرمت کا اطلاق بھی نہیں ہوگا)

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ واضح بات مفتی مصر شیخ محمد بخیت مرحوم کا فتویٰ ہے۔ موصوف فرماتے ہیں ”کہ فوٹو گرافی کے ذریعہ بنائی ہوئی تصویر جو عکس کو مخصوص ذرائع سے روک لینے سے عبارت ہے یہ اس تصویر کی تعریف میں نہیں آتی جس کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ جس قسم کی تصویر سازی سے منع کیا گیا ہے اس کا اطلاق تصویر ایجاد کرنے اور بنانے پر ہوتا ہے جو پہلے سے موجود یا بنائی ہوئی نہ ہو اور جس کے ذریعہ اللہ کی پیدا کردہ کسی جاندار چیز کی مشابہت کی جائے۔ لیکن کیمرہ کے ذریعہ لیے ہوئے فوٹو کی حقیقت یہ نہیں۔“ ❶

فوٹو کی اصل حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت یہی ہے۔ لیکن علماء کا ایک گروہ تصویر کے معاملہ میں بھی، خواہ وہ کسی قسم کی ہوشدت برتتا ہے اور اس کو مکروہ خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ فوٹو گرافی کو بھی۔ تاہم یہ گروہ بھی مجبوری کی صورت میں یا ضرورت و مصلحت کی بنا پر

❶ الجواب الشافی فی اباحۃ التصوير الفوتو غرافی .

تصویر کے جواز کا قائل و فاعل ہے مثلاً: شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں لگائی جانے والی تصویریں، مشتبہ افراد کی تصویریں اور ایسی تصویریں جو توضیح وغیرہ کی غرض سے استعمال کی جائیں۔ اس قسم کی تصاویر سے نہ تعظیم مقصود ہوتی ہے اور نہ عقیدہ کی خرابی کا کوئی اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ اور پھر ان کے استعمال کی ضرورت کپڑوں کے نقوش کی بہ نسبت جن کو نبی ﷺ نے حرمت سے مستثنیٰ کیا تھا، زیادہ شدید اور اہم ہے۔

### تصویر کا مقصد

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تصویر کے مقصد کو حرمت وغیرہ کے احکام میں کافی دخل ہے۔ اور کوئی مسلمان کسی ایسی تصویر کے حرام ہونے کی مخالفت نہیں کرے گا جس کا مقصد اسلام کے عقائد، شریعت اور اس کے آداب کے خلاف ہو۔ پس عورتوں کی عریاں اور نیم عریاں تصویریں اور نسوانیت کی خصوصیات اور جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو سکتا ہے ایسے اعضاء کو نمایاں کرنا، اور ان کے خاکے اور تصویریں شہوانی ہیجان پیدا کرنے والی اور سفلی جذبات کو بھڑکانے والی شکلوں میں بنانا، جیسا کہ اس کا مظاہرہ رسائل و اخبارات اور سینما گھروں میں کھلے بندوں ہو رہا ہے، تو ان تمام چیزوں کے حرام ہونے میں اور اس قسم کی تصویر سازی کی ممانعت میں ادنیٰ شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی اشاعت کرنا، ان کو محفوظ رکھنا اور گھر، دفتر وغیرہ دیگر مقامات پر ان کی نمائش کرنا اور دیواروں پر آویزاں کرنا، نیز قصد ایسی تصویروں کو دیکھنا اور ان کا مشاہدہ کرنا، سب حرمت میں داخل ہے۔

یہی معاملہ کافروں، ظالموں اور فاسقوں کی تصویروں کا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس قسم کے قماش لوگوں کی تصویریں بنائے یا ان کو محفوظ رکھے۔ مثلاً: لٹڈروں کی تصویریں جو اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں یا بت پرست اکابر کی، جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں یا یہودیوں اور نصرانیوں کی جو محمد ﷺ کی نبوت کے منکر ہیں یا ایسے لوگوں کی جو اسلام کے مدعی تو ہیں لیکن اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے بے نیاز ہو کر فیصلے کرتے ہیں یا سماج میں بے حیائی اور فساد پھیلاتے ہیں جیسے ایکٹر، ایکٹریس، گانے والے مرد اور گانے والی عورتیں وغیرہ۔

اور یہی حکم ان تصویروں کا ہے جو بت پرستی کی نمائندگی کرتی ہیں یا مذہبی شعائر کی

حیثیت رکھتی ہیں، جنہیں اسلام ہر گز پسند نہیں کرتا، مثلاً: بت، صلیب وغیرہ کی تصویریں۔ غالباً عہد رسالت میں بیشتر فرش پردے اور تکیے اسی قسم کی تصاویر اور نقش و نگار کے ہوتے تھے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا فِيهِ تَصَالِيْبُ إِلَّا نَقَضَهُ)) ❶

”نبی ﷺ اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں رہنے دیتے تھے جس پر صلیب کی تصویر ہو۔ اگر ایسی کوئی چیز ہوتی تو اسے توڑ دیتے۔“

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((إِنَّ الرَّسُولَ ﷺ فِي عَامِ الْفَتْحِ لَمَّا رَأَى الصُّورَ الَّتِي فِي الْبَيْتِ الْحَرَامِ لَمْ يَدْخُلْ لِلْبَيْتِ الْحَرَامِ حَتَّى أَمَرَ فَمُحِيتْ)) ❷

”رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جب بیت اللہ میں تصویریں دیکھیں تو اس میں داخل نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حکم دیا اور تصویریں مٹا دی گئیں۔“  
اس میں شک نہیں کہ یہ ایسی تصویریں تھیں جو مشرکین مکہ کی بت پرستی اور ان کی قدیم گمراہی کی نمائندگی کرتی تھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي جَنَازَةِ فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَنْطَلِقُ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلَا يَدْعُ بِهَا وَثَنًا إِلَّا كَسَرَهُ وَلَا قَبْرًا إِلَّا سَوَّاهُ وَلَا صُورَةً إِلَّا لَطَخَهَا! فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ فَهَابَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ..... وَأَنْطَلَقَ الرَّجُلُ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَمْ أَدْعُ بِهَا وَثَنًا إِلَّا كَسَرْتُهُ وَلَا قَبْرًا إِلَّا سَوَّيْتُهُ وَلَا صُورَةً إِلَّا لَطَخْتُهَا! ثُمَّ قَالَ رَسُولُ ﷺ مَنْ عَادَ إِلَى شَيْءٍ مِنْ هَذَا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ

❶ بخاری، کتاب اللباس: باب نقض الصور، ح: ۵۹۵۲.

❷ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالیٰ (واتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً)، ح: ۴۲۸۸، ۳۳۵۲.

عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ . ))

رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کون مدینہ میں یہ خدمت انجام دیتا ہے کہ کسی بت کو توڑے بغیر کسی قبر کو ہموار کیے بغیر اور کسی تصویر کو مسخ کیے بغیر نہ چھوڑے؟“ ایک شخص نے کہا: میں اے اللہ کے رسول ﷺ! راوی کا بیان ہے کہ مدینہ والے اس حکم سے خوفزدہ ہو گئے..... وہ شخص چلا گیا اور پھر واپس آکر اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے مدینہ میں کسی بت کو توڑے بغیر کسی قبر کو ہموار کیے بغیر اور کسی تصویر کو مسخ کیے بغیر نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص ان میں سے کسی چیز کا دوبارہ مرتکب ہوگا وہ اس ہدایت کا منکر ہوگا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔“

یہ تصاویر جن کو ایک پیغمبر نے مسخ کرنے اور مٹانے کا حکم دیا، زمانہ جاہلیت کی بت پرستی کے مظاہر میں ہونے کے علاوہ ان کی اور کیا حقیقت ہو سکتی ہے؟ اسی لیے آپ ﷺ نے چاہا کہ مدینہ کو اس قسم کے آثار سے پاک کر دیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے دوبارہ ارتکاب کرنے والے کو اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے کفر کرنے کے مترادف قرار دیا۔  
تصویر اور مصور سے متعلق احکام کا خلاصہ

تصویر اور مصور سے متعلق احکام کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) حرمت اور گناہ میں سب سے زیادہ شدید تصویریں معبودانِ غیر اللہ کی ہیں۔ مثلاً نصاریٰ کے معبودانِ مسیح اور مریم علیہما السلام کی تصویر۔ اس قسم کی تصویر بنانا کفر کا موجب ہے اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے قصداً ایسی تصویر بنائے ایسی تصویروں کو رواج دے یا کسی نہ کسی

① مسند احمد: ۱/ ۱۳۸'۸۷-۱۳۹ (واستادہ ضعیف)۔

صحیح مسلم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کے بعض کا شاہد ان الفاظ کے ساتھ ہے ”سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو الہیاج اسدی سے فرمایا: ”میں تمہیں اس کام کے لیے بھیجتا ہوں جس کے لیے اللہ ﷻ نے مجھے بھیجا تھا۔“ کسی تصویرِ مورت کو مٹائے بغیر نہ چھوڑ اور نہ کسی بلند قبر کو (دوسری قبروں کے) برابر کیے بغیر رہنے دینا۔“

(مسلم، کتاب الجنائز: باب الأمر بتسوية القبر، ج: ۹۹۹)



طریقہ پر ان کی تعظیم کرے، وہ اپنے حصہ کے بقدر اس گناہ میں شریک ہے۔

(ب) اور گناہ میں اس سے قریب تر وہ شخص ہے جو کسی ایسی چیز کی تصویر بنائے جس کی پرستش نہیں کی جاتی لیکن اس سے مقصود اللہ کی تخلیق کی مشابہت ہو، یعنی وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرح تخلیق و ایجاد کا کام کرتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا تعلق صرف مصور کی نیت پر ہے۔

(ج) اس سے کتہہ راجہ کا گناہ یہ ہے کہ ایسی شخصیتوں کے مجسمے بنائے جائیں جن کی پرستش تو نہیں کی جاتی لیکن تعظیم ضرور کی جاتی ہے جیسے بادشاہ قائد لیڈر وغیرہ جن کی یادگار میدانوں وغیرہ میں مجسمے نصب کر کے قائم کی جاتی ہے۔ اور مجسمہ کے کامل یا نصف ہونے سے گناہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(د) اور اس سے بھی کمتر درجہ میں ایسے اشخاص کے مجسمے ہیں جن کی تقدیس و تعظیم نہیں کی جاتی۔ اس کی حرمت پر بھی اتفاق ہے البتہ جن تصویروں کی بے وقعتی کی جاتی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً: بچوں کے کھلونے اور مٹھائی کے مجسمے جو کھائے جاتے ہیں۔

(ه) اس کے بعد غیر مجسم تصویروں کا درجہ ہے یعنی فنی تصویریں ان شخصیتوں کی جن کی تعظیم کی جاتی ہے جیسے حاکموں اور لیڈروں وغیرہ کی تصویریں خاص طور سے جبکہ وہ نصب یا آویزاں کر دی گئی ہوں۔ ان کی حرمت دو چند شدید ہو جاتی ہے جبکہ یہ تصویریں ظالموں، فاسقوں اور لحدوں کی ہوں کیونکہ ان کی تعظیم اسلام کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔

(و) اور گناہ کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر درجہ کی وہ تصویریں ہیں جو مجسم نہ ہوں اور ان ذوی الارواح (جانداروں) کی ہوں جن کی تعظیم نہیں کی جاتی، لیکن وہ عیش پرستی کے مظاہر میں سے ہوں مثلاً اس قسم کی تصویروں والے پردہ سے دیوار وغیرہ کو آراستہ کرنا جو کراہت سے کسی طرح بھی خالی نہیں ہے۔

(ز) جہاں تک غیر ذوی الارواح کی تصویروں کا تعلق ہے مثلاً: کھجور وغیرہ کے درخت، دریا، جہاز، پہاڑ وغیرہ قدرتی مناظر کی تصویریں تو ان کو بنانے اور محفوظ کر لینے میں

کوئی گناہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ طاعت سے غافل نہ کر دیں یا تعیش کا باعث نہ بنیں بصورت دیگر ایسی تصویریں مکروہ ہیں۔

(ع) رہی عکسی تصویر یعنی فوٹو تو یہ اصلاً مباح ہے بشرطیکہ اس سے حرام چیز مقصود نہ ہو مثلاً: جس شخص کا فوٹو ہے اس کا مذہبی تقدس یا دنیوی تعظیم۔ خصوصاً جبکہ وہ شخص کافر و فاسق ہو مثال کے طور پر وہ شخص بت پرست ہو یا کمیونسٹ ہو یا گمراہ فن کار۔

(ط) اور آخری بات یہ ہے کہ حرام مجسموں اور تصویروں کو جب مسخ کر دیا جائے یا بے وقعت اور حقیر بنا دیا جائے، تو وہ دائرہ حرمت سے نکل کر دائرہ حلت میں آ جاتی ہیں مثلاً: فرش کی تصویریں جنہیں پیر اور جوتے وغیرہ پامال کرتے رہتے ہیں۔

### بلا ضرورت کتے پالنا

نبی ﷺ نے بلا ضرورت گھر میں کتے پالنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔

ہم نے ایسے عیش پرستوں کو دیکھا ہے جو کتوں پر تو خوب خرچ کرتے ہیں لیکن انسان کی اولاد پر خرچ کرنے میں نکل سے کام لیتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے کتے کے ناز و ادا پر مال خرچ کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان سے جذباتی وابستگی بھی پیدا کر لیتے ہیں جبکہ وہ اپنے اقرباء سے بے رخی برتتے اور اپنے پڑوسی اور بھائی کو بھول جاتے ہیں۔

مسلمان کے گھر میں اگر کتا ہو تو اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ وہ برتنوں وغیرہ کو چاٹ کر نجس بنا کر نہ رکھ دے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءٍ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ  
إِحْذَاهُنَّ بِالتُّرَابِ.)) ❶

”جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈالے تو اسے چاہیے کہ برتن کو سات مرتبہ دھوئے، ان میں سے ایک مرتبہ مٹی لگا کر دھولے۔“

❶ بخاری: کتاب الوضوء: باب إذا شرب الكلب في إناء أحدكم ... ح: ۱۷۲۔ مسلم: کتاب الطهارة: باب حكم ولوغ الكلب ح/ ۲۷۹۔

بعض علماء نے ممانعت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ کتا مہمان پر بھونکتا ہے سائل کو خوف زدہ کرتا اور راہ چلنے والے کو اذیت پہنچاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((أَتَانِي جَبْرِيْلٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لِي أَتَيْتَكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَكُونَ دَخَلْتُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ عَلَى الْبَابِ تَمَائِيلُ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ قِرَامٌ سَرَّ فِيهِ تَمَائِيلُ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ كَلْبٌ فَمَرُّ بِرَأْسِ التَّمَائِلِ الَّذِي فِي الْبَيْتِ يُقَطَّعُ فَيَصِيرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرٌّ بِالسَّرِّ فَلْيَقْطَعْ فَيُجْعَلْ مِنْهُ وَسَادَتَانِ تُؤْطَانِ وَمُرٌّ بِالْكَلْبِ فَلْيُخْرِجْ.)) ❶

میرے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا: ”گزشتہ شب میں آیا تھا لیکن گھر میں داخل نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ دروازہ پر مجسمہ اور گھر میں تصویروں والا پردہ تھا اور گھر میں کتا بھی تھا۔ لہذا جو مجسمہ گھر میں ہے اس کا سر آپ اس طرح کٹوا دیجئے کہ وہ درخت کی شکل میں رہ جائے۔ اور پردہ پھاڑ کر تکیے بنوا لیجئے، جن کو پامال کیا جائے اور کتے کو گھر سے باہر نکلو دیجئے۔“

ممانعت کا یہ حکم ان کتوں کے بارے میں ہے جن کو بلا ضرورت اور بے فائدہ پالا جائے۔

شکار اور حفاظت کے لیے کتوں کا جواز

جو کتے کسی ضرورت سے پالے جائیں مثلاً: شکاری کتے یا کھیت اور مویشیوں وغیرہ کی حفاظت کرنے والے کتے تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ أَوْ مَاشِيَةٍ لِنَتَقَصَّ مِنْ أَجْرِ كُلِّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ.)) ❷

❶ ابوداؤد کتاب اللباس: باب فی الصور ح ۴۱۵۸ ، ترمذی: کتاب الادب: باب ماجاء ان

الملائكة لا تدخل ح: ۲۸۰۶۔ نسائی: کتاب الزینة: باب ذکر اشد الناس عذاباً ح: ۵۳۶۷۔

❷ بخاری: کتاب الحرث: باب اقتناء الکلب للحرث ح: ۲۳۲۲۔ مسلم: کتاب المساقاة: باب

الامر بقتل الکلاب ح: ۱۵۷۵۔

”جو شخص کتا پالتا ہے اس کا اجر روزانہ ایک قیراط کم ہو جاتا ہے‘ الا یہ کہ شکار یا کھیتی یا مویشیوں کے لیے پالا جائے۔“

اس حدیث سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ کتا پالنے کی ممانعت کراہت کے حکم میں ہے نہ کہ حرمت کے حکم میں‘ کیونکہ اگر کتا پالنا حرام ہوتا تو ہر حال میں اس سے احتراز کرنا پڑتا‘ خواہ اجر میں کمی واقع ہو یا نہ ہو۔

گھر میں کتا پالنے کی جو ممانعت کر دی گئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کتوں کے ساتھ سنگدلانہ برتاؤ کیا جائے یا ان کو ختم کر کے رکھ دیا جائے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَوْ لَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِّنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا.)) ❶

”اگر کتے بھی ایک امت نہ ہوتے تو میں انہیں (سب کو) قتل کرنے کا حکم دیتا۔“

اس حدیث کے ذریعہ آپ ﷺ نے ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس مہتم بالشان حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَمِمَّنْ دَابَّةٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلِيمٌ يُّجَنَّا حَيْهَ إِلَّا أُمَّةٌ أَمْثَالُكُمْ﴾

(الانعام: ۳۸/۶)

”زمین پر چلنے والا کوئی جانور اور پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ، ایسا نہیں جو تمہاری طرح ایک امت نہ ہو۔“

اور نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس شخص کا قصہ سنایا جس نے صحراء میں ایک کتے کو دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی شدت سے کچھڑ چاٹ رہا تھا‘ وہ شخص دوڑتا ہوا کتوں پر گیا اور اپنے موزہ میں پانی بھر کر لایا اور کتے کو پلا دیا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا۔ اس قصہ کو سنا کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے اس کے اس عمل کی قدر فرمائی اور اسے بخش دیا۔“ ❷

❶ ابوداؤد‘ کتاب الصيد‘ باب فی اتخاذ الکلب للصيد وغیرہ‘ ح: ۲۸۴۵۔ ترمذی‘ کتاب الاحکام/ باب ماجاء فی قتل الکلاب‘ ح: ۱۴۸۶، نسائی‘ کتاب الصيد: باب صفة الکلاب التي امر بقتلها‘ ح: ۴۲۸۵۔ ابن ماجہ‘ کتاب الصيد: باب النهی عن اقتناء الکلب۔ ح: ۳۲۰۵۔

❷ بخاری‘ کتاب المساقاة: باب فضل سقى الماء‘ ح: ۲۳۶۳، مسلم‘ کتاب السلام: باب فضل سقى البهائم.....‘ ح: ۲۲۴۴۔

## کتا پالنا علم جدید کی رو سے

ہمیں اپنے ملک میں اکثر ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو رحمدل انسانیت نواز اور ہر جاندار مخلوق کے حق میں مہربان خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے کس طرح ایک ایسے جانور سے باز رکھا ہے جو بنجیدہ مانوس اور امانت دار ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی خدمت میں ہم ایک ٹھوس علمی مقالہ پیش کرنا چاہتے ہیں جسے ایک جرمن اسکالر نے لکھا ہے اور جو ایک جرمن رسالہ میں شائع ہوا ہے۔ اس مقالہ میں ان اہم خطرات کو بیان کیا گیا ہے جو کتے کو پالنے یا اس کے قریب رہنے کی صورت میں لاحق ہوتے ہیں:

”گزشتہ چند برسوں میں لوگوں کے اندر کتا پالنے کا شوق کافی بڑھ گیا ہے جس کے پیش نظر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ لوگوں کی توجہ ان خطرات کی طرف مبذول کرائی جائے جو اس سے پیدا ہوتے ہیں، خصوصاً جبکہ لوگ کتا پالنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ خوش طبعی بھی کرنے لگتے ہیں اور اس کو چومتے بھی ہیں، نیز اس کو اس طرح چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ چھوٹوں اور بڑوں کے ہاتھ چاٹ لے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچا ہوا کھانا کتوں کے آگے اپنے کھانے کی پلیٹوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ عادتیں ایسی معیوب ہیں کہ ذوقِ سلیم ان کو قبول نہیں کرتا اور یہ شائستگی کے بھی خلاف ہیں۔ مزید برآں یہ صحت و نظافت کے اصول کے بھی منافی ہیں۔

طبعی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کتے کو پالنے اور اس کے ساتھ خوش طبعی کرنے سے جو خطرات انسان کی صحت اور اس کی زندگی کو لاحق ہوتے ہیں ان کو معمولی خیال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ بہت سے لوگوں کو اپنی نادانی کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کتوں کے جسم پر ایسے جراثیم ہوتے ہیں جو دائمی اور لاعلاج امراض کا سبب بنتے ہیں بلکہ کتنے ہی لوگ اس مرض میں مبتلا ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔

اس جراثیم کی شکل فیتہ کی طرح ہوتی ہے اور یہ انسان کے جسم پر پھنسی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ گو اس قسم کے جراثیم مولیسیوں اور خاص طور سے سوروں کے جسم پر بھی پائے جاتے ہیں، لیکن نشوونما کی پوری صلاحیت رکھنے والے جراثیم صرف کتوں کے جسم پر ہوتے ہیں۔

یہ جراثیم گیدڑ اور بھیڑیے کے جسم پر بھی ہوتے ہیں، لیکن بلیوں کے جسم پر شاذ ہی ہوتے ہیں۔ یہ جراثیم دوسرے فیتہ والے جراثیم سے مختلف ہوتے ہیں اور اتنے باریک ہوتے ہیں کہ دکھائی دینا مشکل ہے۔ ان کے بارے میں گزشتہ چند سالوں ہی میں کچھ معلومات ہو سکی ہیں۔“

مقالہ نگار آگے لکھتا ہے:

”یہ جراثیم انسان کے جگر میں داخل ہو جاتے اور وہاں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ اکثر پھیپھڑے، عضلات، تلی، گردہ اور سر کے اندرونی حصہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی شکل بہت کچھ بدل جاتی ہے، یہ اس تک کہ خصوصی ماہرین کے لیے بھی ان کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس سے جو زخم پیدا ہوتا ہے خواہ جسم کے کسی حصہ میں پیدا ہو، صحت کے لیے وہ سخت مضر ہے۔ ان جراثیم کا علاج اب تک دریافت نہیں کیا جا سکا ہے۔ ان وجوہ سے ضروری ہے کہ ہم تمام ممکنہ وسائل کے ساتھ اس لا علاج بیماری کا مقابلہ کریں اور انسان کو اس کے خطرات سے بچائیں۔

جرمن ڈاکٹر نولر کا بیان ہے کہ کتے کے جراثیم سے انسان کے جسم پر جو زخم ابھر آتے ہیں ان کی تعداد ایک فی صد سے کسی طرح کم نہیں ہے اور بعض ممالک میں تو بارہ فی صد تک اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں..... اس مرض کا مقابلہ کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان جراثیم کو کتوں تک ہی رہنے دیا جائے اور انہیں پھیلنے نہ دیا جائے.....

انسان اگر اپنی صحت کو محفوظ اور اپنی زندگی کو باقی رکھنا چاہتا ہے تو اسے کتوں کے

ساتھ خوش طبعی نہیں کرنی چاہیے، انہیں قریب آنے سے روکنا چاہیے، بچوں کو ان کے ساتھ گھل مل جانے سے باز رکھنا چاہیے، کتوں کو ہاتھ چاٹنے کے لیے چھوڑ نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کو بچوں کے کھیل کود اور تفریح کے مقامات میں رہنے اور وہاں گندگی پھیلانے کا موقع دینا چاہیے۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کتوں کی بڑی تعداد بچوں کی ورزش گاہوں میں پائی جاتی ہے.....

اسی طرح ان کے کھانے کے برتن الگ ہونے چاہئیں۔ انسان اپنے کھانے کے لیے جو پلیٹیں وغیرہ استعمال کرتا ہے، ان کو کتوں کے آگے چاٹنے کے لیے نہ ڈال دیا جائے اور نہ ان کو بازاروں اور ہوٹلوں وغیرہ میں داخل ہونے دیا جائے۔ غرضیکہ پوری احتیاط سے کام لے کر ان کو کھانے پینے کی تمام چیزوں سے دور رکھا جائے۔“

اس بیان کو سامنے رکھئے اور غور کیجئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کتوں کے ساتھ گھل مل جانے سے جو روکا ہے وہ کس قدر مبنی برحقیقت ہے! آپ ﷺ نے کھانے پینے کے برتنوں میں کتے کے منہ ڈالنے سے احتراز کرنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے، نیز بلا ضرورت کتا پالنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ غور کیجئے اس میں کتنی عظیم مصلحت پوشیدہ ہے!

جدید علمی و طبی تحقیقات آج ایک اُمی نبی ﷺ کی تعلیمات سے کس قدر ہم آہنگ ہو رہی ہیں! اس حقیقت کو دیکھ کر بے ساختہ ہماری زبان پر قرآن کریم کے یہ کلمات جاری ہو جاتے ہیں:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

(النجم: ۵۳/۴-۳)

”وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔“

## کسب اور پیشہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ  
وَالْيَهُ النُّشُورُ ۝﴾ (الملک: ۱۵/۶۷)

”وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر رکھا ہے تاکہ تم اس کے کندھوں پر چلو اور اللہ کا رزق کھاؤ۔“

یہ ہے اسلام کا اصول۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے مسخر کیا ہے لہذا اس نعمت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کے پہلوؤں میں اللہ کریم کے فضل کے طالب بن کر دوڑ دھوپ کرنی چاہیے۔

جو شخص کام کی قدرت رکھتا ہو، اُس کا بیٹھے رہنا حرام ہے

مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ عبادت کے لیے یکسوئی یا اللہ عزوجل پر توکل کے نام سے طلب رزق سے بے پروا ہو جائے کیونکہ آسمان سے سونے چاندی کی بارش ہونے والی نہیں نہ ہی من و سلوئی اترنے والا ہے۔

اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ صدقات کے بھروسہ پر بیٹھ جائے جبکہ اسے ایسے ذرائع میسر ہوں جن کو اختیار کر کے وہ اپنے معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکتا ہے نیز اپنے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا ہے:

(( لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنًیٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ )) ❶

”صدقہ کسی غنی کے لیے جائز نہیں ہے اور نہ کسی ایسے شخص کے لیے جو توانا اور

❶ ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ: باب من یعطی من الصدقة، ح: ۱۶۳۴۔ ترمذی: کتاب الزکوٰۃ: باب ماجاء من لا تحل له الصدقة، ح: ۶۵۲۔



تندرست ہو۔“

نبی کریم ﷺ نے اس بات کی سخت مذمت فرمائی اور اسے حرام ٹھہرایا ہے کہ ایک مسلمان لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے، جس کے نتیجے میں اس کے چہرہ کی رونق غائب ہو جائے اور اپنی انسانیت و شرافت کو بلا ضرورت مجروح کر کے رکھ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((الَّذِي يَسْأَلُ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ كَمَثَلِ الَّذِي يَلْتَقِطُ الْجَمْرَ)) ❶

”جو شخص بلا ضرورت مانگتا ہے وہ گویا اپنے ہاتھ میں انگارے چنتا ہے۔“

اور فرمایا:

((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ يَشْرِي بِهِ مَالَهُ كَانَ خَمُوشًا فِي وَجْهِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ رَضْفًا يَأْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقْلِلْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ)) ❷

”جس نے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کیا تاکہ وہ مالدار ہو جائے، وہ اپنے چہرہ کو قیامت تک کے لیے مجروح کر دیتا ہے اور جہنم کے گرم پتھر کھائے گا۔ اب جو شخص چاہے اپنے لیے یہ چیزیں زیادہ مقدار میں فراہم کرے یا کم مقدار میں۔“

نیز فرمایا:

((لَا تَزَالُ الْمَسْأَلَةُ بِأَحَدِكُمْ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ وَلَيْسَتْ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةٌ لَحْمٍ)) ❸

”جو شخص اپنے کو مانگنے کا عادی بنالے وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس

❶ بیہقی فی شعب الایمان (۳/ ۲۷۱) ح/ ۳۵۱۷ واللفظ له و مسند احمد (۴/ ۱۶۵) صحیح

ابن خزيمة (۲۴۴۶) شرح معانی الآثار (۱/ ۳۰۶)

❷ ترمذی 'كتاب الزكاة: باب ماجاء من لا تحل له الصدقة' ح: ۶۵۳.

❸ بخاری 'كتاب الزكاة: باب من سأل الناس تكثرا' ح: ۱۴۷۴، مسلم 'كتاب الزكاة: باب

كراهة المسألة للناس' ح: ۱۰۴۰

کے چہرہ پر گوشت کی کوئی بوٹی نہ ہوگی۔“

اس انجامِ بد سے بچانے کے لیے نبی ﷺ نے مسلمان کی عزت کا تحفظ فرمایا ہے اور اس کے اندر استغفار، خود اعتمادی اور مانگنے سے احتراز جیسے اوصاف کی پرورش کا سامان کیا ہے۔

سوال کرنا کب جائز ہے

لیکن رسول اللہ ﷺ لوگوں کی مجبوریوں اور ضرورتوں کا پورا پورا لحاظ فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص سوال کرنے اور حکومت یا افرادِ سماج سے اعانت طلب کرنے کے لیے مجبور ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِنَّمَا الْمَسْأَلُ كُدُوحٌ يَكْذِبُ الرَّجُلُ بِهَا وَجْهَهُ، فَمَنْ شَاءَ أَبْقَى عَلَى وَجْهِهِ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ ذَا سُلْطَانٍ أَوْ فِى أَمْرِ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا)) ❶

”سوال کرنا خراش کے ہم معنی ہے۔ جو شخص سوال کرتا ہے وہ اپنے چہرہ کو نوچتا ہے۔ لہذا جو شخص چاہے سوال نہ کر کے اپنے چہرہ کو صحیح حالت میں رکھے اور چاہے تو سوال کر کے اپنے چہرے کو کھرچ لے۔ البتہ یہ صورتِ مستثنیٰ ہے کہ کسی صاحبِ اقتدار سے مانگنا پڑے یا کسی ایسے معاملہ میں سوال کرنا پڑے جو بالکل ناگزیر ہو۔“

ابو بشیر قیسہ بن الخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَسْأَلُهُ فِيهَا فَقَالَ: أَقِمُّ حَتَّى تَأْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَأْمُرَ لَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ: يَا قَبِيصَةُ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَجِلُّ إِلَّا لِأَحَدٍ ثَلَاثَةٍ؛ رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَهَا ثُمَّ يُمْسِكَ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاَحَتْ مَالَهُ

❶ ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب ماتجوز فیہ المسألة، ح: ۱۶۳۹۔ ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب

ما جاء فی النهی عن المسألة، ح: ۶۸۱۔ نسائی، کتاب الزکوٰۃ، باب مسألة الرجل ذا سلطان،

فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قَوَامًا مِنْ عَيْشٍ، فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَأْتِيَنَّ سُحْتٌ يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا)) ❶

میں نے ایک معاملہ میں ضمانت (کسی کا ضامن بن گیا) کی ذمہ داری قبول کر لی تھی اس لیے میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ٹھہرو! صدقہ کا مال آجائے گا تو ہم تمہیں دلوادیں گے۔“ پھر فرمایا: ”اے قبضہ! سوال کرنا جائز نہیں بجز تین اشخاص کے۔ ایک وہ شخص جو کسی کے لیے ضمانت کی ذمہ داری قبول کر لے۔ ایسے شخص کے لیے سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ اسے مطلوبہ مال حاصل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد اسے رک جانا چاہیے دوسرا وہ شخص جس کا مال کسی مصیبت یا حادثہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تباہ ہو جائے۔ ایسے شخص کے لیے سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ اسے گزر بسر کی چیزیں حاصل نہ ہو جائیں اور تیسرا وہ شخص جو فاقہ میں مبتلا ہو یہاں تک کہ اس کے محلہ کے تین سمجھ دار لوگ یہ کہہ دیں کہ فلاں شخص فاقہ زدہ ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ گزر بسر کی چیزیں اسے فراہم نہ ہو جائیں۔ ان کے ماسوا جو شخص سوال کرتا ہے تو یہ حرام کا مال ہے جسے وہ کھاتا ہے۔“

کام کرنا، باعثِ عزت ہے

بعض لوگ کچھ کاموں کو معیوب خیال کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس کو غلط قرار دیا ہے اور اپنے اصحاب کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ عزت اور کامل عزت صرف کام کرنے میں ہے خواہ وہ کوئی سا کام ہو اور ذلت و خست لوگوں کی اعانت پر تکیہ کرنے میں ہے۔ فرمایا ہے:

((لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ فَيَأْتِي حُرْمَةً حَطَبٍ عَلَى ظَهْرِهِ فَيَسْعُهَا فَيَكْفُ اللَّهُ بِهَا وَجْهَهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ)) ❷

❶ مسلم، کتاب الزکوٰۃ: باب من تحل له المسألة: ح: ۱۰۴۴ ابو داود، حوالہ سابق، ح: ۱۶۴۰۔

❷ بخاری، کتاب الزکوٰۃ: باب الاستعفاف عن المسألة: ح: ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱، مسلم، کتاب الزکوٰۃ: باب کراهة المسألة للناس، ح: ۱۰۷/۱۰۴۲۔

”کسی شخص کا رسی لے کر جانا اور لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لا کر لانا اور اسے بیچ دینا کہ اللہ اس کے ذریعہ اس کی آبرو کو بچالے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے اور پھر لوگ اسے دیں یا نہ دیں۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ روزی کماے خواہ زراعت، تجارت، صنعت، ملازمت کسی بھی ذریعہ سے ہو بشرطیکہ وہ ذریعہ حرام نہ ہو اور نہ اس سے حرام کی معاونت ہوتی ہو اور نہ ہی وہ حرام سے ملوث ہو۔

### زراعت کے ذریعہ روزی کمانا

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسان پر اپنے فضل و احسان کا ذکر فرماتے ہوئے وہ اصولی باتیں بیان فرمائی ہیں جو زراعت کے قیام کے لیے ضروری ہیں۔

زمین کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ وہ اگانے اور پیدا کرنے کی خدمت انجام دیتی ہے۔ اور اسے فرش بنا دیا ہے جو مخلوق کے لیے ایک نعمت بھی ہے۔ اس نعمت کو یاد رکھنا اور اس کی قدر کرنا نہایت ضروری ہے۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَا جَا ۝﴾

(نوح: ۱۷/۱۹-۲۰)

”اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں پر چلو۔“

﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۝ وَالْخُلُوعُ ذَاتُ الْاَكْبَامِ ۝ وَ

الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالْاَيْحَانُ ۝﴾ (الرحمن: ۵۵/۱۰ تا ۱۳)

”اور زمین کو اس نے مخلوقات کے لیے بنایا۔ اس میں پھل ہیں، کھجور کے

درخت ہیں غلاف والے غلہ ہے بھوسہ والا۔ اور پھول ہیں خوشبو دار۔ پھر تم

اپنے رب کی قدرت کے کن کن کرشموں کا انکار کرو گے؟“

اور پانی کو اللہ تعالیٰ نے بارش کی صورت میں اتارا اور اس کی نہریں جاری کیں۔ اس

سے وہ مردہ زمینوں کو زندگی بخشا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا﴾ (الانعام: ۶/۹۹)

”وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ ہر قسم کی نباتات اُگائیں، پھر اس سے سرسبز شاخیں پیدا کیں، جن سے ہم تہ تر تہ دانے نکالتے ہیں۔“

اور ہواؤں کو اللہ تعالیٰ خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجتا ہے جس سے بادل چلنے لگتے ہیں اور نباتات بار آور ہوتی ہیں:

﴿وَالْأَرْضُ مَدَدُهَا ۖ وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ ۖ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۖ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنَ ۝ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ ۖ وَمَا نُنْزِلُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ ۖ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝﴾ (الحجر: ۱۵/۲۲ تا ۱۹/۲۲)

”اور زمین کو ہم نے بچھایا۔ اور اس میں پہاڑ رکھ دیئے۔ اور اس میں ہر قسم کی چیز تناسب کے ساتھ اُگائی، اور تمہاری معیشت کا سامان بھی رکھا، اور ان کی معیشت کا بھی جن کو تم رزق نہیں دیتے۔ ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس موجود ہیں اور اسے ہم مقررہ اندازہ کے ساتھ ہی اُتارتے ہیں۔ اور ہواؤں کو ہم بار آور بنا کر بھیجتے ہیں پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور تم کو اس سے سیراب کرتے ہیں، ورنہ تم اس کے ذخیرہ کو جمع نہیں کر سکتے تھے۔“

ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زراعت کی نعمت اور اس کے سہل الحصول ذرائع کی طرف انسان کو متوجہ فرمایا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ وَلَا إِنْسَانٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ)) ❶

❶ بخاری، کتاب الحرث، باب فضل الزرع والفرس، ح: ۲۳۲، مسلم، کتاب المسافاة، باب فضل الغرس والزرع، ح: ۱۵۵۳.

”جو مسلمان بھی پودا لگاتا ہے یا کھیتی بھاڑی کرتا ہے اور اس میں پرندے یا

انسان جو کچھ کھا لیتے ہیں، وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔“

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ثواب جاری رہتا ہے جب تک کہ پودا یا کھیتی سے کھانے وغیرہ کا فائدہ اٹھایا جاتا رہے اگرچہ پودا لگانے والا یا کھیتی کرنے والا مر چکا ہو یا اس کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہوگئی ہو۔

علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فیاضی سے یہ بعید نہیں کہ وہ ایسے شخص کو اس کے مرنے کے بعد بھی ثواب سے نوازتا رہے، جس طرح اس کی زندگی میں نوازتا رہا ہے یعنی چھ باتوں کے سلسلہ میں۔ ایک صدقہ جاریہ دوسرے وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے تیسرے نیک اولاد جو اپنے والد کے لیے دعا کرے چوتھے پودا پانچویں کھیتی اور چھٹے پاسبانی یعنی دشمنوں کے مقابلہ میں سرحد وغیرہ کی حفاظت کرنا۔

روایت ہے کہ ایک شخص کا سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا جبکہ وہ اخروٹ کا پودا لگا رہے تھے۔ اس شخص نے کہا: ”آپ بڑھاپے میں اخروٹ کا پودا لگا رہے ہیں! اس کو پھل لانے میں تو کئی سال لگ جاتے ہیں“..... ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس میں کیا حرج ہے کہ میں اجر کماؤں اور دوسرے اسے کھائیں؟“ ❶

اور ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے دونوں کانوں سے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ نَصَبَ شَجَرَةً فَصَبَرَ عَلَى حِفْظِهَا وَالْقِيَامِ عَلَيْهَا حَتَّى تَتَمَرَّ فَإِنَّ لَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يُصَابُ مِنْ ثَمَرِهَا صَدَقَةٌ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ)) ❷

”جس نے درخت لگایا پھر اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ درخت پھل لے آیا تو اس کے پھلوں کا جو نقصان بھی ہوگا اس کا اجر اللہ عزوجل

❶ مسند احمد (۶/۴۴۴)۔

❷ مسند احمد (۴/۶۱-۵/۳۷۴) (واسنادہ ضعیف)۔

کے پاس اسے ملے گا۔“

ان احادیث سے اور اس قسم کی دوسری احادیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ زراعت کمانے کے دیگر ذرائع سے بہتر ہے۔ لیکن دوسرے علماء کہتے ہیں کہ صنعت اور دستکاری افضل ہے اور کچھ علماء تجارت کو افضل بتاتے ہیں۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ مختلف حالات میں مختلف چیزیں افضل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً جب غذا کی ضرورت شدید ہو تو زراعت افضل ہوگی؛ کیونکہ اس کا فائدہ عام ہے۔ اور جب ڈاکہ زنی وغیرہ کی وجہ سے منڈیوں میں مال کم آ رہا ہو تو تجارت افضل ہوگی۔ اور جب مصنوعات کی ضرورت ہو تو صنعت افضل ہوگی۔ (ملاحظہ ہو: شرح القسطلانی علی البخاری) اخیر میں جو تفصیل بیان کی گئی اس سے موجودہ اقتصادی علم ہم آہنگ ہے۔

### حرام کاشت کاری

ہر وہ نباتات جس کو نوش کرنا اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے یا جس کا استعمال مضر ہے، اس کی کاشت کرنا بھی حرام ہے، مثلاً: گانجا وغیرہ اور تمباکو کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر ہمارے نزدیک تمباکو نوشی حرام ہے۔ اور رائج قول یہی ہے۔ تو اس کی کاشت کرنا بھی حرام ہوگا۔ اور اگر ہمارے نزدیک وہ مکروہ ہے تو اس کی کاشت کرنا بھی مکروہ ہوگا۔

کسی مسلمان کاشتکار کے لیے روا نہیں کہ وہ حرام چیز کی کاشت اس لیے کرے کہ آخر کار اسے غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کر دینا ہے۔ مسلمان حرام چیز کی کبھی ترویج نہیں کرتا؛ چنانچہ اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ سوروں کی پرورش کرے تاکہ ان کو نصاریٰ کے ہاتھ بیچ دے۔ اور اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلام نے حلال انگور بھی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا حرام ٹھہرایا ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائے گا۔

### صنعت و حرفت

اسلام نے زراعت کی ترغیب بھی دی ہے اور اس کی خوبیاں بھی بیان کر دی ہیں، نیز اس خدمت کو باعثِ ثواب بھی قرار دیا ہے، لیکن اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی

سرگرمیاں صرف زراعت کے لیے وقف ہو کر رہ جائیں جس طرح پیلی کا کیرا پیلی کے اندر رہ جاتا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کے لیے صرف کاشتکاری پر اکتفاء کرنا اور بیلوں کی دُم کے پیچھے پیچھے چلتے رہنا ناپسند کیا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ملت پیش آمدہ خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اس لیے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اسے باعثِ ذلت قرار دیا اور زمانہ نے اس کی پوری طرح تصدیق کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ عَنْكُمْ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ)) ❶

”جب تم عینہ کی بیع کرنے لگو گے (ایک خاص قسم کی بیع جس میں سود کی شکل پیدا ہو جاتی ہے) اور بیلوں کی دُم پکڑے رہو گے زراعت کو پسند کرو گے اور جہاد کو ترک کرو گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط فرمائے گا پھر اسے دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔“

لہذا زراعت کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت اور جہاد کی تیاری بھی ضروری ہے۔

ان چیزوں کے ذریعہ خوشگوار زندگی کی ضرورتیں اور ایک آزاد اور طاقتور اُمت نیز ایک مستحکم اور خود کفیل حکومت کے لوازمات پورے ہو سکتے ہیں۔ صنعت و حرفت اسلام کی رُو سے ایک جائز خدمت ہی نہیں ہے بلکہ جیسا کہ علماء اور ائمہ نے کہا ہے فرض کفایہ ہے۔ اس مفہوم میں کہ اسلامی جماعت کے اندر صنعت و حرفت اور ہر فن کو جاننے والے اتنی وافر تعداد میں رجال کار ہونے چاہئیں کہ اسلامی حکومت کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور وہ اپنا کام ٹھیک طریقہ سے انجام دے سکے۔ اگر صنعت و فن کے کسی گوشہ میں اس طرح کمی واقع ہو جاتی ہے کہ اس خدمت کو انجام دینے والا کوئی شخص بھی نہیں ملتا تو پوری جماعت گنہگار ہو جاتی ہے اور خاص طور سے اولوالامر اور اہل حل و عقد۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی النہی عن العینۃ، ح: ۳۴۶۲۔



”فرض کفایہ ہر وہ علم ہے جس سے انسان دنیوی معاملات میں بے نیاز نہیں ہو سکتا، جیسے طب کہ بقائے جسم کے لیے ضروری ہے۔ اور حساب کہ معاملات اور وصیت و میراث کی تقسیم وغیرہ کے لیے ضروری ہے۔ اور یہ ایسے علوم ہیں کہ اگر کوئی شہر ان کے جاننے والوں سے خالی ہو جائے تو لوگ تکلیف میں پڑیں گے۔ اور جسہ کوئی شخص ان کاموں میں لگ جاتا ہے تو دوسروں پر سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہماری رائے میں اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ طب اور حساب فرض کفایہ ہیں اور بنیادی نوعیت کے کام اور صنعتیں بھی فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً: زمین جو تباہ ہو جائے، کپڑے بننا، جانوروں کی دیکھ بھال کرنا، بلکہ بچھنے لگانا اور سلائی کا کام کرنا بھی۔ اگر کوئی شہر بچھنے لگانے والوں سے خالی ہو جائے تو ہلاکت تیزی کے ساتھ لوگوں کی طرف بڑھے گی، کیونکہ جس نے بیماری پیدا کی ہے اس نے دواء بھی پیدا کی ہے اور اس کے استعمال کی طرف رہنمائی بھی کی ہے، نیز اس کی فراہمی کے اسباب بھی مہیا کیے ہیں، لہذا ان کو ترک کر کے اپنے کو ہلاکت کے لیے پیش کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔“

قرآن نے کتنی ہی صنعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کا ذکر نعت کی حیثیت سے کیا ہے۔ مثلاً سیدنا داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَالَّذِي لَهُ الْخَبْرُ الْيَدِيُّ ۚ إِنَّ أَعْمَلَ سِبْغَةٍ وَقَدِيرٌ فِي السَّرْدِ﴾

(السبأ: ۳۴/۱۰-۱۱)

”ہم نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا کہ زرہیں بناؤ اور ان کی کڑیاں ٹھیک اندازہ سے جوڑو۔“

﴿وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُؤْسٍ لَّكُمۡ لِتُحْصِنَكُمۡ مِّنۡ بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلۡ أَنتُمۡ شَاكِرُونَ ۝﴾ (الانبیاء: ۸۰/۲۱)

”اور ہم نے انہیں تمہارے لیے زرہ بنانے کی صنعت سکھادی تھی، تاکہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ کرے۔ پھر کیا تم شکر گزار ہو؟“

اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَأَسْلَمْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِبِّ مَن يَعْبُلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَمَنْ يَنْزِعْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا لِنَذِقَهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَابِبٍ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رُئِيسَاتٍ ۚ عَمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا ۖ﴾ (السبأ: ۱۲-۱۳)

”اور ہم نے ان کے لیے تانبہ کا چشمہ بہا دیا۔ اور ایسے جن ان کے تابع کیے جو اپنے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھاتے۔ وہ ان کے (سلیمان کے) لیے بناتے جو انہیں منظور ہوتا، اونچی عمارتیں، مجستے، بڑے بڑے حوض (جیسے لگن) اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں، اے آل داود شاکر! نہ طریقہ پر عمل کرو۔“

اسی طرح قرآن نے ذوالقرنین کے لوہے کی بلند و بالا دیوار تعمیر کرنے اور سیدنا نوح علیہ السلام کے کشتی بنانے کا ذکر فرمایا ہے، اور اس کے علاوہ بہت سی سورتوں میں شکار کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً: مچھلی کا شکار، آبی جانوروں کا شکار اور خشکی کے جانوروں کا شکار۔ نیز موتی اور مرجان وغیرہ نکالنے کے لیے غوطہ لگانا۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن نے لوہے کی صحیح قدر و قیمت بتا دی جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی نہ کسی دینی کتاب میں اور نہ دنیوی کتاب میں۔ فرمایا:

﴿وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (الحديد: ۵/۲۵)

”اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں۔“

جس ہنریا پیشہ سے معاشرہ کی ضرورت پوری ہوتی ہو یا اس سے حقیقی فائدہ پہنچتا ہو وہ عمل صالح ہے جبکہ اس کو اختیار کرنے والا خلوص اور ہنرمندی کے ساتھ اس کو انجام دے جیسا کہ اسلام نے حکم دیا ہے۔

اسلام نے ایسے کتنے پیشوں کو معزز بنایا جو لوگوں کی نظروں میں حقیر تھے مثال کے طور

پر بکریاں چرانے والے کو لوگ عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے لیکن نبی ﷺ فرماتے:

((مَابَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ قَالُوا وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَرْعُهَا عَلَى قَرَارِيطَ لَا أَهْلَ مَكَّةَ)) ❶

”اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔“ صحابہ نے کہا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے بھی فرمایا: ”میں مکہ والوں کی بکریاں اُجرت پر چرایا کرتا تھا۔“

محمد ﷺ جو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں بکریاں چرایا کرتے تھے! اور پھر اکثر آپ ﷺ کی اپنی بکریاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ مقررہ اُجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چراتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے پیروؤں کو یہ قصہ سنایا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ عزت و افتخار کام کرنے والوں کے لیے ہے نہ کہ عیش پرستوں اور بے کاروں کے لیے۔

قرآن نے ہمیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا ہے کہ آپ نے ایک بوڑھے بزرگ کے پاس اُجرت پر کام کیا تھا۔ اس بزرگ نے آٹھ سال تک خدمت کرنے کی شرط پر اپنے ہاں رکھ لیا تھا جس کا معاوضہ یہ طے ہوا تھا کہ وہ اپنی ایک لڑکی کا نکاح آپ سے کر دیں گے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بڑے اچھے خادم اور اجیر ثابت ہوئے اور اس بزرگ کی لڑکی کی فراست صحیح ثابت ہوئی:

((قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَأْبَتِ اسْتَأْجِرُهُ إِن خَيْرٌ مِّنْ اسْتَأْجَرَتِ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ)) (القصص: ۲۸/۲۶)

”ان دو میں سے ایک لڑکی نے کہا: ابا جان! انہیں ملازم رکھ لیجئے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سیدنا داود علیہ السلام زرہ بناتے تھے سیدنا آدم علیہ السلام کا شکاری کرتے تھے سیدنا نوح علیہ السلام بوڑھی کا کام کرتے تھے سیدنا اور لیس علیہ السلام سلایٰ کا کام کرتے تھے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ❷

❶ بخاری، کتاب الاجارۃ: باب رعی الغنم علی قراریط، ح: ۲۲۶۲۔

❷ مستدرک حاکم (۲/ ۵۹۶) (واسنادہ موضوع لاجل عبد المنعم فقد کذبہ احمد وغیرہ)۔

لہذا مسلمان کو اپنے پیشہ پر خوش ہونا چاہیے کیونکہ ہر نبی کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتا رہا ہے اور صحیح حدیث میں ہے:

(( مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَدِهِ وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلٍ يَدِهِ )) ❶

”جس نے اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھایا اس سے بہتر کسی کا کھانا نہیں ہے اور اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتے تھے۔“

### ممنوع کام اور پیشہ

البتہ کچھ کام اور پیشے ایسے ہیں جن کو اختیار کرنا اسلام نے اپنے پیروؤں کے لیے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ کے عقیدہ اخلاق، عزت اور تہذیبی اقدار کے لیے یہ چیزیں سخت مضر ہیں۔

### فجہ گری

مثال کے طور پر زنا کاری کو اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے، لیکن اکثر مغربی ممالک نے اس پیشہ کو جائز کر دیا ہے۔ اور وہ اس کی اجازت بلکہ باقاعدہ لائسنس دیتے ہیں اور طوائف کے پیشہ کو بھی دیگر پیشوں کی طرح ایک پیشہ قرار دے کر ان کو حقوق عطا کرتے ہیں جبکہ اسلام نے اس پیشہ کی جڑ پر تیشہ چلایا ہے اور کسی آزاد عورت یا لونڈی کے لیے یہ جائز نہیں رکھا کہ وہ جسم فروشی کو کمانے کا ذریعہ بنالے۔ بعض اہل جاہلیت لونڈیوں پر یومیہ ٹیکس عائد کرتے تھے۔ یہ ٹیکس انہیں اپنے مالکوں کو ادا کرنا پڑتا تھا خواہ کسی طریقہ سے کما کر لائیں اور اس کی ادائیگی کے لیے کتنی ہی لونڈیاں زنا کا پیشہ اختیار کرتی تھیں۔ اور بعض اہل جاہلیت ان کو اس کام کے لیے بالکل مجبور کر دیتے تھے تاکہ دنیا کا حقیر فائدہ اور گھٹیا اور ناپاک کمائی حاصل کریں۔ جب اسلام آیا تو اس نے اپنے فرزندوں اور اپنی دختروں کو اس پستی سے نکالا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَلَا تَكْرَهُوا فِتْنَتَكُمْ عَلَى الْبَغَاءِ إِنَّ أَرْدَنَ تَحَصُّنًا لِيَبْتَلُوا عَرْضَ الْحَيَوةِ الدُّنْيَا﴾ (النور: ۲۴/۳۳)

”اپنی لونڈیوں کو فجہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں، محض

❶ بخاری، کتاب البیوع: باب کسب الرجل وعمله بیدہ، ح: ۲۰۷۲۔

اس لیے کہ دنیوی فائدہ تم کو حاصل ہو جائے؟“

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی لونڈی بھی تھی جو بہت زیادہ خوبصورت تھی اور جس کا نام معاذہ تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ لونڈی فلاں قبیلوں کی ہے۔ کیا آپ ﷺ اسے زنا کی اجازت دیں گے تاکہ اس کا نفع ان قبیلوں کو ملے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں۔“ ① ②

اس طرح نبی ﷺ نے اس گندے پیشہ کی بالکل ممانعت کر دی، خواہ اس کی کمائی سے کسی مجبور کو فائدہ پہنچتا ہو اور خواہ کیسی ہی ضرورت اور کتنا ہی اچھا مقصد کیوں نہ پیش کیا جائے تاکہ اسلامی معاشرہ اس قسم کی خبیث اور مہلک باتوں سے پاک رہے۔  
رقص اور جنسی جنون

اسی طرح اسلام رقص کے پیشہ کا بھی قائل نہیں ہے جو صنفی جذبات کو ابھارتا ہے اور نہ کسی ایسی چیز کا قائل ہے جو طبیعت میں جنسی ہیجان پیدا کرتی ہے مثلاً: فحش گانے، حیا سوز ایکٹنگ اور اس قسم کے دوسرے بے ہودہ کام۔ اگرچہ لوگوں نے اس قسم کی چیزوں کا نام ”فن“ رکھا ہے اور اس کو ”ترقی“ میں شمار کرتے ہیں لیکن الفاظ کا یہ نہایت گمراہ کن استعمال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے نکاح کے علاوہ ہر قسم کے جنسی تعلق کو حرام قرار دیا ہے اور ہر اس قول و عمل کو جو ناجائز تعلقات کا دروازہ کھول دے، حرام ٹھہرایا ہے۔ قرآن نے زنا کی حرمت بیان کرنے کے لیے جو معجزانہ اسلوب اختیار کیا ہے اس میں یہی راز مضمّن ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ③﴾ (الاسراء: ۱۷/۳۲)

”زنا کے قریب نہ پھنکو وہ بے حیائی کا فعل اور بہت برا راستہ ہے۔“

یعنی زنا کی ممانعت پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ اس کے قریب جانے کی بھی ممانعت

① هذا منكر و اخرجه مسلم في كتاب التفسير باب في قوله تعالى (ولا تکر هوا فیتکتم.....) ح: ۳۰۲۹ بلفظ اخر، وللتفصيل انظر تفسير الدر المنثور - (۵/ ۴۶-۴۷) .

② تفسیر رازی- ج ۲۳ ص ۲۲۰ .

فرمائی۔ اوپر ہم نے جو باتیں بیان کیں نیز جن باتوں کو لوگ جذبات انگیز سمجھتے ہیں وہ سب اس بے حیائی سے قریب کرنے والی باتیں ہیں بلکہ اس پر آمادہ کرنے والی اور اس کی ترغیب دینے والی ہیں۔ تو یہ کتنے برے کام ہیں جو لوگ کرتے ہیں! مجسموں اور صلیب وغیرہ کی صنعت

اسلام میں مجسمے حرام ہیں، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور مجسمہ سازی کی حرمت اور زیادہ شدید ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں:

((كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ إِنِّي رَجُلٌ إِنَّمَا مَعِيشَتِي مِنْ صَنْعَةِ يَدَيَّ وَإِنِّي أَصْنَعُ هَذِهِ التَّصَاوِيرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فَإِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُهُ حَتَّى يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِعٍ فِيهَا أَبَدًا۔ فَرَبَا الرَّجُلُ رَبَوَةً شَدِيدَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَيْحَكَ إِنْ أَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهَذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيهِ رُوحٌ)) ❶

میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ”اے ابن عباس رضی اللہ عنہما! میرا ذریعہ معاش کاریگری ہے اور میں اس قسم کی تصویریں بناتا ہوں۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا ہے وہی تمہیں سناؤں گا۔“ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو تصویر بنائے گا اسے اللہ تعالیٰ عذاب دیتا رہے گا حتیٰ کہ وہ اس میں روح پھونک دے لیکن وہ کبھی اس میں روح پھونک نہ سکے گا۔“ یہ سن کر اس شخص کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: ”اگر تم تصویر بنانا ہی چاہتے ہو تو پھر درخت وغیرہ یا غیر ذی روح کی تصویریں بناؤ۔“

❶ بخاری، کتاب البیوع: باب بیع التصاویر التي لیس فیها روح، ح: ۲۲۲۵۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحريم تصوير صورة الحيوان، ح/ ۲۱۱۰۔

یہی حکم بت صلیب اور ان جیسی دوسری چیزوں کا ہے۔

رہی فوٹو گرافی کی تصویریں تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی رُوح سے قریب تر بات یہ ہے کہ یہ جائز ہیں یا زیادہ سے زیادہ انہیں مکروہ کہا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ فی نفسہ حرام مقصد کے لیے نہ ہوں مثلاً عورتوں کے ان اعضاء کو نمایاں کرنا جن سے فتنہ کا احتمال ہو یا ایسی تصویر جس میں مرد کو عورت سے بوس و کنار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہو نیز ایسی تصویریں جن کی تعظیم و تقدیس کی جاتی ہے جیسے ملائکہ انبیاء وغیرہ کی تصویریں۔

نشہ آور اور مخدر عقل اشیاء کی صنعت

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام نے شراب کی ترویج میں کسی بھی قسم کی شرکت کو حرام ٹھہرایا ہے۔ خواہ اسے بنایا جائے یا تقسیم کیا جائے یا نوش کیا جائے۔ جو شخص بھی اس کا مرتکب ہوگا وہ بزبان رسول ﷺ ملعون ہے۔

حشیش اور ایفون جیسی مخدر عقل چیزوں کی حرمت بھی نشہ آور چیزوں ہی کی طرح ہے۔ ان چیزوں کا لین دین ان کی تقسیم اور ان کی صنعت سب ہی حرام ہیں۔ اسی طرح اسلام اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مسلمان کوئی ایسی صنعت یا پیشہ اختیار کرے، جو حرمت پر مبنی ہو یا جس سے کسی حرام چیز کی ترویج ہوتی ہو۔

تجارت کے ذریعہ کمانا

اسلام نے قرآنی نصوص اور سنت رسول ﷺ کے ذریعہ تجارت کرنے کی پُر زور طریقہ پر دعوت دی ہے اور اس مقصد کے لیے سفر کرنے کی بھی ترغیب دی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا ہے نیز تجارت کی غرض سے سفر کرنے والوں کا ذکر مجاہدین فی سبیل اللہ کے ساتھ کیا ہے:

﴿وَأَخْرَجُوا يَظْهَرُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ﴾ (المزمل: ۷۴/۲۰)

”کچھ لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کریں گے اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے۔“



قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے بحری مواصلات کے ذریعہ جو بین الاقوامی تجارت کے لیے نقل و حمل کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لوگوں کے لیے داخلی اور خارجی تجارت کی راہیں کھول دی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی تسخیر اور جہاز رانی کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَتَرَى الْفُلَکَ مَوَاجِرَ فِیْهِ وَتَلْبَتَّغُوا مِنْ فِضْلِهِ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝﴾

(الفاطر: ۳۵/۱۲)

”اور تم دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس (اللہ) کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔“

اور بعض مقامات پر اس کے ساتھ ہوائیں چلانے کا بھی ذکر کیا ہے:

﴿وَمِنْ آیَاتِهِ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَ لَیْذِیْقُکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهِ وَ لَیَجْرِی الْفُلُکَ بِأَمْرِهِ وَ لَیَلْبَتَّغُوا مِنْ فِضْلِهِ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝﴾

(الروم: ۳۰/۴۶)

”اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو خوشخبری دینے اور تمہیں اپنی رحمت سے آشنا کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو (تجارت کرو) اور اس کے شکر گزار بنو۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر احسان فرما کر ان کے لیے ایسے اسباب مہیا کر دیئے کہ ان کا شہر جزیرہ عرب میں ایک ممتاز تجارتی مرکز بن گیا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کہ ”ان کو پھلوں سے رزق دے“ ان کے حق میں سچی ثابت ہوئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قریش پر احسان فرما کر ان کے لیے موسم سرما اور موسم گرما کے تجارتی سفر آسان کر دیئے۔

اسلام نے مسلمانوں کو بین الاقوامی سطح پر تجارتی لین دین کا موقع عطا کیا ہے چنانچہ ہر سال حج کے موسم میں یہ موقع فراہم ہوتا ہے۔ جبکہ لوگ حج کے موقع پر تجارت کرنے میں انقباض محسوس کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح طور سے فرمایا:

﴿لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ ذِیْکُمْ ۝﴾ (البقرہ: ۲/۱۹۸)



”اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم (حالتِ حج) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔“  
 قرآن نے مسجد سے گہری دلچسپی رکھنے والے تاجروں کی تعریف کی ہے جو صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں:

﴿رَجَالٌ لَا تُلِهِمْ بِعَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ﴾ (النور: ۲۴/۳۷)

”ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد اور اقامتِ صلوٰۃ اور ادائیگیِ زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔“

پس مومنین، قرآن کی نظر میں مسجدوں میں بند ہو کر رہنے والے لوگ نہیں ہیں اور نہ تکیوں کے درویش ہیں اور نہ ہی خانقاہوں کے رہبان، بلکہ وہ کام کاج کرنے والے لوگ ہیں اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیوی کام انہیں دینی ذمہ داریوں سے غافل نہیں کرتے۔  
 تجارت کے سلسلہ میں یہ چند باتیں قرآن سے پیش کی گئیں۔ رہی سنت تو اس سے بھی ان باتوں پر روشنی پڑتی ہے چنانچہ پیغمبر اسلام نے اپنے قول و عمل سے تجارت کی ترغیب دی ہے اور اس کی بنیادوں کو استوار کیا ہے۔ کس قدر حکیمانہ ہیں آپ ﷺ کے یہ ارشادات:

((الْتَّاجِرُ الْآمِنُ الصَّدُوقُ مَعَ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ❶

”سچا اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔“

((الْتَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْآمِنُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصَّدِيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ)) ❷

”سچا اور دیانت دار تاجر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔“

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ نبی ﷺ نے سچے تاجر کو مجاہد اور شہید کے برابر قرار دیا کیونکہ دُنیوی زندگی کے تجربات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جہادِ میدانِ قتال ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ اقتصادی میدان میں بھی ہوتا ہے۔

❶ ابن ماجہ 'کتاب التجارات: باب الحث علی المکاسب' ح: ۲۱۳۹۔ مستدرک حاکم (۶/۲) (اسنادہ ضعیف)۔

❷ ترمذی 'کتاب البیوع: باب ماجاء فی التجار' ح: ۱۲۰۹۔ مستدرک حاکم (۶/۲) (اسنادہ ضعیف)۔

تاجروں سے آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اللہ کے ہاں بلند درجہ پر فائز ہوں گے اور ثوابِ جزیل سے نوازے جائیں گے کیونکہ تجارت آدمی کے اندر طمع اور کسی بھی جائز و ناجائز طریقہ سے نفع کمانے کی خواہش پیدا کرتی ہے مال سے مال پیدا ہوتا ہے اور نفع مزید نفع حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ایسی صورت میں جو تاجر سچائی اور دیانتداری کی حدود پر ٹھہرا رہتا ہے وہ فی الواقع مجاہد ہے، جس نے خواہشات کی جنگ جیت لی ہے لہذا وہ اس لائق ہے کہ اسے مجاہد کے مقام پر فائز کیا جائے۔

تجارت کا معاملہ ایسا ہے کہ تاجر رأس المال اور نفع کا حساب جوڑتا رہتا ہے اور اسی چکر میں پھنسا رہتا ہے۔ عہد رسالت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تجارتی قافلہ آتا ہے جبکہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے ہوتے ہیں۔ لوگ قافلہ کی آواز سن لیتے ہیں اور خطبہ چھوڑ کر اس کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر عتاب کی صورت میں یہ آیت نازل فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ٥١﴾

(الجمعة: ۱۱/۶۲)

”اور جب وہ تجارت یا لہو چیز دیکھ لیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ کہہ دیجئے! جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رازق دینے والا ہے۔“

لہذا جو شخص اس چکر میں پڑنے کے باوجود اپنے یقین کو قویٰ اپنے دل کو خشیت سے معمور اور اپنی زبان کو ذکرِ الہی سے تر رکھے وہ یقیناً ان لوگوں کی رفاقت کے لائق ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء صدیقین اور شہداء۔

تجارت کے معاملہ میں ہماری رہنمائی کے لیے نبی ﷺ کا یہ اُسوۂ کافی ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں روحانی پہلو کو پوری اہمیت کے ساتھ ملحوظ رکھا جیسے کہ مدینہ میں تقویٰ کی اساس پر مسجد قائم کی (تا کہ وہ عبادت، علم، دعوت اور حکومت سب کا مرکز بنے)۔ وہاں آپ ﷺ نے اقتصادی پہلو کا بھی پورا پورا لحاظ فرمایا۔ چنانچہ خالص اسلامی بازار قائم کر کے

یہودیوں کے تسلط کو ختم کیا۔ آپ ﷺ نے خود اس کا نظام مرتب کیا اور اس کی نگرانی بھی فرماتے رہے اور ساتھ ہی اس سے متعلق تعلیمات اور ہدایات جاری فرماتے رہے۔ اس بازار کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ فریب ناپ تول میں کئی ذخیرہ اندوزی اور دوسروں کو زک پہنچانے والی باتوں سے یکسر پاک تھا۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ میں ماہر قسم کے تاجر، کاریگر، کاشتکار اور ہر کام اور پیشہ کو اختیار کرنے والے لوگ موجود تھے۔

رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان موجود تھے۔ آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے آیتیں نازل ہوتیں۔ آپ ﷺ لوگوں سے آسمانی باتیں کرتے، روح الامین صبح و شام وحی لے کر آتے اور صحابہ کرام کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ سے ایک منٹ کے لیے جدا ہونا گوارا نہ کرتے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ تمام صحابہ اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ کوئی شخص تجارتی سفر کر رہا ہے تو کوئی اپنے نخلستان میں مصروف ہے اور کوئی اپنے پیشے اور کاریگری میں مشغول ہونے کی وجہ سے رسول رحمت کی تعلیم کو سننے کا موقع نہیں پاتا تو وہ اپنے بھائی سے معلوم کر لیتا ہے!

انصار زیادہ تر زراعت پیشہ اور نخلستان کے مالک تھے اور مہاجرین زیادہ تر بازاروں میں کاروبار کیا کرتے تھے۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مہاجر کی مثال ہمارے سامنے ہے ان کے دینی بھائی سیدنا سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ انہیں اپنا نصف مال اور اپنے دو مکانوں میں سے ایک مکان اور اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دے کر ان کے نکاح میں دینے کی پیشکش کرتے ہیں، لیکن وہ اس عظیم ایثار کا جواب بڑی خودداری سے دیتے ہیں۔ وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں، ”اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور گھر والوں میں برکت دے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تجارت کے لیے کوئی بازار ہے تو بتاؤ۔“ سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ہاں“ بنی قینقاع کا بازار ہے۔“ دوسرے روز صبح وہ بنیر اور گھی لے کر بازار جاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اس کاروباری سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ کافی دولت مند ہو جاتے ہیں۔ اپنی وفات کے وقت انہوں نے کثیر مال چھوڑا۔ ❶

❶ بخاری، کتاب البیوع: باب ۱، ح/ ۲۰۴۹، ۲۰۴۸۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ہے کہ برابر تجارت میں لگے رہے اور دوڑ دھوپ کرتے رہے یہاں تک کہ جس دن خلیفہ بنائے گئے اس دن بھی بازار جانے کا ارادہ کیا۔<sup>①</sup> سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مثال ہے کہ اپنے بارے میں فرماتے: ”مجھے حدیث رسول ﷺ سے بازار کے سودے نے مشغول رکھا۔“<sup>②</sup>

اور اس کے علاوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ بہ کثرت صحابہ کی مثالیں ہیں۔

### تجارت کے بارے میں کنیہ کا موقف

اسلامی معاشرہ نے دین کے زیر سایہ اپنا دنیوی تجارت سفر جاری رکھا۔ یہ لوگ تجارت اور خرید و فروخت کرتے تھے لیکن یہ چیزیں انہیں ذکر الہی سے غافل نہیں کرتی تھیں۔ جبکہ قرون وسطیٰ کے بڑے بڑے ممالک اور مسیحی یورپ کی حکومتوں کے جمہور تجارت کے سلسلہ میں دو کے درمیان متردد تھے۔

① ایک طرف نظریہ تخلیص تھا یعنی کاروبار اور تجارت میں سرگرمی دکھانے سے نفس کے اندر گناہوں کی جو کدورت پیدا ہو جاتی ہے، اس سے اسے پاک کیا جائے۔

② اور دوسری طرف تصور یہ تھا کہ اپنے دینی بزرگوں کی تعلیمات کے برخلاف جب لوگ تجارت اور صنعت و حرفت میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہ لعنت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں کیونکہ یہ گناہ محض ایک برائی ہی نہیں ہے بلکہ ابدی گناہ اور ہمیشگی کی لعنت ہے جو زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی اور دنیوی زندگی میں بھی ہے اور اخروی زندگی میں بھی۔

قدیس اگتین کہتا ہے کہ کاروبار (Business) حقیقتاً گناہ ہے کیونکہ اس سے نفس کی توجہ حق یعنی اللہ کی طرف سے ہٹ جاتی ہے۔

① طبقات ابن سعد (۳/ ۱۸۴، ۱۸۵)

② بخاری، کتاب البیوع: باب الخروج فی التجارة ح: ۲۰۶۲۔ مسلم، کتاب السلام: باب الاستئذان ح: ۲۱۵۳۔

### حرام تجارت

لیکن اسلام میں تجارت حرام نہیں ہے الا یہ کہ اس میں ظلم، فریب، نفع اندوزی اور ممنوعات کی ترویج جیسی خرابیاں شامل ہوں۔

لہذا شراب، مخدرات، خنزیر، بت، مجسمے وغیرہ جن سے استفادہ کرنا اسلام میں حرام ہے ان کی تجارت کرنا بھی حرام ہے اور ہر وہ کمائی جو ایسی چیزوں کے ذریعہ حاصل ہو، حرام اور خبیث ہے۔ اور جو گوشت اس حرام سے پرورش پائے، وہ آگ ہی کے لائق ہے۔

سونے اور ریشم کی تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں عورتوں کے لیے جائز ہیں الا یہ کہ (ان سے بنی ہوئی) کسی ایسی چیز کا کاروبار کیا جائے جن کو صرف مرد استعمال کرتے ہوں اور جائز تجارت کی صورت میں ایک تاجر کو درج ذیل باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ اس کا حشر قیامت کے دن فاجروں کے ساتھ نہ ہو۔

❀ نبی ﷺ ایک دن نماز کے لیے نکلے۔ دیکھا کہ لوگ کاروبار میں مصروف ہیں۔

فرمایا: ”اے تاجرو!“ یہ سن کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہا اور اپنی گردنیں اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللَّهَ وَبَرَّوَصَدَقَ)) ❶

”تاجر قیامت کے دن فاجر کی صورت میں اٹھائے جائیں گے سوائے ان کے جو

اللہ سے ڈرتے رہے، نیک روی اختیار کی اور سچ بولتے رہے۔“

❀ سیدنا واخلاء بن اسحاق رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لایا کرتے اور فرماتے:

((يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ! إِنَّا كُمْ وَالْكَذِبَ .)) ❷

❶ ترمذی، کتاب البیوع: باب ما جاء فی التجار، ح: ۱۲۱۰، ابن ماجہ، کتاب التجارات: باب

التوقی فی التجارة، ح: ۲۱۴۶۔ اسنادہ ضعیف۔

❷ طبرانی فی الکبیر (۵۶/۲۲) کما فی المجموع (۷۳/۴) (اسنادہ ضعیف)

”اے تاجر! جھوٹ سے بچو۔“

لہذا تاجر کو جھوٹ سے بچنا چاہیے کہ جھوٹ تجارت کی آفت ہے اور وہ بدکرداری کی طرف لے جاتا ہے اور بدکرداری دوزخ میں لے جاتی ہے۔

✽ تاجر کو بہ کثرت قسمیں کھانے اور خاص طور سے جھوٹی قسمیں کھانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ أَحَدُهُمُ الْمُنْفِقُ سَلَعَتْهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ)) ❶

”تین اشخاص ایسے ہیں کہ اللہ قیامت کے دن ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہ دیکھے گا اور نہ ان کو پاک ٹھہرائے گا اور وہ دردناک عذاب کے مستحق ہوں گے۔

ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال فروخت کرتا تھا۔“

اور ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَرَّ أَعْرَابِيٌّ بِشَاةٍ فَقُلْتُ تَبِيعُهَا بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمٍ؟ فَقَالَ لَا وَاللَّهِ ثُمَّ بَاعَهَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: بَاعَ اخِرَتَهُ بِدُنْيَاهُ)) ❷

ایک بدو بکری لے کر گزر رہا تھا میں نے اس سے پوچھا: ”اس بکری کو تین درہم میں بیچو گے؟“ اس نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ اس کے بعد اس نے (تین درہم میں) فروخت بھی کر دی۔ میں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس نے دنیا کے بدلہ اپنی آخرت بیچ دی۔“

✽ اور تاجر کو فریب دہی سے احتراز کرنا چاہیے کہ فریب دہی ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیتی ہے۔

❶ مسلم، کتاب الایمان: باب بیان غلط تحریم اسباب الازار: ح: ۱۰۶۔

❷ صحیح ابن حبان (موارد: ۱۰۹۹) (الاحسان: ۷/۲۰۵)۔

❀ ناپ تول میں کمی کرنے سے بھی احتراز کرنا چاہیے کہ ایسے لوگوں کے لیے تباہی و بربادی ہے۔

❀ ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ اللہ اور اس کا رسول اس شخص کی ذمہ داری سے دست کش نہ ہو جائیں۔

❀ سود سے بچنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ حدیث میں ہے:  
 ((ذَرَهُمْ رَبًّا يَأْكُلُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتْنَةٍ وَثَلَاثِينَ زَنِيَّةً))  
 ”ایک درہم سود جانتے بوجھتے کھانا، چھتیس (۳۶) بار زنا کرنے سے زیادہ شدید ہے۔“  
 ان چیزوں کی تفصیل آگے معاملات کے ذیل میں آئے گی۔

### ملازمت

ملازمت کے ذریعہ روزی کمانا مسلمان کے لیے جائز ہے خواہ ملازمت حکومت کے ماتحت ہو یا کسی نجی ادارہ یا شخص کے ماتحت بشرطیکہ وہ متعلقہ کام کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اپنے فرائض ادا کر سکتا ہو۔ البتہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جس کام کی اہلیت نہیں رکھتا اس کا امیدوار بن جائے، خصوصاً جبکہ وہ منصب حکومت یا عدالت سے متعلق ہو (امور عامہ سے متعلق نہ ہو)۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((وَيْلٌ لِلْأَمْرِءِ وَيْلٌ لِلْعُرْفَاءِ وَيْلٌ لِلْأَمْنَاءِ لَيَتَمَنِينَ أَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَنَّ ذَوَائِبَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثَّرِيَاءِ يُدْلَوْنَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَأَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا عَمَلًا))  
 ❀

”تباہی ہے امراء کے لیے! تباہی ہے سربراہوں کے لیے! اور تباہی ہے خازنوں کے لیے! کتنے ہی لوگ قیامت کے دن تمنا کریں گے کہ کاش ان کی چوٹیاں

❀ مسند احمد (۵/۲۲۵)۔

❀ صحیح ابن حبان (موارد - ۱۵۵۹)۔ (الاحسان: ۹/۷)۔ مستدرک حاکم (۹۱/۴) مسند

احمد (۲/۳۵۲-۴۵۳)۔ اسنادہ ضعیف ولكن له شاهد عند الحاكم - (۹۱/۴) واحمد

(۲/۵۲۱) وسندہ حسن،

شریاء سے باندھ دی جاتیں اور وہ آسمان و زمین کے درمیان لٹکا دیئے جاتے لیکن انہیں صاحب اختیار نہ بنایا جاتا!“

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي؟ قَالَ فَضْرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَأَنَّهَا أَمَانَةٌ وَأَنَّهَا يَوْمُ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَادَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا)) ❶

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ مجھے (بھی) کسی منصب پر مامور نہیں فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور فرمایا: ”ابو ذر! تم کمزور ہو اور یہ منصب ایک امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگا، بجز اس کے جس نے اس کو حق کے ساتھ قبول کیا اور اس منصب کا جو حق اس پر عائد ہوتا ہے اس کو ادا کیا۔“

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((الْقُضَاءُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ. فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ)) ❷

”قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں جائیں گے۔ تو جنت میں وہ قاضی جائے گا جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا، لیکن جس نے حق کو پہچاننے کے باوجود ظلم کیا وہ جہنم میں جائے گا اور وہ شخص بھی جہنم میں جائیگا جس نے جہالت کی بنا پر فیصلہ کیا۔“

❶ مسلم، کتاب الامارۃ: باب کراہۃ الامارۃ بغير ضرورة، ح: ۱۸۲۵۔

❷ ابو داود، کتاب القضاء، باب فی القاضی یخطی، ح: ۳۵۷۳، ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء عن رسول اللہ ﷺ فی القاضی، ح: ۱۳۲۲، ابن ماجہ کتاب الاحکام، باب الحاكم یجتهد فیصیب الحق، ح: ۲۳۱۵۔



مسلمان کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ بڑے بڑے منصبوں کا خواہشمند نہ ہو بلکہ دوسرے کاموں کے لیے کوشش کرے، اگرچہ وہ کسی منصب کی صلاحیت رکھتا ہو کیونکہ جو شخص منصب کو رب بنا لیتا ہے منصب اس کو اپنا غلام بنا لیتا ہے اور جو زمین پر ظاہر ہونے والے نتائج ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے وہ آسمانی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔

سیدنا عبدالرحمن بن سہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ! لَا تَسْأَلِ إِلَّا مَارَةً فَإِنَّكَ إِن أُعْطِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا مِنْ مَسْأَلَةٍ وُكِّلْتَ إِلَيْهَا)) ❶

مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عبدالرحمن! امارت طلب نہ کرنا، کیونکہ اگر تمہیں بغیر مانگے مل گئی تو تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر طلب کرنے پر ملی تو تمہیں اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ فِيهِ شُفْعَاءَ وَكَلَّ إِلَى نَفْسِهِ وَمِنْ أَكْرِهِ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَلَكًا لِيُمدِّدَهُ)) ❷

”جس نے منصب قضاء طلب کیا اور اس کے لیے سفارش کرائی، اسے اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا، اور جس کو مجبوراً منصب قضاء قبول کرنا پڑا اس کی مدد کے لیے اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کو راہ صواب دکھاتا ہے۔“

منصب اور عہدہ طلب کرنے کی کراہت اس صورت میں ہے جبکہ خالی جگہ پُر کرنے کے لیے دوسرے لوگ (اہل وحقدار) موجود ہوں۔ لیکن اگر خالی جگہ کو پُر کرنے کے لیے کوئی

❶ بخاری، کتاب کفارات الایمان، باب الکفارة قبل الحنث وبعده، ح: ۷۲۲، مسلم، کتاب الایمان، باب ندب من حلف بيميناً فرأى غيرهما، ح: ۱۶۵۲۔

❷ ابوداود، کتاب القضاء، باب فی طلب القضاء، ح: ۳۵۷۸، ترمذی، کتاب الاحکام، باب ما جاء عن رسول الله ﷺ فی القاضی، ح: ۱۳۲۴، و اسنادہ ضعیف۔

شخص (اہلیت والا) موجود نہ ہو اور وہ خود کو بھی پیش نہ کرے تو مصالح معطل ہوں گے اور مسائل الجھ جائیں گے۔ قرآن نے ہمیں سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ سنایا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے بادشاہ سے کہا تھا:

﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا ۝﴾ (یوسف: ۵۵/۱۲)

”ملک کے خزانوں پر مجھے مامور کر دیجئے۔ میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم رکھنے والا بھی۔“

سیاسی مناصب وغیرہ طلب کرنے کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہی ہے۔

### حرام ملازمتیں

ملازمتوں کا یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے۔ ایسی ملازمت جس سے اسلام یا مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہو یا جو ظلم اور حرام کے کاموں میں معاون ہو، وہ حرام ہے مثلاً: سودی کاروبار، شراب خانوں، رقص گاہوں (Dancing Halls) اور سینما گھروں کی ملازمتیں۔ ایسے ملازمین یہ کہہ کر گناہ سے بری نہیں ہو سکتے کہ وہ خود حرام کے مرتکب نہیں ہوتے، کیونکہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ گناہ کے کام کی اعانت بھی گناہ ہے چنانچہ نبی ﷺ نے سود کے کاتب اور گواہوں پر اسی طرح لعنت فرمائی جس طرح سود خوری پر لعنت فرمائی ہے۔ ❶ اور شراب نچوڑنے والے اور پلانے والے پر بھی اسی طرح لعنت فرمائی جس طرح اس کے پینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ ❷

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ کوئی مجبور کن ضرورت درپیش نہ ہو یعنی ایک مسلمان اپنی گذر بسر کے لیے اس قسم کا کام کرنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ لیکن اگر واقعی اس درجہ کی مجبوری لاحق ہو جائے تو کراہت کے ساتھ بقدر ضرورت ایسی ملازمت اختیار کی جاسکتی ہے۔ ساتھ ہی دوسرے کام کی تلاش میں رہنا ضروری ہوگا، تا آنکہ اللہ عزوجل اس کے لیے کسب حلال کی راہ کھول دے۔

❶ مسلم، کتاب المساقاة، باب لعن آکل الربا و مؤكله، ح: ۱۵۹۸۔

❷ ابو داؤد، کتاب الاشربة: باب العسیر للخمير، ح: ۳۶۷۴۔ ابن ماجہ، کتاب الاشربة: باب لعنت

الخمير علی عشرة، ح: ۳۳۷۰، ۳۳۸۱۔

مسلمان ہمیشہ شبہات کے مواقع سے احتراز کرتا ہے کیونکہ یہ دین و اعتقاد کی کمزوری کا باعث ہوتے ہیں، خواہ ان کے ذریعہ کتنا ہی قیمتی فائدہ اور کتنا ہی وافر مال حاصل ہو جائے۔  
نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

(( دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلَى مَا لَا يُرِيْبُكَ )) ❶

”جو چیز تم کو شبہ میں ڈال دے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کو اختیار کرو جو شبہ پیدا کرنے والی نہیں ہے۔“

نیز فرمایا

(( لَا يَبْلُغُ عَبْدٌ دَرَجَةَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا مِمَّا ))

بِهِ بَأْسٌ )) ❷

”بندہ متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اُن باتوں کو جن میں کوئی حرج نہیں ہے، حرج کے اندیشہ سے چھوڑ نہ دے۔“

### مسائل کسب کے سلسلہ میں عام اصول

کمانے کے سلسلہ میں عام اصول یہ ہے کہ اسلام اپنے فرزندوں کو اس بات کی کھلی چھٹی نہیں دیتا کہ وہ جو مال چاہیں کمائیں اور جس طریقہ سے چاہیں کمائیں؛ بلکہ وہ اجتماعی مصالح کے پیش نظر کسبِ معاش کے مشروع اور غیر مشروع طریقوں میں واضح فرق بیان کرتا ہے۔ یہ فرق ایک کلیہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسبِ مال کے وہ تمام طریقے جن سے کچھ افراد دوسروں کو نقصان پہنچا کر فائدہ حاصل کرتے ہوں، غیر مشروع ہیں۔ اس کے برخلاف ایسے طریقے جن سے افراد باہمی رضا مندی سے عدل کے ساتھ منفعت کا تبادلہ کرتے ہوں، مشروع ہیں۔

اس اصول کی توضیح قرآن کی درج ذیل آیت سے ہوتی ہیں:

❶ مسند احمد (۱/۲۰۰)۔ ترمذی، کتاب صفة القيامة: باب (۶۰) ح/۲۵۱۸۔ نسائی، کتاب

الاشربة: باب الحث على ترك الشبهات ح/۵۷۱۴۔

❷ ترمذی، کتاب صفة القيامة: باب (۱۹) ح/۲۴۵۱ واسنادہ ضعیف۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَاْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا  
تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ  
رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا﴾

(النساء: ۴/۲۹-۳۰)

”اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ  
باہمی رضا مندی سے تجارت کے ذریعہ مال حاصل ہو جائے۔ اور اپنی جانوں کو  
قتل نہ کرو۔ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔ اور جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا  
کرے گا اس کو ہم جلد ہی آگ میں جھونک دیں گے۔“

اس آیت نے تجارت کو دو شرطوں کے ساتھ شروع کیا ہے۔ ایک یہ کہ تجارت فریقین  
کی رضا مندی سے ہو۔ اور دوسری یہ کہ ایک فریق کا فائدہ دوسرے فریق کے نقصان پر مبنی نہ  
ہو۔ یہ بات ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (اپنی جانوں کو قتل نہ کرو) کے الفاظ سے واضح  
ہوتی ہے۔ مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کیے ہیں اور دونوں ہی یہاں منطبق ہوتے ہیں۔  
ایک معنی یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنے ہاتھوں خود کو  
قتل نہ کرو۔ لیکن دونوں صورتوں میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے ذاتی فائدہ کی  
خاطر دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے وہ گویا خون بہاتا ہے اور نتیجتاً اپنے ہی لیے ہلاکت کی راہ  
کھولتا ہے۔ چنانچہ چوری، رشوت خوری، بوا، دھوکہ فریب، دغا اور سود وغیرہ ایسے ذرائع کسب  
ہیں، جن میں غیر مشروع ہونے کی یہ دونوں عتتیں پائی جاتی ہیں اور اگر بعض صورتوں میں  
باہمی رضا مندی کی شرط پوری ہوتی بھی ہو تو دوسری اہم شرط جو ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾  
میں مضمر ہے (یعنی جس سے دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچے) مقصود ہوتی ہے۔<sup>①</sup>



① اسس الاقتصاد للاستاذ أبي الاعلى المودودي۔ ص ۱۵۲۔

باب سوم

اپنے اعمال و احوالات کو اللہ سے مخفی رکھنے کے  
الفاظ کی وضاحت کے حوالہ کا طریقہ



فطری داعیات (خواہشات) کا دائرہ عمل  
شادی بیاہ

زوجین کے باہمی تعلقات

برتھ کنٹرول

طلاق

والدین اور اولاد کے تعلقات



شادی بیاہ اور خاندانی زندگی میں حلال و حرام

## فطری داعیات (خواہشات) کا دائرہ عمل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کی خلافت (نیا بت) اور اس کی آباد کاری کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ انسان کی نوع و نسل باقی رہے اور اس طرح زندگی بسر کرے کہ زراعت، صنعت، تعمیر اور آباد کاری کے کام اس کے ہاتھوں انجام پاتے رہیں، نیز اللہ عزوجل کا جو حق اس پر ہے، اس کو وہ ادا کرتا رہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر فطری داعیات اور نفسیاتی محرکات رکھے ہیں جو انسان کو فرد اور نوع دونوں کی بقا کا ذریعہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

من جملہ ان کے ایک داعیہ کھانے کی اشتہاء ہے کہ شکم سیری سے آدمی کا وجود باقی رہتا ہے۔ دوسرا داعیہ جنسی خواہش ہے جس پر نوع انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔ یہ نہایت قوی اور قابو سے نکل جانے والا داعیہ ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر تنفس سے اپنی ناقابل تسکین خواہش کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ لہذا انسان کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ تین موقوفوں میں سے کوئی ایک موقف اختیار کرے۔

جنسی داعیہ کے متعلق انسان کے مختلف موقف

① ایک موقف یہ ہے کہ اس داعیہ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہاں چاہے اور جس طرح چاہے اپنا کام کرے۔ اس کے لیے کسی قسم کی دینی، اخلاقی اور عمری رکاوٹ نہ ہو۔ اباحت والے مذاہب جو نہ کسی دین کو مانتے ہیں اور نہ فضائل اخلاق کو تسلیم کرتے ہیں، اسی کے قائل ہیں۔ یہ موقف انسان کو انسانیت کے مقام سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آتا ہے اور فرد، خاندان اور سماج سب کے بگاڑ کا موجب بنتا ہے۔

② دوسرا موقف یہ ہے کہ اس داعیہ سے آدمی ٹکرائے اور اس کا زور ختم کرنے کی کوشش

کرنے جیسا کہ تقشف پسند اور محرومی و بدشگونی کا اعتقاد رکھنے والے مذاہب کا شعار ہے اور رہبانیت اور المانویت اس کی مثالیں ہیں۔ یہ موقف اس داعیہ کو کچل دیتا ہے اور اس حکمت کے سراسر منافی ہے جس کی مناسبت سے انسان کو مخصوص ساخت عطاء کی گئی ہے اور اس خاص فطرت پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ نیز یہ موقف اس طریق زندگی سے متصادم ہے جو ان فطری خواہشات کی تکمیل کا سامان کرتا ہے۔

تیسرا موقف یہ ہے کہ اس داعیہ کے لیے حدود مقرر کیے جائیں تاکہ وہ اپنے دائرہ میں آزاد رہے۔ نہ تو اسے کچل کر رکھ دیا جائے اور نہ ہی دیوانگی کی حد تک آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آسمانی مذاہب نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ ان مذاہب نے زنا کو حرام اور نکاح کو جائز ٹھہرایا ہے، خصوصاً اسلام نے اس داعیہ کو تسلیم کر لیا ہے اور اس کے لیے جائز راہ کھول دی ہے اور عورتوں سے بے تعلقی اختیار کرنے اور تجرد کی زندگی گزارنے سے منع کیا ہے جبکہ اس نے زنا اس کے متعلقات اور مقدمات کو سخت حرام ٹھہرایا ہے۔

یہ موقف عدل اور اعتدال پر مبنی ہے۔ اگر نکاح مشروع نہ کیا گیا ہوتا تو یہ داعیہ سلسلہ انسانی کی بقاء کی خدمت انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اور اگر زنا کو حرام نہ کر دیا گیا ہوتا اور مرد کے لیے یہ ضروری نہ کر دیا گیا ہوتا کہ وہ کسی عورت کو اپنے لیے مخصوص کر لے، تو خاندان کی تشکیل نہیں ہو سکتی تھی جس کے زیر سایہ مودت، رحمت، شفقت، محبت اور ایثار جیسے ارتقا پذیر اجتماعی جذبات پرورش پاتے ہیں۔ اور جب خاندان نہ ہوتا تو سماج کی تشکیل ہوتی اور نہ وہ ترقی و کمال کی راہ پر گامزن ہوتا۔

زنا کے قریب نہ پھسلو

جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمام آسمانی مذاہب زنا کے خلاف اور اس کی حرمت پر متفق ہیں تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ اور اسلام نے جو آخری دین ہے، اس کی سخت ممانعت کی ہے کیونکہ اس کا نتیجہ اختلاط نسب، اپنی نسل پر ظلم، خاندان کے لیے گراؤ، تعلقات کے انتشار، امراض کے پھیلنے، شہوت کے ابھرنے اور اخلاقی انحطاط کی شکل میں نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح فرمایا ہے:



﴿وَلَا تَقْرُبُوا الزَّوَاجَ إِنْ كُنْتُمْ فَاِحْشَةً ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا ۝﴾

(الاسراء: ۱۷/۳۲)

”زنا کے قریب نہ پہنکو۔ وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے اور بہت بری راہ ہے۔“

اسلام جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی طرف جانے والے راستوں کو بھی مسدود کر دیتا ہے اور اس کے تمام ذرائع اور مقدمات و محرکات کو بھی حرام قرار دیتا ہے۔

لہذا جو چیزیں سوئے ہوئے جذبات کو جگانے والی مردوزن کے لیے فتنہ کا دروازہ کھولنے والی اور بے حیائی کی ترغیب دینے یا اس سے قریب کرنے یا اس کے لیے راہ ہموار کرنے والی ہوں، تو ایسی چیزیں سد ذریعہ کے طور پر یا مفسدہ کو دفع کرنے کی غرض سے ممنوع اور حرام قرار پاتی ہیں۔

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے

اسلام نے جن ذرائع کو حرام ٹھہرایا ہے، ان میں سے ایک ذریعہ مرد کا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا ہے یعنی ایسی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا جو نہ بیوی ہو اور نہ ان رشتہ داروں میں سے ہو جن سے ابدی طور پر رشتہ ازدواج حرام ہے مثلاً: ماں، بہن، پھوپھی، خالہ وغیرہ۔ یہ حرمت اس وجہ سے نہیں ہے کہ مرد یا عورت پر اعتماد نہیں ہے بلکہ دراصل ان کو دوسووں اور برے خیالات سے بچانا مقصود ہے۔ کیونکہ جہاں مردانہ اور زنانہ خصوصیات کو جمع ہونے کا موقع ملا اور وہاں کوئی تیسرا آدمی موجود نہ ہو تو دلوں میں گناہ پر آمادگی پیدا ہو سکتی ہے۔

خلوت کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَخْلُونَ بِأَمْرَاءٍ لَيْسَ

مَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا فَإِنَّ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ)) ①

”جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی عورت کے ساتھ

خلوت میں نہ رہے جہاں کوئی محرم موجود نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں ان دو کے

① مسند احمد (۳/۳۳۹: ۴۴۶) ولد شاہد من حدیث عمر ؓ عند الترمذی، کتاب الفتن: باب

فی لزوم الجماعة - ح: ۲۱۶۵.



ساتھ تیسرا شیطان موجود ہوتا ہے۔“

ازواج مطہرات کی شان میں نازل شدہ آیت:

﴿وَإِذَا سَأَلْتَهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُّوهُنَّ مِنْ دَرَاءٍ حِجَابٍ ۚ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ﴾ (الاحزاب: ۳۳/۵۳)

”نبی کی ازواج سے جب تمہیں کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے بھی پاکیزگی کا باعث ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔“

آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام قرطبی فرماتے ہیں:

”مراد یہ ہے کہ اُن خیالات سے دلوں کو پاک کیا جائے جو عورتوں کے تعلق سے مردوں کے دلوں میں اور مردوں کے تعلق سے عورتوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی پردہ کرنے سے شک اور تہمت کے لیے گنجائش باقی نہیں رہتی اور یہ تحفظ کا بڑا اچھا ذریعہ ہے۔ اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ کسی شخص کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ خود اعتمادی سے کام لے کر کسی اجنبی عورت کے پاس خلوت میں رہے۔ اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے اور پاکدامنی و تحفظ عصمت کا باعث ہے۔“<sup>①</sup>

رسول اللہ ﷺ نے خاص طور سے شوہر کے رشتہ داروں مثلاً دیور شوہر کے چچا زاد بھائی وغیرہ کے ساتھ خلوت میں رہنے سے منع فرمایا ہے۔ عام طور سے اس معاملہ میں رشتہ دار تساہل برتتے ہیں جس کا نتیجہ بعض اوقات بہت برا نکلتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی رشتہ دار کے ساتھ خلوت میں رہنا غیروں کی بہ نسبت زیادہ اندیشہ ناک اور خطرناک ہوتا ہے۔ اور اس میں شدید فتنہ کا احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ اجنبی کے برخلاف غیر محرم رشتہ دار عورت کے پاس بے روک ٹوک آجا سکتا ہے۔ یہی حکم بیوی کے غیر محرم رشتہ داروں کے ساتھ خلوت میں رہنے کا ہے۔ مثلاً: بیوی کے چچا زاد بھائی، ماموں زاد بھائی اور خالہ زاد بھائی۔ ان میں سے

① تفسیر القرطبی۔ ج ۱۴ ص ۲۲۸۔

کسی کے ساتھ خلوت میں رہنا جائز نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالِدُخُولَ عَلَى النِّسَاءِ- فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ

يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَرَأَيْتَ الْحَمَوَ؟ فَقَالَ: الْحَمَوُ الْمَوْتُ)) ❶

”عورتوں کے پاس خلوت میں رہنے سے بچو۔ انصار میں سے ایک شخص نے کہا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! ”حمو“ (دیور) کے بارے میں کیا خیال

ہے؟ فرمایا: ”حمو“ موت ہے۔“

”حمو“ لغوی طور پر شوہر کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ خلوت باعث خطر اور موجب ہلاکت ہے۔ اگر آدمی معصیت کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ دینی ہلاکت ہے۔ اور اگر شوہر کی غیرت اُسے اس بات کے لیے آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، تو یہ عورت کے لیے ہلاکت ہے۔ اور خلوت کے نتیجہ میں جب اقارب ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کرنے لگیں تو یہ معاشرتی روابط کے لیے ہلاکت کا سامان ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا اثر صرف انسانی جذبات اور خیالات ہی پر نہیں پڑتا بلکہ اس کی زد میں خاندان کی زندگی، میاں بیوی کے گزر بسر کے حالات اور ان کی راز دارانہ باتیں بھی آجاتی ہیں اور فضول گوئی کرنے والوں اور گھروں میں بگاڑ پیدا کرنے والوں کو زبانی دراز کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

جس طرح عرب ”الأسد الموت“ (شیر موت ہے) اور ”السُّلْطَانُ النَّارُ“ (سلطان آگ ہے) بولتے ہیں اسی طرح ”الْحَمَوُ الْمَوْتُ“ (شوہر کے اقارب موت ہیں) بولتے ہیں۔ یعنی ان سے ملنا گویا آگ اور موت کے مترادف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ خلوت میں رہنا، اجنبیوں کے ساتھ خلوت میں رہنے سے زیادہ شدید ہے، کیونکہ بعض اوقات یہ رشتہ دار عورت کے دل میں ایسی چیز کی طلب پیدا

❶ بخاری، کتاب النکاح: بال لا یخلون رجل بامرأة الا ذو محرم؛ ح: ۵۲۳۲۔ مسلم، کتاب

السلام: باب تحريم الخلوة بالاجنبية: ح: ۲۱۷۲۔

کرتے ہیں جس کو پورا کرنا شوہر کے بس میں نہیں ہوتا یا کبھی وہ بد سلوکی کرنے پر اُکساتے ہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ شوہر اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے رشتہ دار اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کے باطنی حالات سے واقف ہو جائیں۔  
جنس مقابل کو بنظر شہوت دیکھنا

اسلام نے اس بات کو بھی حرام ٹھہرایا ہے کہ مرد اپنی نگاہ عورت پر ڈالے اور عورت مرد پر۔ اس لیے کہ آنکھیں دل کی کلید ہیں اور نظر فتنہ کی پیغامبر اور زنا کی قاصد ہے۔ ایک قدیم شاعر نے کہا ہے:

كُلُّ الْحَوَادِثِ مَبْدَأُهَا مِنَ النَّظَرِ وَمُعْظَمُ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْغَرِ الشَّرِّ  
”تمام حوادث کی ابتدا نظر سے ہوتی ہے اور چھوٹی سی چنگاری سے زبردست آگ بھڑک اٹھتی ہے۔“

نَظْرَةٌ فَأَبْتَسَامَةٌ فَسَلَامٌ فَكَلَامٌ فَمَوْعِدٌ فَلِقَاءٌ  
”پہلے نظر پھر مسکراہٹ پھر سلام پھر کلام پھر وعدہ اور پھر ملاقات“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جہاں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں بالخصوص غض بصر کی ہدایت بھی کی ہے چنانچہ فرمایا:  
﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ٥٠﴾ (النور: ٢٤ / ٣٠-٣١)

”مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے حق میں زیادہ پاکیزہ بات ہے۔ یقیناً جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔“

ان دونوں آیتوں میں مرد اور عورت دونوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

نگاہیں نیچی رکھنے کے سلسلہ میں قرآن نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ﴿يَعْضُوا مِنْ أَيْدِيهِمْ﴾ ہیں۔ یعنی حکم ”غَضُّ مِنَ الْبَصَرِ“ کا۔ لیکن شرمگاہوں کی حفاظت کے بارے میں ”مَنْ قُرَّوْجِهْمُ“ کے الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ہیں بلکہ ”يَحْفَظُوا قُرَّوْجِهْمُ“ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کیونکہ شرمگاہ کی حفاظت بغیر کسی رعایت کے مکمل طور سے مطلوب ہے، لیکن نگاہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ رفع حرج اور مصلحت کی رعایت کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے اس میں نرمی برتی ہے۔ (یہ نکتہ لفظ من کے عدم استعمال سے واضح ہوتا ہے۔)

پس ”غَضُّ مِنَ الْبَصَرِ“ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آنکھیں بالکل بند کر لی جائیں یا سر کو زمین کی طرف جھکائے رکھیں۔ نہ آیت کا یہ منشاء ہے اور نہ یہ بات ممکن ہی ہے۔ آیت ”وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ“ کے معنی آواز کو پست کرنے کے ہیں خاموشی نہ کہ بالکل چپ ہے۔ ❶ نظروں کو بالکل آزاد نہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ آنے جانے والیوں یا آنے جانے والوں پر پڑیں لہذا جب کسی کی نظر جنس مقابل پر پڑے تو نہ اس کے محاسن پر نظریں جمائے اور نہ اس کو گھور گھور کر دیکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((يَا عَلِيُّ، لَا تَتَّبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّمَا لَكَ الْأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ)) ❷

”اے علی! پہلی نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو۔ پہلی نظر معاف ہے لیکن دوسری نہیں۔“ نبی ﷺ نے جنس مقابل پر حریم صانہ نگاہیں ڈالنے کو آنکھوں کے زنا سے تعبیر کیا ہے:

((الْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظْرُ)) ❸

”آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر ہے۔“

❶ سورہ لقمان (۱۹) میں بھی ”غَضُّ مِنَ الصَّوْتِ“ کا مطلب منہ بند کیے رہنا نہیں ہے لہذا ”غَضُّ مِنَ الْبَصَرِ“ کے معنی نظروں کو پست کرنے کے ہیں۔

❷ مسند احمد (۳۵۳/۵) ابو داؤد کتاب النکاح: باب فی ما یؤمر بہ من غرض بصر ح' ۲۱۴۹ ترمذی کتاب الادب: باب ماجاء فی نظرة الفجأة ح/ ۲۷۷۷۔

❸ بخاری کتاب الاستئذان: باب زنا الجوارح دون الفرج ح: ۶۲۴۳۔ مسلم کتاب القدر: باب قدر علی ابن آدم حظ من الزنى ح: ۲۶۵۷۔ مسند احمد (۳۴۳/۲) واللفظ له۔

اس کو زنا اس لیے قرار دیا ہے کہ اس میں ایک قسم کا تلذذ ہے اور اس سے غیر مشروع طریقہ پر جنسی خواہش پوری ہوتی ہے۔ یہ بات انجیل میں مذکور سیدنا مسیح علیہ السلام کے اس قول کے بالکل مطابق ہے:

”اس سے پہلے تم سے کہا جاتا رہا کہ زنا نہ کرو۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ جس نے اپنی آنکھوں سے نظر ڈالی اس نے بھی زنا کیا۔“

یہ لذت کی حریص نگاہیں صرف عفت ہی کے لیے خطرناک نہیں ہیں بلکہ ذہنی یکسوئی اور سکون قلب کے لیے بھی خطرناک ہیں کہ اس سے ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

### ستر پر نظر ڈالنے کی حرمت

ستر سے نگاہوں کو بچانا ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے ستر پر نظر ڈالنے سے منع فرمایا ہے خواہ کوئی مرد کسی مرد کے ستر پر نظر ڈالے یا کوئی عورت کسی عورت کے ستر پر نظر ڈالے اور خواہ شہوت سے نظر ڈالی جائے یا بغیر شہوت کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

(( لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا تَنْظُرُ الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ )) ①

”کوئی مرد کسی مرد کے ستر پر نظر نہ ڈالے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کے ستر پر نظر ڈالے۔ اور نہ مرد مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں ہو جائے اور نہ عورت عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں ہو جائے۔“

مرد کا ستر جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور جس پر نظر ڈالنا کسی مرد و عورت کے لیے جائز نہیں، ناف اور گھٹنہ کے درمیان کا حصہ ہے ② اور بعض ائمہ جیسے ابن حزم اور بعض مالکیہ کی رائے میں، ران ستر میں داخل نہیں ہے۔

① مسلم 'كتاب الحيض': باب تحريم النظر الى العورات' ح: ۳۳۸۔

② ابوداؤد 'كتاب الصلاة': باب متى يؤمر الغلام بالصلاة' ح/ ۴۹۶۔

عورت کا ستر اجنبی مرد کے لیے اس کا پورا جسم ہے، بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے۔ اور عورت کا ستر اس کے محرم کے لیے کیا ہے؟ اس کا بیان آگے زینت کے اظہار کے سلسلہ میں ہوگا۔ ستر پر نظر ڈالنے یا چھونے کی حرمت کا یہ جو ذکر ہوا وہ ایسی صورت میں ہے کہ کوئی مجبوری یا ضرورت لاحق نہ ہو، لیکن اگر واقعی کوئی مجبوری یا ضرورت پیش آجائے مثلاً طبی امداد یا علاج کی ضرورت ہو تو پھر حرمت زائل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نظر کے جواز کے سلسلہ میں ہم نے جو کچھ بیان کیا وہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فتنہ اور شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔ بصورت دیگر سد ذریعہ کے طور پر اباحت زائل ہو جائے گی۔

مرد یا عورت کو دیکھنے کے جواز کے حدود

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے واضح ہے کہ عورت کا مرد کے جسم کے اس حصہ کو دیکھنا جو ستر میں داخل نہیں ہے، یعنی ناف کے اوپر اور گھٹنے کے نیچے والے حصہ کو دیکھنا، مباح ہے بشرطیکہ بنظر شہوت نہ ہو اور نہ فتنہ کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کو دیکھنے کی اجازت دی تھی جبکہ وہ مسجد نبوی میں اپنے نیزوں سے کرتب دکھا رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی طرف مسلسل دیکھتی رہیں یہاں تک کہ تھک کر واپس لوٹ گئیں۔<sup>①</sup>

اسی طرح مرد کا عورت کے جسم کے اس حصہ پر نگاہ ڈالنا جو ستر میں داخل نہیں ہے، یعنی اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا، جائز ہے<sup>②</sup> شرطیکہ بنظر شہوت نہ دیکھا جائے اور نہ اس سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو:

((عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي لِبَاسٍ رَقِيقٍ يَشْفُ عَنْ جِسْمِهَا فَأَعْرَضَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهَا

① بخاری، کتاب العیدین: باب الحرام والدرق يوم العيد، ح/ ۹۵۰، مسلم، کتاب صلوٰۃ العیدین: باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصية فيه، ح: ۸۹۲۔

② اجنبی کے لیے غیر محرم عورت کا چہرہ دیکھنا جائز نہیں سوائے خاٹب اور مگتیر کے، جبکہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہو۔ تفصیل کے لیے شیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی کی کتاب "حجاب المرأة المسلمة" ملاحظہ کریں۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی)

وَقَالَ: يَا أَسْمَاءُ، إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتْ الْمَحِيضَ لَمْ يَصْلُحْ أَنْ يُرَى مِنْهَا إِلَّا هَذَا وَهَذَا وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَفِيهِ) ❶

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کی بہن اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا باریک لباس پہنے ہوئے جس کے اندر سے جسم نظر آ رہا تھا، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ نبی ﷺ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ”اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے روا نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دے سوائے اس اور اس حصہ کے۔“ آپ ﷺ نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔“

اس حدیث میں اگرچہ ضعف ہے لیکن صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو مباح ہے۔

الغرض پاکیزہ نظر، مرد یا عورت کے جسم کے اس حصہ پر ڈالنا جو ستر میں داخل نہیں ہے جائز ہے بشرطیکہ بار بار نظر نہ ڈالی جائے اور نہ گھور گھور کر دیکھا جائے کہ یہ اکثر تلذذ اور فتنہ کے اندیشہ کا باعث بنتا ہے۔ ❷

❶ ابوداؤد، کتاب اللباس: باب فیما تبدی المرأة من زوجها، ح: ۴۱۰۴۔ قال شیخنا الحافظ زبیر علیزئی حفظہ اللہ، ”الولید (بن مسلم) عنعن وسعید بن بشیر ضعیف (تقریب) حدث عن قتادة بمناکیر و قتادة عنعن و (خالد) بن دریک عن عائشة منقطع، (انوار الصحیفة فی الاحادیث الضعیفة، ص: ۶۰)“

❷ عورت کی طرف پاکیزہ نظر سے دیکھنے کو جائز قرار دینا باطل ہے۔ عورت کی طرف دیکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر کسی عورت پر غیر محرم مرد یا بعض حالات میں محرم مرد کی نظر پڑ جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی نظر کو فورا پھیر لے۔ قرآن مجید نے عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کی طرف تا تک جھانک کرنے یا کسی بھی انداز سے دیکھنے سے منع کیا ہے۔ پردے کا حکم جاری کرنے کا مقصد اور اس کی اولیں حکمت یہی تھی کہ مرد و زن ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں۔ عورت صرف اپنے خاوند اور خاوند صرف اپنی بیوی کے مخصوص مقامات ستر کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عورت اپنے ہاتھ، پاؤں، چہرہ اور سر کے بال اپنے محرم رشتہ داروں کے سامنے اگر نہیں بھی چھپاتی تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم مکمل پردہ بہر حال عورت کے لیے لازمی اور فرض ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ علماء کے درمیان مکمل چہرے کے پردے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، لیکن عورت کی عفت و عصمت کے تحفظ کی ضمانت ہے



اسلام نے اُچھتی ہوئی نظر کو جو اچانک پڑ جاتی ہے قابل معافی قرار دے کر بڑی فراخی کا ثبوت دیا ہے۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَقَالَ: إِصْرَفْ بَصْرَكَ)) ❶

میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نگاہ پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”نگاہ پھیر لو۔“  
یعنی دوبارہ نظر نہ ڈالو۔

عورت کے لیے اظہارِ زینت کس حد تک جائز اور کس حد تک ناجائز ہے  
عورتوں سے متعلق مزید ہدایات درج ذیل ہیں:

((وَلَا يُبْدِيَنَّ زَيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا)) (النور: ۲۴/۳۱)

”اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، بجز اس کے جو ظاہر ہو جائے۔“

⇐ پردے ہی میں مضمر ہے۔ اور چہرے کا پردہ از حد ضروری اور واجب ہے کیونکہ چہرے کی کشش ہی تو مردوں کو فتنہ میں مبتلا کرتی ہے۔ اس لیے غیر محرم خواتین کی طرف دیکھنا بالکل ناجائز ہے۔ اور اس امر میں کسی بھی قسم کی کوئی گنجائش نکالنا یا اسے جائز قرار دینا بالخصوص آج کے پرفتن دور میں، بہر حال غلط اور باطل ہے۔ بلکہ دور کوئی بھی ہو، اللہ تعالیٰ نے نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے تو ہم اس حکم کی تعمیل کرنے کے پابند ہیں۔ مصنف نے پاکیزہ نظر کی شرط لگائی ہے جو کہ باطل شرط ہے، کیونکہ جب نظر غیر محرم خاتون پر جائے گی تو اسی لمحے میں شیطان اس نظر کو پھسلائے گا اور اس کی پاکیزگی کا تصور بھی ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یا اللہ کے رسول نے تو یہ شرط نہیں لگائی کہ اگر پاکیزہ نظر ہو تو عورتوں کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اہل ایمان مردوں اور اہل ایمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اسی طرح سے ان کے ستر کی حفاظت رہ سکتی ہے۔ [مفہوم آیت مبارکہ سورۃ النور: ۲۳، ۳۰، ۳۱] مصنف سے پوچھنا چاہیے کہ جس دور میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں اس دور کے افراد، جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام سے جانا جاتا ہے، کیا ان کی نظریں (نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ) پاکیزہ نہیں تھیں؟ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں نہ فرمادیا کہ اگر تمہاری نظر پاکیزہ ہو، تمہاری نظر میں بد اخلاقی کا ارادہ نہ پایا جاتا ہو تو پھر تم عورتوں کی طرف دیکھ سکتے ہو ورنہ نگاہیں نیچی رکھو۔ پاکیزہ لوگوں، رضی اللہ عنہم کا رتبہ پانے والوں کو بھی اگر اس امر سے متشکی نہیں کیا گیا تو اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ مرد و عورت کے فطری جذبات کو کسی بھی وقت شیطان پھسلا سکتا ہے اس لیے نگاہوں کو نیچا رکھنا، بالخصوص غیر محرم کی طرف نہ دیکھنا ہی عفت و پاکدامنی کی ضمانت اور فتنوں سے بچنے کا راستہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب [ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمۃ اللہ علیہ]

❶ مسند احمد (۴/۳۷۱) مسلم، کتاب الآداب، باب نظر الفجاءۃ، ج: ۲۱۵۹۔



عورت کی زینت میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اسے آراستہ کرنے والی اور اس میں جمال پیدا کرنے والی ہو خواہ وہ خلقی زینت ہو جیسے چہرہ، بال اور جسم کے دوسرے محاسن یا اکتسابی جیسے کپڑے، زیور، سرخی وغیرہ۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی زینت چھپائیں اور اس کو ظاہر نہ کریں۔ اور اس سے مستثنیٰ صرف ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (زینت میں سے جو ناہر ہو جائے) کو کر دیا۔

﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کے معنی کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ آیا اس کے معنی ضرورتاً بغیر کسی قصد کے ظاہر ہو جانے کے ہیں مثلاً: جو ہوا کے جھونکے سے کھل جائے۔ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جو عادتاً اور قدرتی طور پر ظاہر ہوتی ہیں اور جس کی اصل حقیقت ظاہر ہونا ہی ہے؟

اکثر سلف سے جو کچھ منقول ہے اس سے دوسری رائے کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد سُرمہ اور انگوٹھی ہے۔ ① سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ ② سُرمہ اور انگوٹھی کے اظہار سے ان کے اعضاء کا اظہار بھی لازم آتا ہے۔ یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں۔ اور سعید بن جبیر عطاء اور اوزاعی وغیرہ سے صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے۔ ③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور قتادہ وغیرہ سے جو روایتیں ہیں ان میں کنگنوں کا اضافہ ہے۔ ④ جس سے معلوم ہوتا ہے ہتھیلی کے علاوہ ہاتھ کا مزید کچھ حصہ بھی مستثنیٰ ہے۔ اس کی حد بہ اختلاف آراء ایک مشت سے لے کر نصف ہاتھ تک ہو سکتی ہے۔ اس توسع کے برخلاف سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور نخعی وغیرہ کا مسلک ہے۔ انہوں نے ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے چادر وغیرہ ظاہری کپڑے مراد لیے ہیں۔ ⑤ لیکن ان چیزوں کو چھپانا ممکن ہی نہیں ہے۔

① تفسیر طبری (۱۱۸/۱۸) بیہقی فی السنن الکبریٰ (۹۴/۷)

② درمنشور (۱۷۹/۶)

③ تفسیر طبری (۱۱۹/۱۱۸/۱۸)

④ تفسیر طبری (۱۱۹/۱۱۸/۱۸)۔ درمنشور (۱۸۰/۶)

⑤ مستدرک حاکم (۳۹۷/۲) تفسیر طبری (۱۱۸/۱۱۷/۱۸)

میرے خیال میں قابل ترجیح یہ ہے کہ ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کو چہرہ اور ہتھیلیاں تک محدود رکھا جائے اور زینت کی جو چیزیں عادیہً بغیر کسی غلو یا اسراف کے ان اعضاء سے متعلق ہوتی ہیں، اُن کو ان میں شامل سمجھا جائے۔ مثلاً ہاتھ کی انگوٹھی، آنکھ کا سُرمہ وغیرہ جس کی صراحت صحابہ رضی اللہ عنہما و تابعین رحمہم کے ایک گروہ نے کی ہے۔

سُرفی اور پاؤں کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ ان چیزوں کو موجودہ زمانہ کی عورتیں رخسار ہونٹ اور ناخن کے لیے استعمال کرتی ہیں، لیکن یہ سخت ناپسندیدہ غلو ہے۔ ان چیزوں کو بس گھر ہی میں استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن آج کل عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت مردوں کے لیے کشش پیدا کرنے کی غرض سے استعمال کرتی ہیں، بہر صورت یہ حرام ہے۔

رہی ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی یہ تفسیر کہ اس سے چادر وغیرہ جیسے خارجی کپڑے مراد ہیں تو یہ قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ ان کپڑوں کا ظاہر ہونا قدرتی امر ہے جس کی ممانعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ مستثنیٰ کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔

اسی طرح یہ تفسیر بھی قابل قبول نہیں ہے کہ اس سے مراد ہوا کے جھونکے وغیرہ سے چادر کا کھل جانا ہے، کیونکہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہوتا لہذا اسے مستثنیٰ کرنا اور نہ کرنا بالکل یکساں ہے۔ استثناء سے تو جو بات متبادر (قابل مفہوم) ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جو چیزیں چھپائی جاسکتی ہیں ان کو ظاہر کرنے کے سلسلہ میں یہ استثناء ہے اور یہ مؤمن خواتین کے حق میں رخصت اور تخفیف ہے۔ اور معقول بات یہ ہے کہ رخصت چہرے اور ہتھیلیوں کے بارے میں ہونی چاہیے۔

چہرے اور ہتھیلیوں کے بارے میں یہ رعایت اس لیے کر دی گئی ہے کہ ان کو چھپانا عورت کے لیے باعث حرج ہے خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ اسے جائز ضرورت سے باہر نکلنا پڑے مثلاً بیواؤں کو اپنی اولاد کی ضروریات کے لیے اور غریب عورتوں کو اپنے شوہروں کی معاونت کے لیے باہر نکلنا پڑے۔ ایسی صورت میں نقاب ڈالنے اور ہتھیلیاں چھپانے کی پابندی ان کے لیے مشکلات اور دشواریوں کا باعث ہوگی۔

امام قرطبی کہتے ہیں:

”عام طور سے چہرہ اور ہتھیلیاں عادتاً نیز نماز، حج وغیرہ عبادت کے مواقع پر کھل جاتی ہیں تو صحیح بات یہی ہے کہ استثناء ان ہی اعضا کے سلسلہ میں سمجھا جائے۔ اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے:

((أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ، فَأَعْرَضَ عَنْهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ لَهَا: يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ يُصْلِحْ أَنْ يَرَى مِنْهَا إِلَّا هَذَا وَهَذَا، وَأَشَارَ إِلَيَّ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ)) ❶

اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے جسم پر ایک باریک کپڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ”اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے لیے رونا نہیں ہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دے“ سوائے اس کے اور اس کے۔ آپ ﷺ نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔“ (تفسیر قرطبی: ۱۲-۱۳/۲۲۹)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اس پر دلالت کرتا ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَعْصُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ (النور: ۲۴/۳۰)

”مؤمنوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے چہروں پر نقاب پڑی ہوئی نہیں ہوتی تھی اگر عورت کا جسم اور چہرہ سب ڈھکا ہوا ہوتا تو غص بصر کا حکم دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ جب دیکھنے کے لیے کوئی چیز موجود نہ ہو تو نگاہوں کو نیچا کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ ❷

❶ ابو داؤد، کتاب اللباس: باب فیما تبدی المرأة من زینتها، ج: ۴/۱۰۴۔ واسنادہ ضعیف وعلتہ تقدم قبل اربع صفحات۔

❷ معاشرے میں صرف مسلم خواتین ہی نہیں ہوتیں غیر مسلم بھی ہوتی ہیں، جن کے ہاں چہرہ نگاہ رکھنا تو کجا دیگر محاسن کھلے رکھنا بھی معیوب نہیں ہوتے۔ (ابو الحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ)

اس کے باوجود عورت کے لیے اکمل اور مناسب ترین صورت یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو پوری طرح چھپانے کی کوشش کرے اور جہاں تک ہو سکے اپنا چہرہ بھی چھپائے کیونکہ ہمارے زمانہ میں بگاڑ عام ہو گیا اور فسق کی گرم بازاری ہے۔ خاص طور سے ایسی صورت میں اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے جبکہ عورت اس قدر حسین ہو کہ اس پر کسی کے فریفتہ ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ (النور: ۳۱/۲۴)

”اور وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔“

مسلمان عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنا سر اوڑھنی سے ڈھانک رکھیں اور اس سے اپنے

سینہ لگے اور گردن کو چھپائے تاکہ آنے جانے والوں کی نظریں اس پر نہ پڑیں:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوَاتِرِ النِّسَاءِ﴾

(النور: ۳۱/۲۴)

”وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زبردست مرد جو کوئی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں۔“

اس آیت میں مومن عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی پوشیدہ زینت مثلاً: کان، بال، گردن، سینہ اور پنڈلی کی زینت اجنبی مردوں کے سامنے نہ کھولے۔ ان کے سامنے صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت ہے۔

اس ممانعت سے بارہ اصناف کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

① ان کے شوہر: چنانچہ مرد اپنی بیوی کے جسم کا کوئی بھی حصہ دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح

عورت اپنے شوہر کے جسم کا کوئی بھی حصہ دیکھ سکتی ہے۔

حدیث میں ہے:

((احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ)) ❶

”اپنے ستر کو چھپاؤ بجز اپنی بیوی کے۔“

❷ ان کے آباء، باپ کے علاوہ دادا اور نانا بھی

❸ ان کے شوہروں کے باپ: یہ بھی گویا ان ہی کے باپ کے حکم میں ہیں۔

❹ ان کے بیٹے: اسی طرح ان کی اولاد کے بیٹے یعنی پوتے اور نواسے۔

❺ شوہر کے بیٹے: کیونکہ ان کے ساتھ رہنا ہوتا ہے اور وہ ان کے لیے ماں کی جگہ

ہوتی ہے۔

❻ ان کے بھائی: خواہ سگے ہوں یا علاتی یا اخیانی۔

❼ ان کے بھتیجے: اس وجہ سے کہ پھوپھی کا رشتہ ابدی حرمت کا رشتہ ہوتا ہے۔

❽ ان کے بھانجے: اس وجہ سے کہ خالہ کا رشتہ ابدی حرمت کا رشتہ ہوتا ہے۔

❾ ان کی عورتیں: یعنی وہ عورتیں جن سے نسب یا دین کے تعلق سے ربط ہو۔ رہیں

غیر مسلم عورتیں تو ان کے سامنے زینت کا اظہار جائز نہیں، بجز اس کے جس کا اظہار مردوں

کے سامنے جائز ہے۔

❿ ان کے مملوک۔ یعنی ان کی لونڈیاں اور غلام کہ اسلام نے انہیں ارکانِ خاندان کا

سادرجہ دیا۔ البتہ بعض ائمہ نے صرف لونڈیاں مراد لی ہیں۔

⓫ وہ مرد جو زیر دست ہوں اور جن کو کچھ غرض نہ ہو۔ یہ اجیر اور تابع لوگ ہیں جنہیں

بدنی یا عقلی سبب سے شہوت نہیں ہوتی۔ ان لوگوں میں یہ دونوں باتیں وافر طور پر موجود ہونی

چاہئیں، یعنی ان کا گھر میں تابع کی حیثیت سے ہونا۔ اور شہوت کا فقدان۔

⓬ وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہیں ہوئے۔ یہ چھوٹے بچے

❶ ابوداؤد، کتاب الحمام: باب فی التعری، ح/ ۴۰۱۷۔ ترمذی، کتاب الحمام: باب ماجاء فی

حفظ العورة، ح: ۲۷۶۹، ابن ماجہ، کتاب النکاح: باب التستر عند الجماع، ح: ۱۹۲۰۔

ہیں جن کے اندر ابھی جنسی شعور پیدا نہیں ہوا۔ لیکن جب یہ شعور پیدا ہو جائے تو ان کے سامنے پوشیدہ زینت کا اظہار نہیں ہوگا اگرچہ کہ وہ نابالغ ہوں۔  
آیت میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں ہے کیونکہ عرفاً باپ کے درجہ میں ہیں۔  
حدیث میں ہے:

((عَمُ الرَّجُلِ صِنُّ أَبِيهِ)) ❶

”آدمی کا چچا بمنزلہ والد کے ہوتا ہے۔“

### عورتوں کا ستر

گزشتہ بحث سے معلوم ہو گیا کہ جسم کا وہ حصہ جس کا کھولنا عورت کے لیے جائز نہیں ہے، وہ ستر ہے جس کا چھپانا واجب اور کھولنا حرام ہے۔  
عورت کا ستر اجنبی مرد اور غیر مسلم عورتوں کے لحاظ سے اس کا پورا جسم ستر ہے بجز چہرے اور ہتھیلیوں کے کہ ان دونوں کا کھولنا جیسا کہ امام رازی نے کہا ہے معاملات اور لین دین کی ضرورتوں کے پیش نظر جائز ہے۔ جس حصہ جسم کو کھولنے کی واقعی ضرورت نہیں ہے اسے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور جو حصہ جسم معمولاً کھلا رہتا ہے اور ضرورتاً اس کو کھولنا ہی پڑتا ہے اس کو کھولنے کی اجازت انہیں دی گئی ہے۔ کیونکہ اسلام کے شرعی احکام حلیفیت اور وسعت پر مبنی ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”چونکہ چہرہ اور ہتھیلیوں کا کھلا رہنا ایک ضروری سی بات ہے اس لیے فقہاء کا اس بات

پر اتفاق ہے کہ وہ ستر میں داخل نہیں ہیں۔ رہے قدم تو ان کا کھلا رہنا کچھ ضروری نہیں

ہے اس لیے اس بارے میں اختلاف ہوا کہ وہ ستر میں داخل ہیں یا نہیں۔“ ❷

اور عورت کا ستر مذکورہ بالا بارہ اصناف کے تعلق سے باطنی زینت کی جگہوں مثلاً کان، بال، گردن، سینہ، ہاتھ اور پنڈلیوں کے سوا بقیہ حصہ جسم ستر ہے۔ کیونکہ آیت کی رو سے مذکورہ

❶ مسلم، کتاب الزکوٰۃ: باب فی تقدیم الزکوٰۃ منعہا: ۹۸۳۔

❷ تفسیر الرازی: ج ۲۳، ص ۲۰۶، ۲۰۵۔

بالا اصناف کے سامنے اظہار زینت جائز ہے۔ لیکن بقیہ حصہ جسم مثلاً پیٹھ، پیٹ، شرمگاہیں اور رانیں تو ان کا کھولنا کسی بھی عورت یا مرد کے سامنے جائز نہیں ہے، بجز شوہر کے۔

آیت کا یہ مفہوم بعض ائمہ کے اس مسلک سے قریب تر ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ عورت کا ستر محرموں کے لیے صرف ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے اور عورت کا ستر عورت کے لیے بھی اسی حد تک ہے۔ بلکہ آیت کا مدلول بعض علماء کے اس قول سے قریب تر ہے کہ عورت کا ستر محرم کے لیے جسم کا وہ حصہ ہے جو کام کاج کے وقت کھلا نہیں رہتا، لیکن جو جسم کا حصہ گھر میں کام کاج کے وقت معمولاً کھل جایا کرتا ہے اس کا دیکھنا محرم کے لیے جائز ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ باہر نکلتے وقت اپنے اوپر بڑی چادر ڈال لیا کریں تاکہ وہ کافر اور فاجر قسم کی عورتوں کے مقابلہ میں ممتاز ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ اس پیغام الہی کو امت تک پہنچادیں۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ

مِّنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا يُعْرِضْنَ ۚ فَلَا يُؤْذِينَ ۚ﴾

(الاحزاب: ۵۹/۳۳)

”اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادر ڈال لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں پریشان نہ کیا جاسکے۔“

جلابیب، یہ جلباب کی جمع ہے، جس کے معنی کشادہ کپڑے کے ہیں، جیسے برقع جسے عورتیں پردہ کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

بعض خواتین جاہلیت جب گھروں سے نکلتیں تو اپنے بعض محاسن، سینہ، گردن اور بال وغیرہ کھلے رکھتیں، فاسق اور بے کار لوگ ان کے پیچھے پڑ جاتے۔ ان حالات میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس نے مومن خواتین کو حکم دیا کہ وہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے اوپر ڈال لیا کریں، تاکہ جسم کے یہ حصے ڈھک جائیں اور ظاہری ہیئت سے وہ پہچان لی جائیں کہ مومنہ عقیقہ ہیں، لہذا کوئی منافق یا بے حیاء آدمی انہیں ایذا پہنچانے کی جرأت نہ کر سکے۔



آیت میں پردہ کرنے کی جو علت بیان کی گئی ہے اس سے واضح ہے کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ فاسقوں کی طرف سے اذیت اور بے حیاء لوگوں کی طرف سے نظر بازی کا اندیشہ تھا ورنہ فی الواقع خود ان خواتین کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا اور نہ ان پر اعتماد میں کوئی کمی تھی، لیکن جو عورت اپنی زینت اور کپڑے دکھاتی پھرتی ہے یا نازنخرے سے چلتی ہے یا نرم و نازک باتیں کرتی ہے، وہ ہمیشہ مردوں کے اندر اکساہٹ پیدا کرتی ہے اور چھیڑ خوانی کرنے والوں کے دلوں میں بُری خواہش پیدا کرتی ہے، بمصداق اس آیت کریمہ:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۳/۳۲)

”دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ بری خواہش کرنے لگے۔“

یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے مسلم خواتین کے پردہ اور تحفظ کے معاملہ میں شدت برتی ہے اور اس میں رخصت نہیں دی، سوائے اس کے کہ بوڑھی عورتوں کے لیے احکام میں قدرے تخفیف کر دی ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (النور: ۶۰/۲۴)

”اور بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہ رکھتی ہوں، وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ لیکن اگر وہ اس سے احتیاط برتیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

عام حماموں میں عورت کا داخل ہونا

چونکہ اسلام، ستر کی حفاظت کرنا اور اس کو چھپانا چاہتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے عورت کو عام حماموں میں داخل ہونے اور دیگر عورتوں کے سامنے برہنہ ہونے سے احتراز کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ان عورتوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسری عورتوں کے جسمانی



اوصاف کا ذکر برسر عام مجلسوں میں کرنا لذت و بہن کا کام سمجھتی ہیں۔  
اسی طرح آپ ﷺ نے مرد کو بغیر تہبند کے حمام میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔  
جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلُ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِثْرٍ، وَمَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلُ حَلِيلَتَهُ الْحَمَّامَ)) ①

”جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ حمام میں بغیر تہبند کے داخل نہ ہو اور جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ ہونے دے۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ دُخُولِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ أَنْ يَدْخُلُوهَا بِالْمِثْرِ)) ②

”رسول اللہ ﷺ نے حمام میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ بعد میں مردوں کو تہبند کے ساتھ داخل ہونے کی اجازت دے دی۔“

اس سے مستثنیٰ صورت یہ ہے کہ کوئی عورت بیماری یا نفاس وغیرہ کی حالت میں علاج کی غرض سے حمام میں داخل ہو۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حماموں کے بارے میں فرمایا:

((فَلَا يَدْخُلُهَا الرِّجَالُ إِلَّا بِمِثْرٍ وَأَمْنَعُوهَا النِّسَاءَ إِلَّا مَرِيضَةً أَوْ نَفْسَاءً)) ③

① مسند احمد (۳/۳۳۹) ترمذی کتاب الادب: باب ماجاء فی دخول الحمام: ح: ۲۸۰۱۔

نسائی کتاب الغسل: باب الرخصة فی دخول الحمام: ح: ۴۰۱۔ مستدرک حاکم (۴/۲۸۸)۔

② ابوداؤد کتب الحمام: باب الدخول فی الحمام: ح/ ۴۰۰۹۔ ترمذی حوالہ سابق: ح: ۲۸۰۲ ابن

ماجہ کتاب الادب: باب دخول الحمام: ح: ۳۷۴۹۔ واسنادہ ضعیف فیہ ابو عذرہ مجهول لا یعرف۔

③ ابوداؤد حوالہ سابق: ح: ۴۰۱۱ ابن ماجہ حوالہ سابق: ح/ ۳۷۴۸۔ واسنادہ ضعیف فیہ

عبدالرحمن بن زیاد بن انعم الافرقی وهو ضعیف۔

”مرد بغیر تہبند کے حمام میں داخل نہ ہوں اور عورتوں کو بھی اس سے منع کرو! الایہ کہ کوئی عورت مریضہ ہو یا نفاس سے ہو۔“

اس حدیث کی سند میں کسی قدر ضعف ہے لیکن شریعت نے اپنے اصولوں میں مریض کے لیے جو رخصت رکھی ہے، اس سے اسے تقویت پہنچتی ہے۔ نیز اس کی تائید اس اصول سے بھی ہوتی ہے کہ جو چیز سد ذریعہ کے طور پر حرام کی گئی ہے وہ حاجت و مصلحت کے وقت جائز ہو جاتی ہے۔ اور اس کی تائید سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اتَّقُوا بَيْتًا يُقَالُ لَهُ الْحَمَّامُ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ يَذْهَبُ الدَّرَنَ وَيَنْفَعُ الْمَرِيضَ۔ قَالَ: فَمَنْ دَخَلَ فَلَيْسَ تَمْرًا)) ❶

”اس مقام سے اجتناب کرو جسے حمام کہتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! حمام میں نہانے سے میل کچیل دور ہو جاتی ہے اور مریض کو فائدہ پہنچتا ہے۔ فرمایا: ”ایسی صورت میں داخل ہونے والے کو اپنا ستر چھپانا چاہیے۔“

اگر کوئی عورت بلا عذر اور بلا ضرورت، حمام میں داخل ہو جائے تو وہ حرام کی مرتکب ہوگی اور رسول اللہ ﷺ کی اس وعید کی مستحق ہوگی جسے سیدنا ابولیح ہذلی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

((إِنَّ نِسَاءً مِنْ أَهْلِ حِمَصَ أَوْ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ دَخَلْنَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَقَالَتْ: أَنْتِ اللَّاتِي تَدْخُلْنَ نِسَاءً كُنَّ الْحَمَّامَاتِ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ امْرَأَةٍ تَضَعُ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا هَتَكَتِ السَّرَبَيْنِهَا وَبَيَّنَ رَبِّهَا)) ❷

❶ مستدرک حاکم (۲۸۸/۴)، طبرانی فی الکبیر (۲۷/۱۱) - ۱۰۹۳۲ - البزار فی مسنده (۳۱۹)۔

❷ ابوداؤد، کتاب الحمام: باب الدخول فی الحمام، ح: ۴۰۱۰ - ترمذی - کتاب الادب: باب ماجاء فی دخول الحمام، ح: ۳۸۰۳ - ابن ماجہ کتاب الادب باب دخول الحمام، ح: ۳۷۵۰۔

اہل حمص یا اہل شام کی کچھ عورتیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا: ”کیا تمہاری عورتیں حمام میں داخل ہوتی ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اپنے کپڑے شوہر کے گھر کے سوا کسی اور جگہ اتارتی ہے وہ اس پردہ کو چاک کرتی ہے جو اس کے اور رب کے درمیان ہے۔“

اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَزَعَتْ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِهَا خَرَقَ اللَّهُ عَنْهَا سِتْرَهُ)) ①  
”جو عورت اپنے کپڑے کسی دوسرے کے گھر میں اتارتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پردہ کو جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے چاک کر دیتا ہے۔“

جب اسلام کے احکام عورتوں کے حمام میں داخل ہونے کے بارے میں اتنے سخت ہیں حالانکہ حمام چار دیواری والا ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا جس میں صرف عورتیں داخل ہوتی ہوں تو ان سے بے حیا اور آوارہ عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا جو اپنے ستر کا راستوں پر مظاہرہ کرتی پھرتی ہیں اور ساحل سمندر پر اپنے اجسام کی نمائش کرتی ہیں تاکہ حریص آنکھوں کے لیے لذت گناہ کا اور شہوانی جذبات کے لیے برا بیجنگی کا سامان کریں۔

درحقیقت انہوں نے شرم و حیا کے اُن تمام پردوں کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے جو ان کے اور رحمن کے درمیان تھے۔ اور اس گناہ میں مرد بھی برابر کے شریک ہیں کیونکہ انہیں ذمہ دار نگراں بنایا گیا تھا کاش کہ وہ اپنی ذمہ داری جان لیتے!

### تبرج کی حرمت

مسلمان خاتون، کافر اور جاہلی خاتون کے مقابلہ میں ممتاز اخلاق اور اوصاف پوشیدہ کی حامل ہوتی ہے۔ اس کے اندر اخلاق کی پاسداری، عزت و عفت اور شرم و حیا جیسے اوصاف ہوتے ہیں۔ لیکن جاہلی عورت کا اخلاق تبرج (بے پردگی) اور مردوں کے صنفی جذبات کو مشتعل کرنا ہوتا ہے۔

① مسند احمد (۶/۳۰۱) - مستدرک حاکم (۴/۲۳۸۹)

تبرج کے معنی کھل جانے اور ظاہر ہونے کے ہیں۔ علامہ زنجیری حنفی کہتے ہیں کہ تبرج کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو چھپانا از حد ضروری ہو اس کو بہ تکلیف ظاہر کیا جائے۔ لیکن یہ لفظ اس اظہارِ زینت اور ان محاسن کے اظہار کے لیے مخصوص ہو گیا ہے جو عورتیں مردوں کے سامنے کرتی ہیں۔ اور علامہ زنجیری نے اس پر اس خصوصیت کا اضافہ کیا ہے کہ جس زینت کا اخفاء ضروری ہے اس کا قصداً اور بہ تکلف اظہار کیا جائے۔ یہ چیز جس کا اخفاء ضروری ہے، جسم کا کوئی حصہ بھی ہو سکتا ہے اور کسی عضو کی حرکت بھی، گفتگو اور چلنے کا طریقہ بھی ہو سکتا ہے اور زیور وغیرہ جیسی آرائش کی چیزیں بھی۔

تبرج کی مختلف صورتیں اور مظاہر ہیں جن سے لوگ قدیم زمانہ میں بھی آشنا تھے اور جدید زمانہ میں بھی آشنا ہیں۔ مفسرین نے بعض صورتوں کا ذکر ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ (الاحزاب: ۳۳/۳۳) ”تم اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور سابق دور جاہلیت کا سادکھاوانہ کرتی پھرو۔“ کی تفسیر کرتے ہوئے کیا ہے۔

مجاہد بن جابر (سیدنا ابن عباس کے شاگردِ خاص) کہتے ہیں: ”عورت باہر نکل کر مردوں کے درمیان چلا کرتی تھی۔“ مشہور مفسر قتادہ کہتے ہیں: ”عورتیں نازنخرے کے ساتھ چلا کرتی تھیں۔“ اور مفسر مقاتل کہتے ہیں ”تبرج یہ ہے کہ عورتیں اپنا دوپٹہ اس طرح سروں پر ڈال لیا کرتیں کہ ہاڑ بالیاں گردن وغیرہ کھلے رہتے۔“ ❶

یہ تھیں قدیم جاہلیت کے تبرج کی صورتیں یعنی مردوں کے ساتھ اختلاط چلنے میں نازنخرہ اور دوپٹہ اس طرح اوڑھنا کہ جسم کے محاسن اور زینت ظاہر ہو جائے۔ لیکن فی زمانہ جدید جاہلیت نے تبرج کی جوئی نئی صورتیں اور جونٹ نئے ڈھنگ ایجاد کیے ہیں ان کے سامنے قدیم جاہلیت کا تبرج مات کھا گیا ہے۔

تبرج کا اطلاق کس صورت میں نہیں ہوگا

درج ذیل آداب کی پابندی کرنے کی صورت میں مسلم خاتون تبرج کے دائرہ سے

❶ تفسیر ابن کثیر (ص ۱۰۶۱) تفسیر در منشور (۶/۶۰۲)۔

نکل کر اسلامی تہذیب کی آغوش میں آ جاتی ہے:

(ن) غرض بصر۔ کہ شرم و حیاء عورت کا سب سے زیادہ قیمتی زیور ہے۔ اور حیاء کا نمایاں ترین عنوان غرض بصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقُلْ لِّمُؤْمِنَاتٍ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ﴾ (النور: ۲۴/۳۱)

”مؤمن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔“

(ب) مردوں کے ساتھ جسم کے مس ہونے (چھونے) کی حد تک اختلاط سے احتراز کہ جس کا مظاہرہ اس زمانہ میں سینما گھروں، یونیورسٹی کے راستوں، لیکچر ہالوں اور مسافر گاڑیوں میں ہوتا ہے۔

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَطْعَنَ فِي رَأْسِ أَحَدِكُمْ بِمَخِيطٍ مِنْ حَدِيدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ)) ❶

”اپنے سر میں لوہے کی سوئی چھودینا اس سے بہتر ہے کہ آدمی کسی ایسی عورت کو چھوئے، جس کو چھونا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔“

(ج) اس کا لباس اسلامی تہذیب کے مطابق ہو۔ شرعی لباس وہ ہے جس میں درج ذیل اوصاف پائے جائیں:

❶ جو پورے جسم کے لیے ساتر (چھپانے والا) ہو سوائے مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے یعنی چہرہ اور ہتھیلیوں کو مستثنیٰ کر کے پورا جسم ڈھک جانا چاہیے۔

❷ کپڑے کے اندر سے بدن دکھائی نہ دے اور نہ جھلکے اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَهْلِ النَّارِ نِسَاءً كَاسِيَاتٍ عَارِيَاتٍ مَا ثَلَّاتٍ مُمِيلَاتٍ ..... لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا)) ❸

”وہ عورتیں دوزخی ہیں جو کپڑے پہن کر برہنہ رہتی ہیں‘ مردوں کی طرف

❶ بیہقی فی شعب الایمان (۴/۳۷۴ ح: ۵۴۵۵)۔ والطبرانی فی الکبیر (۲۰/۲۱۱۲۲۱)

❷ مسلم‘ کتاب الأدب: باب النساء الکاسیات العاریات..... ح/ ۲۱۲۸

راغب ہوتی ہیں اور مردوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں ..... ایسی عورتیں نہ جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو ہی پا سکیں گی۔“

کپڑے پہن کر برہنہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کپڑے ساتر (جسم کو چھپانے والے) نہیں ہوں گے بلکہ باریک اور شفاف ہونے کی وجہ سے ان کے اندر سے بدن جھلک رہا ہوگا۔ بنی تمیم کی کچھ عورتیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”اگر تم مومن عورتیں ہو تو یہ مومن عورتوں کے کپڑے نہیں ہیں۔“ (الطبرانی)

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک دلہن آئی جو باریک اور شفاف اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”جو عورت اس قسم کے کپڑے پہنتی ہے وہ سورہ نور پر ایمان نہیں رکھتی۔“

❖ عورتوں کا لباس ایسا چست نہ ہو کہ جسم کے نشیب و فراز نمایاں ہو جائیں جیسا کہ مغربی تہذیب کا لباس ہے، جو جسم اور شہوت کی پرستار تہذیب ہے، اس تہذیب کے زیر اثر فیشن اختراع کرنے والے، اس انداز سے کپڑوں کی کٹنگ کرتے ہیں کہ پستان، کمر اور سرین جیسے اعضائے جسم نمایاں ہو جاتے ہیں اور اس طرز پر سلے ہوئے ہوتے ہیں کہ اس سے جذبات میں ہیجان اور سفلی خواہشات میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اس قسم کا لباس پہننے والی عورتیں بھی کاسیاتِ عاریات (کپڑے پہن کر برہنہ رہنے والیوں) میں شامل ہیں۔ اور یہ کپڑے باریک اور شفاف کپڑوں سے بھی زیادہ ترغیب اور فتنہ کا باعث ہیں۔

❖ عورتیں ایسا لباس نہ پہنیں جو مردوں کے لیے مخصوص ہو، مثلاً: پتلون جو ہمارے زمانہ میں مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جس طرح عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے اور عورت کو مرد کا لباس اور مرد کو عورت کا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔ ❶

❶ ان روایات کی تخریج ”لباس اور زینت“ کے باب ”عورت اور مرد کا ایک دوسرے کی مشابہت کرنا“ کے تحت گزر چکی ہے۔

❖ ایسا لباس نہ ہو جو یہودی، نصرانی اور مشرک عورتوں کے لیے مخصوص ہو، کیونکہ ان سے مشابہت اسلام میں ممنوع ہے۔ اسلام مرد اور عورت میں امتیاز اور ظاہر و باطن میں کافرقوموں کی تقلید سے آزادی چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے بہت سے امور پر کفار کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد رسول ﷺ ہے:

((مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) ❶

”جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔“

(۹) گفتار اور چال ڈھال میں وقار اور استقامت اختیار کرے اور چہرہ اور جسم کو ایسی حرکتوں سے بچائے رکھے جس سے جذبات مشتعل ہوتے ہوں۔ ناز نخرے اور بری ادائیں فاجر عورتوں کا ڈھنگ ہے۔ مسلم خواتین کے اخلاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۲/۳۳)

”دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ بری خواہش کرنے لگے۔“

(ھ) اپنی پوشیدہ زینت کی طرف مردوں کو متوجہ کرنے کے لیے کشش پیدا نہ کرے مثلاً: خوشبوؤں کا استعمال زیورات کی جھنکار وغیرہ۔ ارشاد الہی ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ (النور: ۳۱/۲۴)

”اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہو جائے۔“

دور جاہلیت میں جب عورت لوگوں کے پاس سے گزرتی تو اپنے پاؤں زمین پر مار کر چلتی، تاکہ پازیب کی جھنکار لوگ سنیں۔ قرآن نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ حرکت شہوت پسند مردوں کے شہوانی خیالات کو شہ دیتی ہے اور عورت کے بارے میں یہ برا خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ وہ مردوں کی نگاہوں کو اپنی طرف اور اپنی زینت کی طرف مائل کرنا چاہتی ہے۔

❶ ابوداؤد کتاب اللباس: باب فی لبس الشہرة ح/ ۴۰۳۱.

شادی بیاہ میں حلال و حرام

اسی حکم میں مختلف قسم کی مہکنے والی خوشبوئیں اور عطریات شامل ہیں جن کو عورتیں صنفی جذبات کو براہِ نیختہ کرنے اور مردوں کو اپنی طرف راغب کرنے کی غرض سے استعمال کرتی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((الْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فِيهِ كَذَاوَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةً)) ❶

”عورت جب خوشبو لگا کر نکلتی ہے اور کسی مجلس کے پاس سے گزرتی ہے تو وہ

ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔“

معلوم ہوا کہ اسلام نے عورت کو اس بات کا پابند نہیں کیا ہے کہ وہ گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر رہ جائے اور جب قبر میں جانے کی نوبت آئے تب ہی باہر نکلے بلکہ اس کے لیے جائز کر دیا گیا ہے کہ نماز، حصولِ علم اور ہر قسم کی دینی اور جائز دنیوی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے باہر نکل سکتی ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عورتیں اور ان کے بعد خیر القرون کی عورتیں ان اغراض کے لیے باہر نکلا کرتی تھیں۔ ان میں ایسی خواتین بھی تھیں جو قتال اور غزوات میں شرکت کے لیے بھی نبی ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء اور قائدین اسلام کے ساتھ باہر نکلی ہیں۔ آپ ﷺ نے ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

((قَدْ أذنَ اللَّهُ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ)) ❷

اللہ نے تمہیں اپنی ضرورتوں کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔“

نیز فرمایا:

((إِذَا اسْتَأْذَنَتْ امْرَأَةٌ أَحَدَكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعُهَا)) ❸

❶ ابوداؤد، کتاب الترجل: باب فی طیب المرأة للخروج، ح: ۴۱۷۳۔ ترمذی، کتاب الادب: باب ماجاء فی کراهیة خروج المرأة متعطرة، ح: ۲۷۸۶۔ نسائی، کتاب الزینة: باب ما یکره للنساء من الطیب، ح: ۵۱۲۹۔

❷ بخاری، کتاب النکاح: باب خروج النساء لحوائجهن، ح: ۵۲۳۷۔ مسلم، کتاب السلام: باب اباحة الخروج للنساء، لقضاء حاجة الانسان، ح: ۲۱۷۰۔

❸ بخاری، کتاب النکاح: باب استئذان المرأة زوجها فی الخروج الى المسجد وغیره، ح: ۵۲۳۸۔ مسلم، کتاب الصلوة: باب خروج النساء الى المساجد، ح: ۴۴۲۔



”جب کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت چاہے تو اسے چاہیے کہ اسے روکے  
نہیں۔“

دوسری حدیث میں ہے:

((لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ)) ①

”اللہ کی بندویوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔“

بعض متقدمین کے علماء اس طرف گئے ہیں کہ عورت کے لیے مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ

کا دیکھنا حرام ہے۔ وہ ترمذی کی بیہان ام سلمہ کے غلام، والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا لِمَيْمُونَةَ وَقَدْ دَخَلَ عَلَيْهِمَا ابْنُ أُمِّ

مَكْتُومٍ احْتَجَبًا فَقَالَتْ إِنَّهُ أَعْمَى، قَالَ أَفَعْمِيَا وَإِنْ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا

تُبْصِرَانِهِ؟)) ②

”نبی ﷺ نے ان سے اور میمونہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا، جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ان کے

پاس آگئے تھے کہ ان سے پردہ کرو۔ انہوں نے کہا: وہ نابینا ہیں۔ فرمایا: ”کیا

تم بھی نابینا ہو؟ تم دونوں انہیں دیکھ نہیں رہی ہو؟“

لیکن محققین اہل علم کہتے ہیں کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کا

راوی بیہان جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام ہے، حدیث کے معاملہ میں قابل حجت نہیں ہے۔ اور اگر

بالفرض اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج

کے ساتھ ان کی حرمت کے پیش نظر سختی برتی ہوگی جس طرح پردہ کے معاملہ میں ان کے

لیے احکام سخت تھے۔ اس کی طرف امام ابوداؤد اور دیگر ائمہ نے اشارہ کیا ہے۔ ایسی

صورت میں فاطمہ بنت قیس والی حدیث رہ جاتی ہے جو صحیح بھی ہے اور ثابت شدہ بھی، اور

جس کا مفہوم بھی واضح ہے اور وہ یہ ہے:

① بخاری، کتاب الجمعة: باب (۱۳)، ح/ ۹۰۰، مسلم، حوالہ سابق، ح/ ۱۳۶/ ۴۴۲۔

② ابوداؤد، کتاب اللباس: باب فی قوله تعالى (وقل للمؤمنات يغضضن ...) ح:

۴۱۱۲ (ترمذی، کتاب الادب: باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال، ح/ ۲۷۷۸۔

((إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ أَنْ تَقْضِيَ عِدَّتَهَا فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكٍ ثُمَّ اسْتَدْرَكَ فَقَالَ تِلْكَ أَمْرَاءُ يَغْشَاهَا أَصْحَابِي اعْتَدِي عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى تَضَعِينَ ثِيَابَكَ وَلَا يَرَاكَ)) ❶

نبی ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو ام شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا۔ بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا: ”اس عورت کے پاس میرے اصحاب کی آمد و رفت رہتی ہے لہذا تم ابن ام مکتوم کے ہاں عدت گزارو۔ وہ نابینا ہیں تم وہاں اپنی اوزھنی وغیرہ اتارو گی تو تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے گا۔“ ❷

عورت شوہر کے مہمانوں کی خدمت کر سکتی ہے

مذکورہ بحث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کے مہمانوں کی خدمت کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ لباس، زینت، گفتگو اور چال ڈھال میں اسلامی آداب کو ملحوظ رکھے۔ قدرتی بات ہے کہ اس حال میں مہمان اسے دیکھ لیں گے اور وہ مہمانوں کو دیکھ لے گی۔ لہذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے ❸ بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

❶ مسلم، کتاب الطلاق: باب المطلقة البائن لانفقة لها: ح: ۱۴۸۰۔

❷ تفسیر القرطبی - ج ۱۲ ص ۲۲۸۔

❸ مصنف نے جو موقف اختیار کیا ہے کہ عورت اپنے خاوند کی موجودگی میں مطلقاً مہمانوں کے سامنے آ سکتی اور ان کی خدمت کر سکتی ہے، یہ موقف احادیث نبویہ علیہم السلام کی روشنی میں اخذ شدہ مجموعی نتیجہ کے پیش نظر غلط ہے۔ خاتون کو اپنے پردے اور حیا کا ہر لمحہ خیال رکھنا چاہیے۔ عورت کی اصل ذمہ داری کھانا تیار کرنا ہے، جبکہ خاوند یا اہل خانہ میں سے کسی بھی مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ کھانا مہمانوں کے سامنے پیش کرے۔ مہمان اگر محرم رشتہ دار ہے تو اس کا معاملہ الگ ہے۔ لیکن احتیاط اور پردے کے اہتمام کی ضرورت اس وقت انتہائی ضروری ہے جب مہمان غیر محرم ہو۔ لہذا گھر میں مرد کی عدم موجودگی کی صورت میں اگر عورت مہمان کی خدمت میں کھانا پیش کرتی یا اس سے کوئی ضروری بات کرتی ہے تو اس میں حرج نہیں لیکن یہاں چند آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً: عورت کا لباس اس کے مکمل جسم کو ڈھانپنے والا ہو، لباس اس قدر رنگ یا باریک نہ ہو کہ اس کے جسمانی محاسن نمایاں ہوتے ہوں۔ لباس کو خوشبو نہ لگا رکھی ہو۔ اور بات کرنے میں اس قدر نرمی نہ ہو کہ سننے والا شیطانی وساوس کا شکار ہو جائے۔ تنہائی میں مہمان کے پاس فضول بیٹھنے، لمبی وغیرہ ضروری گفتگو کرنے سے حد درجہ گریز کرے کیونکہ ایسی ہی صورتیں اخلاقی و معاشرتی تباہی ۛۛ

شیخین (بخاری و مسلم) نے سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

((لَمَّا أَعْرَسَ أَبُو أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ دَعَا النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ فَمَاصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا وَلَا قَدَمَ إِلَيْهِمْ إِلَّا امْرَأَتُهُ أُمُّ أُسَيْدٍ بَلَّتْ تَمْرَاتٍ فِي تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا فَرَغَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الطَّعَامِ أَمَاتَتْهُ لَهُ فَسَقَتْهُ تُنَحِّفُهُ بِذَلِكَ) ❶

”ابو اُسید ساعدی نے شادی کی تقریب میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کو بلایا۔ اس موقع پر کھانا تیار کرنے اور اس کو پیش کرنے کی خدمت ان کی

کے سبب بنتی ہیں اور اسی حکمت کے تحت رسول اللہ ﷺ نے غیر محرم مرد و عورت کے تنہائی میں بیٹھنے کو معیوب قرار دیا اور اس سے شدید منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی مرد جب کسی (غیر محرم) عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو ان کے ساتھ شیطان بھی ہوتا ہے“ [سنن الترمذی: کتاب الفتن، باب لزوم الجماعة، حدیث: ۲۱۶۵۔ مسند احمد: ۱/۲۶، حدیث: ۱۷۷۱] آنے والے مرد کو بھی جب معلوم ہو کہ اس وقت گھر کا مالک (خاوند یا کوئی محرم) گھر میں موجود نہیں تو اس گھر میں آنے سے گریز کرنا چاہیے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”عورتوں میں جانے سے گریز کرو“ [صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة۔۔۔ حدیث: ۵۲۳۲] آپ ﷺ نے یہاں عورتوں کا لفظ (جمع کا صیغہ) استعمال کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب ایک سے زیادہ خواتین (غیر محرم) ہوں تو اس وقت بھی ان کے پاس جانے سے گریز ہی کرنا چاہیے تو ایک خاتون کے پاس جانا اور بیٹھنا تو بالاولیٰ ممنوع ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں یوں مذکور ہے کہ ”کوئی مرد کسی (غیر محرم) خاتون کے ساتھ علیحدگی اختیار نہ کرے، البتہ اگر خاتون کے ساتھ اس کا کوئی محرم موجود ہے تو ایسی صورت میں جائز ہے“ [صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة۔۔۔ حدیث: ۵۲۳۳] اس روایت کے پیش نظر خاتون کو بھی کوشش کرنی چاہیے کہ اگر مہمان کے پاس کسی اشد ضرورت کے پیش نظر بیٹھنا پڑے تو خاوند اگر موجود نہ ہو، تو کوئی محرم (بیٹا، باپ، سر وغیرہ) پاس ضرور موجود ہو۔ یہ خاتون کی عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور مرد حضرات کو غیر محرم خواتین کے پاس بلا ضرورت آنے، بات کرنے، علیحدگی میں بیٹھنے اور کسی بھی صورت میں ملاقات کرنے سے حتیٰ الوسع گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ تمام صورتیں اخلاقی و معاشرتی برائیوں کی داعیہ ہیں۔ اور انسان کو فتنے میں مبتلا کر دینے والی صورتیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے خواتین کے فتنے کو بہت بڑا فتنہ قرار دیا ہے۔ [امان اللہ عاقم]

عورت اپنے مکمل حجاب میں رہ کر ہی مہمانوں کی خدمت کر سکتی ہے کوئی مشکل مرحلہ نہیں ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمۃ اللہ علیہ)

❶ بخاری: کتاب النکاح: باب قیام المرأة علی الرجال فی العرس - ج: ۵۱۸۲ - مسلم: کتاب الاشربة: باب اباحة النبیذ الذی لم یشرب - ج: ۲۰۰۶۔

بیوی اُم اسید نے انجام دی۔ انہوں نے پتھر کے ایک برتن میں کچھ چھوہارے رات بھگونے کے لیے رکھ چھوڑے۔ جب نبی ﷺ کھانے سے فارغ ہو گئے تو ان کو اپنے ہاتھ سے گھول کر آپ ﷺ کی خدمت میں اس کا تحفہ نوش کرنے کے لیے پیش کر دیا۔“

اس حدیث سے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس بات کا جواز نکلتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے علاوہ اس کے مہمانوں کی بھی خدمت کر سکتی ہے۔“ ۱۰ ظاہر ہے اس کا موقع محل وہی ہو سکتا ہے جبکہ فتنہ کا احتمال نہ ہو اور عورت پر ستر کی جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں ان کا لحاظ کرے۔ ایسی صورت میں مرد کا اپنی بیوی سے مہمانوں کی تواضع کی خدمت لینا جائز ہے۔ لیکن اگر عورت ستر کے سلسلہ میں اسلام کی عائد کردہ پابندیوں کا لحاظ نہ کرے جیسا کہ موجودہ زمانہ کی اکثر عورتوں کا حال ہے، تو ایسی صورت میں ان کا مردوں کے سامنے آنا حرام ہو جاتا ہے۔

### خلاف فطرت، فعل کبائر میں سے ہے

جنسی خواہش کی جو تنظیم اسلام نے کی ہے اس سلسلہ کی ایک اہم بات یہ ہے کہ جس طرح زنا اور اس کے ذرائع کو حرام ٹھہرایا ہے، اسی طرح خلاف فطرت فعل کو بھی جسے لوگ ”لواطت“ یا ”عمل قوم لوط“ کے نام سے جانتے ہیں، حرام کر دیا ہے۔

یہ فعل خبیث خلاف فطرت گندگی سے آلودہ کرنے والا مردانگی کو خراب کرنے والا اور عورت کے حق میں ظلم ہے۔

کسی سوسائٹی میں اس خباثت کے پھیلنے سے ان کی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اس فعل کے غلام بن جاتے ہیں اور پھر اخلاق، عرف، ذوق سلیم سب کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ہمارے لیے قرآن کا بیان کردہ قصہ یعنی قوم لوط کافی ہے۔ اس قوم نے اس گندے اور بے حیائی کے کام کا آغاز کر کے اسے رواج دیا تھا، وہ جائز اور پاکیزہ عورتوں کو چھوڑ دیتے تھے تاکہ خبیث اور حرام شہوت کا ارتکاب کریں۔ اسی لیے اللہ کے نبی سیدنا لوط علیہ السلام نے ان سے کہا:

﴿اَتَاْتُوْنَ الدُّكُوَانَ مِنَ الْعَلَمِيْنَ ۝ وَتَذُرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝﴾ (الشعراء: ۲۶/۱۶۵، ۱۶۶)

”دنیا والوں میں سے تم ہی ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہارے لیے جو بیویاں اللہ نے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔“

اور قرآن نے اس کا ابطال کرتے ہوئے اسے ظلم و زیادتی، جہالت و فساد اور جرم قرار دیا۔ جو شخص اس بے حیائی کا مرتکب ہو اس کی سزا کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ آیا فاعل و مفعول دونوں پر زنا کی حد جاری کی جائے؟ یا دونوں کو قتل کر دیا جائے؟ پھر قتل کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ تلوار سے قتل کیا جائے یا آگ میں ڈال دیا جائے یا دیوار پر سے گرا دیا جائے؟

اتنی سخت سزا اس لیے تجویز کی گئی ہے کہ اسلامی معاشرہ کو ان فاسد اور مُضر جراثیم سے پاک رکھا جائے جن سے مہلک عناصر ہی جنم لیتے ہیں۔  
استمناء (ہاتھ سے منی خارج کرنے) کا حکم

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نوجوانوں کے خون میں طبعی طور پر تحریک پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے منی خارج کرتے ہیں تاکہ ان کے اعصاب کو آرام ملے اور جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔ اسے آج کل ”عادت سریہ“ (پوشیدہ عادت بد) کہتے ہیں۔

اکثر علماء کے نزدیک یہ حرام ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوحِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِيْنَ ۝ فَمِنْ اِبْتِغٰی ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون: ۲۳/۷ تا ۵)

”جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے کہ اس بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ لیکن جو اس کے علاوہ کوئی اور

طریقہ اختیار کرنا چاہے گا تو ایسے ہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔“  
جو شخص اپنے ہاتھ سے منی خارج کرتا ہے وہ قضائے شہوت کے لیے بیوی یا لونڈی کے علاوہ اور طریقہ اختیار کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

✽ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ منی کو جسم کے دیگر فضلات کی طرح ایک فضلہ خیال کرتے تھے۔ اور اس بنا پر اس کا اخراج جائز سمجھتے تھے۔ جیسا کہ فصد کھولنا جائز ہے۔ اس مسلک کی تائید علامہ ابن حزم طاہری نے کی ہے۔ اور فقہائے حنابلہ نے اس کا جواز دو شرطوں کے ساتھ تسلیم کیا ہے:

✽ ایک یہ کہ آدمی کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو

✽ دوسرا یہ کہ نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔

امام احمد کی رائے ایسے حالات میں اختیار کی جاسکتی ہے جبکہ شہوانی خواہشات کا غلبہ اور حرام کے ارتکاب کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ مثال کے طور پر کوئی نوجوان جو زیر تعلیم ہو یا وطن سے دور کسی مقام پر کام کاج کرتا ہو اور جنسیات والے ماحول سے اس کا واسطہ پڑ رہا ہو اور اس بنا پر وہ تکلیف اور پریشانی محسوس کرتا ہو، تو ایسی صورت میں اگر وہ اس ذریعہ کو اختیار کر کے جوش طبع کو خنثی کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کا عادی نہ بن جائے۔

لیکن اس سے بہتر طریقہ وہ ہے جس کی طرف رسول کریم ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو نوجوان مسلمان نکاح نہ کر سکتا ہو وہ بکثرت روزے رکھے کہ روزہ قوت ارادی کی پرورش کرتا ہے صبر کی تعلیم دیتا ہے تقویٰ کی صلاحیت اور اللہ کی نگرانی کا تصور ذہن میں پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ  
أَعْضٌ لِلْبَصْرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ  
فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ ۝)) ❶

(۱) بخاری: کتاب النکاح: باب قول النبی ﷺ "مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ ..." ح: ۵۰۶۵۔

مسلم: کتاب النکاح: باب استحباب النکاح ح: ۱۴۱۰۔

”اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ شادی کرے کیونکہ یہ نظروں کو نیچا رکھنے کا اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ لیکن جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے کہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے۔“



## شادی بیاہ

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

اسلام نے جنسی خواہش کو بے لگام نہیں چھوڑا ہے کہ شتر بے مہار کی طرح جس راہ پر چاہے چل پڑے بلکہ اس پر مضبوط گرفت رکھی ہے چنانچہ اسلام نے زنا ہی کو نہیں اس کے اسباب و متعلقات کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ لیکن دوسری جانب اسلام ایسے رجحانات کا مخالف ہے جو فطری خواہش سے متصادم ہوں یا اس کو سرے سے ختم کر دینا چاہتے ہوں۔ اسی لیے اسلام نے نکاح کی ترغیب دی ہے اور غیر شادی شدہ رہنے یا اپنے کو نصی کر لینے کی ممانعت کی ہے۔ لہذا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ استطاعت کے باوجود نکاح سے اس بنا پر اعراض کرے کہ وہ دنیا سے قطع تعلق کر کے اللہ کا ہو کر رہنا چاہتا ہے۔ یا یکسو ہو کر عبادت کرنا چاہتا ہے۔

بعض اصحاب رسول ﷺ میں ترک دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جوں ہی نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ترک دنیا اسلام کی راہ سے انحراف اور سنت نبوی ﷺ سے اعراض ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان نصرانی افکار کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔

سیدنا ابوقلابہ بیان کرتے ہیں:

((أَرَادَ أَنَّا سَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَرْفُضُوا الدُّنْيَا وَيَتْرَكُوا النِّسَاءَ وَيَتَرَهَّبُوا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَعَلَّظَ فِيهِمْ الْمَقَالَهَ ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالتَّشْدِيدِ شَدَدُوْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَدَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فَأُولَئِكَ بَقَايَا هُمْ فِي الدِّيَارِ وَالصَّوَامِعِ، فَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ وَحُجُّوا وَاعْتَمَرُوا



وَأَسْتَقِيمُوا يَسْتَقِيمُ بِكُمْ) ❶

کچھ اصحاب رسول نے تارک الدنیا بننے، عورتوں کو چھوڑ دینے اور رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پر سخت گرفت کرتے ہوئے فرمایا: ”تم سے پہلے کے لوگ دین میں تشدد اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے جب تشدد اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کے ساتھ تشدد کا معاملہ کیا۔ ان ہی کے یہ اخلاف (برے جانشین) ہیں جو دیار اور خانقاہوں میں پائے جاتے ہیں، پس اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ حج کرو، عمرہ کرو اور راستی اختیار کرو کہ تمہارے ساتھ بھی راستی کا معاملہ کیا جائے۔“

راوی کہتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (المائدة: ۵ / ۸۷)

”اے ایمان لانے والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ ٹھہراؤ اور نہ حد سے تجاوز کرو۔ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اور مجاہد کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں نے چاہا کہ وہ تجرد کی زندگی گزاریں اور اپنے آپ کو خسی بنا لیں اور ٹاٹ کا کپڑا پہنیں۔ اس پر مذکورہ آیت اور اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔ ❷

صحیح بخاری وغیرہ کی روایت ہے:

((أَنَّ رَهْطًا مِنَ الصَّحَابَةِ ذَهَبُوا إِلَى بُيُوتِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُونَ أَرْوَاجَهُ عَنْ عِبَادَتِهِ، فَلَمَّا أَخْبَرُوا بِهَا كَانَتْهُمْ تَقَالُوهَا ثُمَّ قَالُوا أَيْنَ

❶ تفسیر طبری (۹۱۷)۔ تفسیر درمثور (۳/ ۱۴۰)۔ کتاب الزهد لعبد اللہ بن المبارک

(ص/ ۳۶ / ح/ ۱۰۳۱) واسنادہ ضعیف لارسالہ ولبعضہ شاهد عند ابی داود۔ (۴۹۰۴)

❷ تفسیر طبری (۷/ ۱۰-۱۱)

نَحْنُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ۔ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَمَا أَنَا فَاصُومُ الدَّهْرَ فَلَا أَفْطِرُ وَقَالَ الثَّانِي وَأَنَا أَفُومُ اللَّيْلَ فَلَا أَنَامُ وَقَالَ الثَّالِثُ وَأَنَا اعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوِّجُ أَبَدًا۔ فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ لَهُمْ خَطَأَهُمْ وَعِوَجَ طَرِيقَهُمْ وَقَالَ لَهُمْ إِنَّمَا أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ وَآخِشَاكُمْ لَهُ وَلَكِنِّي أَفُومُ وَأَنَا وَأَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأَتَزَوِّجُ النِّسَاءَ۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)) ❶

”صحابہ کا ایک گروہ نبی ﷺ کے گھر گیا تاکہ ازواجِ مطہرات سے آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کریں۔ جب ان کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ عبادت کم ہے۔ اور کہنے لگے کہاں ہم اور کہاں اللہ کا پیغمبر! آپ ﷺ کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ معاف کر چکا ہے۔ پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا: ”میں تو مسلسل روزے رکھوں گا۔“

اور دوسرے نے کہا: ”میں رات بھر عبادت کروں گا بالکل نہیں سوؤں گا۔“ اور تیسرے نے کہا: ”میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کروں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔“

جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کی غلطی اور کجروی ان پر واضح کرتے ہوئے فرمایا: ”میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں لیکن رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو کوئی میرے طریقہ سے انحراف کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔“

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

❶ بخاری، کتاب النکاح: باب التَّوْبَةِ فِي النِّكَاحِ، ح: ۵۰۶۳۔ مسلم، کتاب النکاح: باب استحباب النکاح، ح: ۱۴۰۱۔

((رَدَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى عَثْمَانَ بْنِ مَطْعُونٍ التَّبْتَلِ وَلَوْ أَذِنَ لَهُ  
لَا خُتِصِّنَا)) ❶

”رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کو تہجد کی زندگی گزارنے سے منع فرمایا۔  
اگر آپ ﷺ انہیں اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خُصی کر لیتے۔“

آپ ﷺ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:  
((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغْضُ  
لِلْبَصَرِ وَأَخْصَنُ لِلْفَرْجِ.)) ❷

”اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ  
نکاح کر لے کیونکہ نکاح غصہ بصر اور شرمگاہ کی حفاظت کا باعث ہے۔“

اسی بنا پر بعض علماء کہتے ہیں کہ نکاح کرنا مسلمان پر فرض ہے۔ باوجود استطاعت کے  
نہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور دیگر علماء کی رائے میں اس شخص پر فرض ہے جو نکاح کا مشتاق ہو اور  
اپنے لیے اندیشہ محسوس کرتا ہو۔

مسلمان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ رزق کی تنگی یا ذمہ داریوں کے اندیشہ کے پیش نظر  
اپنے آپ کو نکاح سے روکے رکھے۔ بلکہ اسے کوشش کرنی چاہیے اور اللہ کے فضل و اعانت کا  
امیدوار ہونا چاہیے جس کا وعدہ اللہ نے ان لوگوں سے کیا ہے جو عفت و پاکدامنی کی خاطر  
نکاح کرتے ہیں۔

ارشاد الہی ہے:

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَّامِي مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِنَّ يَكُونُوا  
فُقَرَاءَ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ﴾ (النور: ۲۴/۳۲)

❶ بخاری، کتاب النکاح: باب ما یکرہ من التبتل، ج: ۵۰۷۳۔ مسلم، کتاب النکاح: باب  
استحباب النکاح، ۱۴۰۲

❷ بخاری، کتاب النکاح: باب قول النبی ﷺ ”من استطاع منکم الباءة“، ج: ۵۰۶۵۔ مسلم، کتاب  
النکاح: باب استحباب النکاح، ج: ۱۴۰۰۔

”تم میں سے جو لوگ متجدد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کا نکاح کر دو۔ اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُهُمْ، النَّكَاحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعِفَافَ، وَالْمَكَاتِبُ الَّتِي يُرِيدُ الْإِدَاءَ وَالْعَازِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ)) ❶

”تین اشخاص ایسے ہیں کہ ان کی مدد اللہ کے ذمہ ہے۔ ایک نکاح کرنے والا جو طالب عفت ہو دوسرا وہ مکاتب غلام جو مال ادا کر کے آزاد ہونا چاہتا ہو اور تیسرا اللہ کی راہ کا مجاہد۔“

جس عورت کو نکاح کا پیغام دینا ہو، اس پر ستر ۱۱۱۱

مسلمان جب شادی کا عزم کر لے اور کسی مخصوص عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ کر لے تو نکاح کے سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ اس عورت کو ایک نظر دیکھ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس عورت پر نظر ڈالنا جائز ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنکھیں بند کر کے چل پڑے اور بعد میں پچھتاتے لگے کہ اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔

آنکھیں درحقیقت دل کی پیغامبر ہیں اور آنکھوں کے ذریعے دل متاثر ہوتے ہیں اور ارواح کے درمیان انسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ امام مسلم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاتَاهُ رَجُلٌ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَنْظَرْتَ إِلَيْهَا؟ قَالَ لَا۔ قَالَ:

❶ مسند احمد (۲/ ۴۳۷) ترمذی کتاب فضائل الجہاد: باب ماجاء فی المجاہد والنکاح: ح: ۱۶۵۵۔ نسائی کتاب النکاح: باب معونة الناکح الذی یرید العفاف: ح: ۳۲۲۰۔ ابن ماجہ کتاب العتق: باب المکاتب: ح/ ۲۵۱۸۔

فَاذْهَبْ فَاَنْظُرْ اِلَيْهَا فَاَنْ فِيْ اَعْيُنِ الْاَنْصَارِ شَيْئًا)) ❶

میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ وہ انصار کی ایک خاتون سے نکاح کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم نے اسے دیکھا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: ”جاؤ اور اسے دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ نقص ہوتا ہے۔“

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((اَنَّهُ خَطَبَ امْرَاَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : اَنْظُرْ اِلَيْهَا فَانَّهُ اَحْرَى اَنْ يُودَمَ بَيْنَكُمَا۔ فَاتَى اَبُوَيْهَا فَاَخْبَرَهُمَا بِقَوْلِ رَسُوْلِهِ ﷺ فَكَانَهُمَا كَرِهًا ذَلِكَ..... فَسَمِعَتْ ذَلِكِ الْمَرْأَةُ وَهِيَ فِيْ خِدْرِهَا فَقَالَتْ: اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَكَ اَنْ تَنْظُرَ فَاَنْظُرْ..... قَالَ الْمَغِيْرَةُ: فَانْظُرْتُ اِلَيْهَا فَتَزَوَّجْتُهَا)) ❷

”انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے دیکھ لو کہ ایسی صورت میں تمہارے درمیان موافقت پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے۔“ مغیرہ عورت کے والدین کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ارشاد سے ان کو مطلع کیا۔ انہوں نے نامناسب سا خیال کیا۔ لیکن جب عورت نے پردہ کے اندر سے سنا تو کہا: اگر رسول اللہ ﷺ نے دیکھنے کے لیے کہا ہے تو دیکھ لیجئے۔۔۔۔۔ مغیرہ کہتے ہیں: یہ جواب سن کر میں نے اسے دیکھ لیا اور اس سے شادی کر لی۔“

مخطوبہ (وہ عورت جس کو شادی کا پیغام دیا جائے) کو کس حد تک دیکھا جاسکتا ہے؟ اس

❶ مسلم 'كتاب النکاح: باب ندب من اراد النکاح امرأة - ح/ ۱۴۲۴۔

❷ مسند احمد (۲/۴۶۶) ترمذی 'كتاب النکاح: باب ماجاء فی النظر الى المخطوبة' ح: ۱۰۸۷۔ نسائی 'كتاب النکاح: باب اباحة النظر قبل التزويج' ح/ ۳۲۳۷۔ ابن ماجہ 'كتاب النکاح: باب النظر الى المرأة اذا اراد ان يتزوجها' ح: ۱۸۶۶۔ سنن الدارمی - (۲/ ۱۳۴) ح: ۲۱۷۶۔

کی کوئی صراحت نبی ﷺ نے نہیں فرمائی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں پیغام بھیجنے والے کی کیا خصوصیت ہوئی؟ ان اعضاء پر تو پیغام بھیجنے کے بغیر بھی نظر ڈالی جاسکتی ہے! پیغام کے لیے دیکھنے کا جو استثناء ہے، اس سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں جس حد تک دیکھنا جائز ہے، اس سے کچھ زیادہ ہی دیکھنا اس موقع پر جائز ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

((إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ فَقَدِرَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا بَعْضَ مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ)) ❶

”جب کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے اور اس کے لیے یہ ممکن ہو کہ اس کو کسی قدر دیکھ لے یعنی جس قدر دیکھنا نکاح کے لیے ضروری ہے تو وہ ایسا کر لے۔“

ایک طرف بعض علماء اس حد تک رخصت کے قائل ہیں اور دوسری طرف کچھ دوسرے علماء کا اس معاملہ میں مسلک بہت تنگ ہے۔ بہتر صورت تو وسط اور اعتدال کی ہے۔ بعض محققین کی رائے میں پیغام دینے والے شخص کو اس حد تک اجازت ہونی چاہیے کہ وہ مخاطبہ کو ایسے لباس میں دیکھے جس میں کہ وہ اپنے باپ بھائی اور دیگر محرموں کے سامنے بلا تکلف آتی ہے۔ بلکہ اس بات کی بھی اجازت ہونی چاہیے کہ مخاطبہ کے فہم ذوق اور امتیازی خصوصیات کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے کسی محرم کی معیت میں اس کے ساتھ کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں معمولاً اس مخاطبہ کی آمد و رفت رہتی ہو بشرطیکہ وہ مقام جائز نوعیت کا ہو اور مخاطبہ شرعی لباس میں ہو۔ اس لیے کہ یہ باتیں مذکورہ حدیث ”جس قدر دیکھنا نکاح کے لیے ضروری ہے۔“ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

(المرأة بين البيت والمجتمع' للاستاذ البهي الخولي- ص ۲۴)

پیغام دینے والا شخص مخاطبہ اور اس کے گھر والوں کو مطلع کر کے بھی اسے دیکھ سکتا ہے اور

❶ مسند احمد (۳/ ۳۶۰) واللفظ له ورواه ابوداود فی کتاب النکاح: باب فی الرجل ينظر الى المرأة: ح: ۲۰۸۲۔

بغیر اطلاع کے بھی بشرطیکہ ارادہ واقعی پیغام نکاح دینے کا ہو۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں ایک درخت کے پیچھے چھپ کر اسے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ ❶

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان باپ کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ رسم و رواج کے نام پر اپنی بیٹی کو دیکھنے سے کسی ایسے شخص کو روکے جو واقعی اس کو نکاح کا پیغام دینا چاہتا ہو۔ ضروری ہے کہ رسم و رواج شریعت کے تابع رہیں۔ شریعت کو رسم و رواج کے تابع کرنا بڑی غلط بات ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی جائز نہیں ہے نہ باپ کے لیے اور نہ پیغام دینے والے کے لیے اور نہ ہی مطلوبہ کے لیے کہ وہ رخصت سے فائدہ اٹھا کر کسی نوجوان لڑکے یا لڑکی کو اس حد تک اجازت دیں کہ وہ پارکوں میں ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے پھریں اور پیغام کے نام پر تھیزوں، تفریح گاہوں اور بازاروں کی سیر کریں اور ساتھ میں کوئی محرم رشتہ دار بھی نہ ہو۔ اگر محرم بھی ساتھ ہو تو سب بھی ایسی جگہوں پر گھومتے پھرنا جائز نہیں، یہ شادی سے پہلے دیکھ لینے کی رخصت کا ناجائز استعمال ہوگا۔ جو کہ سراسر ممنوع اور گناہ کا باعث ہے۔ آج کل نسل نو مغربی تہذیب کے دلدادہ ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی خواہ وہ دائیں جانب ہو یا بائیں جانب، (افراط و تفریط) اسلام کے مزاج سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی۔

### پیغام دینے کی حرام صورتیں

❶ مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دے جو طلاق یا شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی ہو۔ چونکہ عدت کی مدت سابق رشتہ زوجیت کے احترام کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے اس معاملہ میں زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو تو دوران عدت اس کے ذہن میں یہ بات اشارے کنایہ میں ڈال سکتا ہے کہ وہ نکاح کے لیے آمادہ ہے۔ مگر صراحت کے

ساتھ وہ پیغام نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ (البقرة: ۲/۲۳۵)

”اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ پیغام نکاح کی بات اشارہ و کنایہ میں کہو۔“

۲

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے پیغام پر پیغام نکاح دینا حرام ہے جبکہ ان کی بات چیت کامیابی کے مرحلہ میں پہنچ گئی ہو۔ کیونکہ جس شخص نے پہلے پیغام دیا ہے اس کو ایک قسم کا حق حاصل ہو گیا ہے جس کا خیال رکھنا چاہیے۔ نیز لوگوں کے ساتھ تعلقات کی بہتری اور خلافِ مروت کام کرنے سے احتراز کے پیش نظر بھی ایسا کرنا ضروری ہے ورنہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پہلے شخص کا حق چھین لیا گیا اور یہ ایک طرح کی زیادتی ہوگی۔ لیکن اگر پہلا شخص جس نے پیغام دیا ہے، اپنا ارادہ ترک کر دے یا خود ہی دوسرے شخص کو پیغام کی اجازت دے دے تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کے پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((الْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ فَلَا يَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَبْتَاعَ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ)) ❶

”مومن مومن کا بھائی ہے کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے اور نہ یہ بات جائز ہے کہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام دے۔“

نیز فرمایا:

((لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ الرَّجُلِ حَتَّى يَتْرِكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ)) ❷

❶ مسلم، کتاب النکاح: باب تحریم الخطبة علی خطبة اخیه، ح: ۱۴۱۴۔

❷ بخاری، کتاب النکاح: باب لا یخطب علی خطبة اخیه، ح: ۵۱۴۲۔ مسلم، حوالہ سابق، ح: ۱۴۱۲۔



”کوئی شخص کسی کے پیغام پر پیغام نہ دے، تا وقتیکہ جس نے پیغام دیا ہے وہ اپنا ترک نہ کرے یا دوسرے شخص کو اجازت نہ دے۔“

کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت لی جائے اور جبر نہ کیا جائے

جوان لڑکی اپنے نکاح کے معاملہ میں اولین اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دینا اور اگر کی رضا مندی کی پروا نہ کرنا اس کے باپ یا ولی کے لیے جائز نہیں ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

((الَّتَيْبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَآذِنُهَا صِمَاتُهَا)) ❶

”شوہر دیدہ عورت ولی کے مقابلہ میں اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے۔ اور کنواری عورت سے اس کے نفس کے معاملہ میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔“

((وَجَاءَتْ فَتَاةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا مِنْ ابْنِ أَخِيهِ وَهِيَ لَهُ كَارِهَةٌ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْأَمْرَ إِلَيْهَا فَقَالَتْ: قَدْ أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي وَلَكِنْ أَرَدْتُ أَنْ أُعْلِمَ النِّسَاءَ أَنَّ لَيْسَ لِلْأَبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ)) ❷

”ایک لڑکی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے لیکن یہ رشتہ اسے پسند نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اسے فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔ اس نے کہا: میرے والد نے جو رشتہ کر دیا ہے میں اسے برقرار رکھتی ہوں۔ دراصل میں عورتوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ باپ کو لڑکی کی مرضی کے بغیر رشتہ کر دینے کا اختیار نہیں ہے۔“

باپ کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ لڑکی کا نکاح کسی ایسے شخص کا پیغام آجانے پر

❶ مسلم، کتاب النکاح: باب استئذان التیّب فی النکاح بالطعن، ح ۱۴۲۱۔

❷ ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب من زوج بسنة وهی کارهة، ح ۱۸۷۴ و اسنادہ ضعیف۔

مؤخر کر دے جو دیندار با اخلاق اور اس کی برابری کا ہو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:  
 ((ثَلَاثٌ لَا يُوْخَرْنَ۔ اَلصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ، وَالجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ،  
 وَالْاَيُّمُ اِذَا وَجَدَتْ لَهَا كَفْنًا)) ❶

”تین چیزوں کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے: نماز جبکہ وقت ہو جائے، جنازہ جبکہ حاضر ہو، متحرمہ دعوت کا نکاح جبکہ اس کی برابری کا رشتہ مل جائے۔“

نیز فرمایا:

((اِذَا اَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَرَوْجُوْهُ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ  
 فِي الْاَرْضِ فِتْنَةً وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ)) ❷

”جب ایسا رشتہ سامنے آجائے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو ورنہ زمین میں بڑا فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔“

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے

جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، وہ یہ ہیں:

### ❶ باپ کی بیوی

(یعنی سوتیلی ماں) خواہ باپ نے اسے طلاق دے دی ہو یا بیوہ ہو گئی ہو۔

زمانہ جاہلیت میں یہ نکاح جائز تھا، لیکن اسلام نے اس کو باطل قرار دیا، کیونکہ باپ کی منکوحہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ باپ کے احترام کے پیش نظر اسے حرام کر دیا جائے۔ یہ حرمت ابدی ہے جس کے بعد نہ بیٹے کے دل میں خواہش پیدا ہو سکتی ہے، نہ سوتیلی ماں کے دل میں۔ بلکہ دونوں کے درمیان احترام اور تقدس کا رشتہ استوار ہو چکا ہوتا ہے۔

❷ ماں: اسی طرح داوی اور نانی اور جو اس سے اوپر کے درجہ میں ہوں۔

❸ لڑکی: اسی طرح پوتی اور نواسی جو اس سے نیچے کے درجہ میں ہوں۔

❶ ترمذی کتاب الجنائز، باب ماجاء فی تعجیل الجنائزہ ح ۱۷۱۱۰۷۵ و اسنادہ ضعیف۔

❷ ترمذی و کتاب النکاح: باب ماجاء فیمن ترضون دینہ فزوجوہ ح ۱۰۸۵۔

بہن: خواہ سگی ہو یا علاقائی یا اخائی۔

پھوپھی: یعنی باپ کی سگی، علاقائی یا اخائی بہن۔

خالہ: یعنی ماں کی سگی، علاقائی یا اخائی بہن۔

بھتیجیاں۔

بھانجیاں۔

یہ رشتہ دار خواتین اسلام میں ”محارم“ کہلاتی ہیں کیونکہ یہ مسلمان کے لیے ابدی طور پر حرام ہیں۔ کسی وقت اور کسی حال میں ان سے نکاح جائز نہیں ہو سکتا۔ مرد کو بھی ان کی نسبت سے ”محرم“ کہا جاتا ہے۔

ان رشتوں کو حرام قرار دینے کی مصلحتیں

(۱) مہذب انسان کی فطرت کبھی اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ وہ اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنی ماں، بہن اور بیٹی سے تعلق قائم کر لے۔ انسان تو انسان بعض حیوانات بھی ایسا نہیں کرتے۔ خالہ اور پھوپھی کے بارے میں بھی آدمی اپنی ماں ہی کی طرح احترام کے جذبات رکھتا ہے۔ اور چچا اور ماموں، عورت کے لیے بمنزلہ والد کے ہوتے ہیں۔

(ب) اگر شریعت نے ان محرمات کے سلسلہ میں احکام نہ دیئے ہوتے جس نے شہوانی تعلق کے تصور ہی کو ختم کر کے رکھ دیا ہے، تو ان کے ساتھ خلوت میں رہنے اور سد اختلاط کی وجہ سے عجب نہیں تھا کہ ان کے ساتھ جنسی تعلقات پیدا ہو جاتے۔

(ج) ان اقرباء کے ساتھ گہری جذباتی وابستگی ہوتی ہے جس کی بنا پر آدمی انکا احترام کرتا ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی و شفقت سے پیش آتا ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ آدمی محبت کے جذبات کے ساتھ اپنی عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرے۔ اس طرح نئے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے درمیان محبت و مودت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے:

﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (الروم: ۳۰/۳۱)

”اور تمہارے درمیان مودت و رحمت پیدا کر دی۔“

(۵) جو فطری جذبہ ان رشتہ داروں کے بارے میں انسان کے اندر پایا جاتا ہے اس کا برقرار رہنا اشد ضروری ہے تاکہ ان کے درمیان جو دائمی رشتہ ہے، وہ پختہ ہو سکے اور ان سے محبت اور ان کی سرپرستی وغیرہ کے لیے بنیاد فراہم ہو سکے۔ اس کے برعکس ان کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنے کا مطلب ان سے اختلاف اور نزاع کے لیے بنیاد فراہم کرنا ہے جس کا نتیجہ علیحدگی اور تعلقات کے انقطاع کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

(۶) ان رشتہ داروں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی صورت میں جو نسل پیدا ہوگی اس کا کمزور ہونا اغلب (زیادہ غالب) ہے۔ اور اگر کسی کنبہ میں جسمانی یا عقلی عیب ہوگا تو اس کی نسل میں وہ منتقل ہو سکتا ہے۔

(۷) عورت اس بات کی ضرورت مند ہوتی ہے کہ اس کی طرف سے کوئی مقدمہ لڑنے والا ہو اور اس کے شوہر کے پاس اس کے مفاد کی حمایت کرنے والا ہو۔ خاص طور سے ایسی صورت میں عورت اس کی شدید ضرورت محسوس کرتی ہے جبکہ میاں بیوی کے تعلقات خراب ہو جائیں۔ لیکن جب پوزیشن یہ ہو کہ اس کا حامی ہی حریف بن جائے تو پھر عورت کا کیا حال ہوگا؟

### رضاعت کی بنا پر حرام رشتے

۹ جس عورت نے بچپن میں دودھ پلایا ہو اس سے نکاح کرنا ایک مسلمان مرد کے لیے حرام ہے۔ دودھ پلانے کی وجہ سے عورت ماں کے حکم میں ہوگئی۔ دودھ نے اس کے گوشت اور ہڈیوں کے بننے میں حصہ لیا ہے اور رضاعت نے دونوں کے درمیان ماں بیٹے کا جذباتی تعلق پیدا کر دیا ہے۔ رضاعت کے مؤثر ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ بچپن میں یعنی بچہ کی عمر دو سال ہونے سے قبل اسے دودھ پلایا گیا ہو۔ اس زمانہ بچہ کے دودھ پینے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ خود سیری کے احساس سے پستان چھوڑ دے۔ پانچ مرتبہ کی قید مختلف روایتوں کے پیش نظر راجح اور مبنی براعتدال ہے۔

❖ رضاعی بہنیں: جس طرح عورت بچہ کی رضاعی ماں بن گئی اسی طرح اس (ماں) کی لڑکیاں بچہ کی رضاعی بہنیں بن گئیں۔ نیز اس عورت کی بہنیں بچہ کی رضاعی خالائیں بن گئیں۔

اسی طرح عورت کے دوسرے رشتہ دار بھی اس کے رضاعی رشتہ دار بن گئے۔  
حدیث نبوی ہے:

((يُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يُحَرِّمُ مِنَ النَّسَبِ)) ❶

”جو رشتے نسب سے حرام ہو جاتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔“

جس طرح نسب سے پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کا رشتہ حرام ہے اسی طرح رضاعت سے بھی یہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔  
مصاہرت سے رشتوں کی حرمت

❶ بیوی کی ماں: (ساس) کا رشتہ بھی حرام رشتوں میں شامل ہے۔ اسلام میں یہ رشتہ اس کی بیٹی کے ساتھ محض عقد ہو جانے کی بنا پر حرام ہو جاتا ہے، خواہ اس بیٹی سے زن و شو کا تعلق قائم نہ ہوا ہو، کیونکہ ساس ماں کے درجہ میں ہے۔

❷ ربیبہ: یعنی جس بیوی سے مرد وزن کا تعلق قائم کر چکا ہو اس کی لڑکی (جو دوسرے شوہر سے ہو) لیکن اگر اس سے زن کا تعلق قائم نہ کر چکا ہو تو اس کی لڑکی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

❸ بیٹے کی بیوی: بیٹے سے مراد صلبی بیٹا ہے نہ کہ متبئی (لے پالک) کیونکہ اسلام نے تنہیت کے قاعدہ کو باطل قرار دیا ہے کہ یہ خلاف حقیقت اور خلاف واقع بات ہے اور اس سے حلال حرام اور حرام حلال ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

❶ بخاری، کتاب الشهادات: باب الشهادة على الانساب۔۔۔ ح: ۲۶۴۵۔ مسلم، کتاب الرضاع: باب تحريم ابنة الاخ من الرضاعة، ح: ۱۴۴۷۔

﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۚ﴾

(الاحزاب: ۴/۳۳)

”اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا نہیں بنایا ہے۔ یہ محض تمہارے منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔“

یعنی یہ محض منہ سے نکلی ہوئی بات ہے۔ اس سے حقیقت بدلتی نہیں ہے اور نہ اجنبی آدمی رشتہ دار بن سکتا ہے۔

مذکورہ تینوں رشتوں کی حرمت مصاہرت کی وجہ سے ہے۔ مصاہرت سے جو رشتہ استوار ہوتا ہے وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ درج ذیل یہ رشتے حرام قرار پائیں۔  
دو بہنوں کو جمع کرنا

اسلام نے دو بہنوں کو جمع کرنا بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ زمانہ جاہلیت میں یہ جائز تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو بہنوں کا باہمی رشتہ اخوت، جس کو اسلام دائمی طور پر برقرار رکھنا چاہتا ہے، ایسی صورت میں برقرار نہیں رہ سکتا جبکہ دو بہنیں آپس میں سوکنیں بھی ہوں۔

قرآن نے دو بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت صراحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ ❶ رسول اللہ ﷺ نے مزید یہ حکم دیا:

((لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا)) ❷

”عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے۔ اور نہ اسے اس کی خالہ کے ساتھ ایک نکاح میں جمع کیا جائے۔“

جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے۔ نیز فرمایا:

((إِنَّكُمْ إِنْ فَعَلْتُمْ ذَلِكَ قَطَعْتُمْ أَرْحَامَكُمْ)) ❸

❶ صحیح ابن حبان (۱۶۶۶) جمع کبیر طبرانی: (۱۱- ۳۳۷)۔

❷ وان تجمعو بین الاختین۔ (سورۃ النساء: ۲۳) اور یہ کہ تم دو بہنیں (ایک نکاح) میں جمع کرو۔

❸ بحاری کتاب النکاح: باب لا ینکح المرأة علی عمتها ح: ۵۱۰۹۔ مسلم کتاب النکاح: باب تحريم الجمع بين المرأة و عمتها۔ ح: ۱۴۰۸۔

”اگر تم ایسا کرو گے تو قطع رحمی کرو گے۔“

اسلام نے صلہ رحمی کی نہایت تاکید کی ہے لہذا وہ ایسی بات کو کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے جو قطع رحمی کا باعث ہو؟  
شادی شدہ عورتیں

❖ شادی شدہ عورت کے لیے جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسرے کے ساتھ نکاح کا جواز دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے:

(۱) شوہر کا انتقال ہو جائے یا وہ طلاق دے دے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے جس عدت کا حکم دیا ہے وہ پوری ہو جائے۔

یہ عدت سابق زوجیت کے حق میں وفا اور عورت کے لیے تحفظ کا ذریعہ ہے۔

حاملہ کے لیے عدت کی مدت وضع حمل تک ہے، خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ۔

اور جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا اس کی عدت چار ماہ دس راتیں ہیں۔

اور مطلقہ کی عدت تین حیض ہے۔ تین حیض کی قید اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ رحم پاک

ہو جائے (استبراء رحم) اور سابق شوہر سے حمل قرار پانے کا جو امکان ہوتا ہے اس کے پیش

نظر یہ حکم دیا گیا احتیاط کے طور پر ہے تاکہ اختلاط نسب سے روکا جائے۔ یہ عدت ان

عورتوں کے لیے نہیں ہے جو اس قدر کم سن یا اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں کہ ان کو حیض نہ آتا ہو۔

ایسی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ (البقرة: ۲/۲۲۸)

”مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے کو روکے رکھیں۔“

اور فرمایا:

﴿وَالَّذِي يَسْنُ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبَعْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ

أَشْهُرٍ ۚ وَالَّذِي لَمْ يَحِضْنَ ۖ وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ

حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۴/۲)

”تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں ان کے معاملہ میں شبہ ہے۔ تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور یہی عدت ان کی بھی ہے جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَتَوَقَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (البقرة: ۲۳۴)

”اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار مہینے دس راتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں۔“

عورتوں کی مذکورہ پندرہ اصناف سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہ پندرہ اصناف قرآن کریم کی سورۃ نساء میں مذکور ہیں:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّكَ كَانَ فَاكِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَوْنُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخْتِ وَأُمَّهَاتُ الْمُنَىٰ وَأُمَّهَاتُ الْأَخْتِ وَأَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرِّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَّائِبُكُمْ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۖ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۚ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۚ وَأَنْ تَجْعُوا بَيْنَ الْأَخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾

(النساء: ۴/۲۲ تا ۲۴)

”جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے نکاح نہ کرو۔ مگر جو کچھ پہلے ہو چکا۔ بے شک یہ بے حیائی اور ناپسندیدہ بات ہے اور نہایت برا چلن ہے۔ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں۔ تمہاری بیٹیاں۔ تمہاری بہنیں۔ تمہاری پھوپھیاں۔ تمہاری خالائیں۔ تمہاری بھتیجیاں۔ تمہاری بھانجیاں۔ اور تمہاری وہ



مشرک عورتیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مؤمن لونڈی ایک آزاد مشرک سے بہتر ہے اگرچہ تمہیں بھلی معلوم ہو۔ اور اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مؤمن غلام ایک آزاد مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بھلا لگے۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمہیں جنت اور مغفرت (بخشش) کی طرف بلاتا ہے۔“

اس آیت نے واضح طور سے بیان کر دیا کہ مسلمان عورت کا نکاح مشرک مرد سے جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو ادیان کے درمیان اختلافات کی وسیع غلیج حاصل ہے۔

ایک گروہ جنت کی طرف بلاتا ہے اور دوسرا آگ کی طرف۔

یہ اللہ رسالت اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ نبوت کا انکار کرتا اور آخرت کا منکر ہے۔

رشتہ ازدواج تو باعث سکون اور ذریعہ موڈت ہے مگر یہ دونوں سرے جن کے درمیان کافی فاصلہ ہے، کس طرح ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں؟

کتابیہ سے نکاح

یہودی اور نصرانی کتابیہ سے نکاح ان کے اہل کتاب ہونے کی بنا پر قرآن نے جائز ٹھہرایا ہے۔ اور ان کے ساتھ خصوصی معاملہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے دین میں تحریف کی ہے لیکن بہر حال وہ آسمانی مذہب کے حامل ہیں۔ اسلام نے جس طرح ان کا ذبیحہ جائز قرار دیا ہے، اسی طرح ان کی عورتوں سے رشتہ ازدواج قائم کرنا بھی جائز ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (المائدة: ۵/۵)

”جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کی پاکدامن عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔“

اسلامی رواداری کی یہ ایک نادر مثال ہے جو شاید سے دیگر مذاہب و ملل میں مل سکے گی۔ اسلام نے اہل کتاب کو کافر اور گمراہ قرار دینے کے باوجود مسلمان کے لیے جائز کر دیا ہے کہ کتابیہ اس کی بیوی اور اس کے گھر کی مالکہ ہو جس سے وہ سکون حاصل کر سکتا ہے جو اس کی رازدار بن سکتی ہے اور جو اس کی اولاد کی ماں ہو سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی اجازت دی جبکہ زوجیت کے تعلق کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (الروم: ۲۱/۳۰)

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان

موؤت و رحمت پیدا کی۔“

یہاں ہم اس بات پر متنبہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ دیندار مسلم خاتون جو دین سے گہرا لگاؤ رکھتی ہو، ایک مسلمان کے لیے اس مسلمان عورت سے بہتر ہے جس نے اسلام کو محض وراثت میں پایا ہو۔ ہمارے نبی ﷺ نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((فَأَظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرَبَّتْ يَدَاكَ)) ❶

”دیندار خاتون سے نکاح کرو کہ یہ کامیابی کا باعث ہے۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (اگر ایسا نہ کرو)

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مسلمان عورت خواہ وہ کیسی ہی ہو مسلمان مرد کے لیے کتابی عورت کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ نیز جب کوئی مسلمان اپنی اولاد کے عقیدہ اور تربیت کے تعلق سے ایسی بیوی کی طرف سے اندیشہ محسوس کرے تو دین کی خاطر اس سے اجتناب کرنا اور اس اندیشہ سے بچنا ضروری ہو جاتا ہے۔

علاو ازیں اگر کسی ملک میں مسلمان مردوں کی تعداد کم ہو تو ایسی صورت میں مسلمان مردوں پر کتابی عورتوں سے نکاح کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اگر مسلمان اپنی عورتوں کو چھوڑ کر کتابی عورتوں سے نکاح کریں گے جبکہ مسلمان عورتیں صرف مسلمان مردوں ہی سے نکاح کر سکتی ہیں تو گویا مسلمان لڑکیوں کو بتلائے مصیبت کرنا ہوگا کہ ان کو کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا اور وہ بے کار ہو کر رہ جائیں گی۔ یہ صورت مسلم معاشرہ کے لیے سخت مضر ہے اور اس ضرر کا ازالہ اسی طرح ممکن ہے کہ اس مباح چیز کو مشروط مانا جائے اور ایک وقت تک کے لیے اس پر عمل درآمد موقوف رکھا جائے۔

### مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح

مسلمان عورت پر غیر مسلم سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ غیر مسلم کتابی ہو یا غیر کتابی۔ اس کے لیے مسلمان عورت کا کسی حال میں بھی غیر مسلم سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

❶ بخاری، کتاب النکاح: باب الاکفاء فی الدین، ح: ۵۰۹۰۔ مسلم، کتاب الرضاع: باب استحباب نکاح ذات الدین، ح: ۱۴۶۶۔

﴿وَلَا تَنْكِحُوا النَّبِيِّاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ﴾ (البقرة: ۲۲۱)

”اپنی عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔“

اور مؤمن مہاجر عورتوں کے بارے میں فرمایا:

﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ

لَا هُمْ يَجِلُّونَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنة: ۱۰/۶۰)

”پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ (مہاجر) عورتیں مؤمن ہیں تو انہیں

کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ وہ نہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے

لیے حلال۔“

اور کوئی نص ایسی وارد نہیں ہوئی جس میں اہل کتاب کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہو

لہذا مسلمانوں کا اس کی حرمت پر اجماع ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے

لیکن مسلمان عورتوں کو یہودیوں اور نصرانیوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ مرد گھر کا مالک ہوتا ہے اور عورت کے لیے قوام کی حیثیت رکھتا ہے نیز اس کے بارے

میں جوابدہ ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے کتابیہ بیوی کو آزادی عقیدہ کی

ضمانت دی ہے اور شرعی قوانین و احکامات کے ذریعہ اس کے حقوق متعین کیے ہیں اور اس کی

حرمت کا تحفظ کیا ہے۔ لیکن دیگر مذاہب مثلاً یہودیت اور نصرانیت نے کسی اور مذہب سے

تعلق رکھنے والی بیوی کے لیے نہ کسی قسم کی آزادی کی ضمانت دی ہے اور نہ اس کے حقوق کا

تحفظ کیا ہے۔ ایسی صورت میں اسلام کس طرح اپنی بیٹیوں کے مستقبل کو خطرہ میں ڈال سکتا

ہے؟ اور ان کو ایسے لوگوں کے حوالے کر سکتا ہے جو ان عورتوں کے دین کے معاملہ میں نہ رشتہ

داری کا خیال کریں اور نہ عہد کا؟

دراصل مرد کو اپنی بیوی کے عقیدہ کا احترام کرنا چاہیے تاکہ دونوں کے درمیان بہتر

تعلقات قائم رہیں۔ اور جہاں تک مسلمان کے عقیدہ کا تعلق ہے وہ یہودیت و نصرانیت کو

اپنی اصل کے اعتبار سے ان کی تحریفات سے قطع نظر کرتے ہوئے آسانی مذہب خیال کرتا

ہے وہ تورات و انجیل پر ایمان رکھتا ہے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسولوں کو بھی مانتا ہے۔ اس لیے کسی کتابی عورت کے لیے ایسے مرد کے پہلو میں زندگی گزارنا مشکل نہیں ہے جو اس کے اصل دین اس کی کتاب اور اس کے نبی کا احترام کرتا ہو اور احترام ہی نہیں بلکہ ان کی باتوں کو مانے بغیر ایمان ہی صحیح نہ قرار پاتا ہو۔ اس کے برخلاف یہودی اور نصرانی اسلام کا کوئی اعتراف نہیں کرتے، نہ اسلام کی کتاب کا اور نہ اس کے رسول کا۔ لہذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مسلمان عورت اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے مرد کے زیر سایہ زندگی گزارے؟ جبکہ مسلمان عورت کا دین اس سے شعائر و عبادات اور فرائض و واجبات کا مطالبہ کرتا ہے اور کتنی چیزوں کو حلال اور کتنی ہی چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے؟ ایسی صورت میں مسلمان عورت کے لیے اپنے عقیدہ اور اپنے دین کا تحفظ کرنا جبکہ مرد قوام ہو کر اس کا پوری طرح منکر ہو ایک امر محال ہے۔

یہاں اسلام کی اس معقولیت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے مسلمان کا بت پرست مشرک سے نکاح کیوں حرام ٹھہرایا ہے! واقع یہ ہے کہ اسلام شرک اور بت پرستی کا سخت مخالف ہے۔ بنا بریں زوجین کے درمیان سکون، مودت اور رحمت کی صورت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟

زانی عورتیں

یہاں زانی عورتوں سے مراد فحشہ گری کرنے والی عورتیں ہیں جو اعلانیہ زنا کا پیشہ اختیار کرتی ہیں۔ روایت ہے کہ سیدنا مرشد بن ابی مرشد رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ایک زنا کار عورت سے جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ان کا تعلق تھا اور جس کا نام عناق تھا، نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ نبی ﷺ نے اعراض فرمایا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النور: ۲۴/۳)

”زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرک کے ساتھ۔ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہیں

کرتا مگر زانی یا مشرک۔ اور یہ اہل ایمان پر حرام کر دیا گیا ہے۔“

آپ ﷺ نے یہ آیت انہیں سنائی اور فرمایا:

(( لَا تَنْكِحُهَا )) ❶

”اس سے نکاح نہ کرو۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکدامن مؤمن عورتوں اور پاکدامن کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح مردوں کے لیے نکاح مندرجہ ذیل شرط کے ساتھ جائز ٹھہرایا ہے:

﴿مُحْصِنِينَ غَيْرِ مُسْفِحِينَ﴾ (النساء: ۴/۲۴)

”وہ قید نکاح میں لانے والے ہوں نہ کہ بدکاری کرنے والے۔“

تو جو شخص کتاب اللہ کے اس حکم کو تسلیم نہ کرے اور اس کی پابندی قبول نہ کرے وہ مشرک ہے۔ اس سے نکاح کرنا وہی شخص پسند کر سکتا ہے جو اسی کی طرح مشرک ہو لیکن جس نے اس حکم کو تسلیم کیا اور اس کی پابندی کو قبول کیا، لیکن عمل اس کے خلاف کیا اور جس عورت سے نکاح حرام ہے اس سے نکاح کر لیا تو وہ زانی ہے۔

سورہ نور کی مذکورہ آیت درج ذیل آیت کے بعد بیان ہوئی ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةً﴾ (النور: ۲/۲۴)

”زانی عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔“

یہ جسمانی سزا ہے اور وہ تادیبی سزا تھی۔ کیونکہ زانی یا زانیہ سے نکاح کی حرمت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے اہم مقامات پر رہنے نہ دیا جائے اس کی قومیت (Nationality) کو ختم کر دیا جائے یا موجودہ عرف کے لحاظ سے جو معاشرتی حقوق مقرر ہیں ان سے اسے محروم کر دیا جائے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ ابوداؤد، کتاب النکاح: باب فی قوله تعالیٰ (الزانی لا ینکح الا زانیة) ح/ ۲۰۵۱، ترمذی

کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة النور/ ۳۱۷۷۔ نسائی، کتاب النکاح: باب تزویج الزانیة ح: ۳۲۳۰۔

”یہ حکم جو قرآن کی رو سے بالکل صریح اور واجب ہے وہ مقتضائے عقل و فطرت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کے لیے یہ بات حرام ٹھہرائی ہے کہ وہ کسی فاحشہ عورت کا شوہر یا دیوث یا رفیق ہو۔ اللہ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ ایسی باتوں کو قبیح اور معیوب خیال کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص کو بہت زیادہ برا بھلا کہنا ہو تو بولتے ہیں ”یہ فاحشہ عورت کا شوہر ہے۔“ لہذا اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے لیے حرام ٹھہرایا کہ وہ واقعی ایسا بن جائے۔ اس تحریم سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ..... عورت کا یہ گناہ شوہر کے بستر کی خرابی اور نسب کی خرابی کا موجب ہے حالانکہ اللہ نے نسب کو عظیم مصلحتوں پر قائم فرمایا ہے اور اس کو اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ لیکن زنا نطفہ کے اختلاط کا باعث ہے اور اس سے نسب مشتبہ ہو جاتا ہے لہذا شریعت کی یہ خوبی ہے کہ اس نے زانیہ سے نکاح حرام ٹھہرایا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے اور اپنے رحم کو پاک نہ کرے۔ (یعنی کم از کم ایک حیض نہ آئے)۔“ (إغاثة اللہفان۔ ج ۱، ۶۶، ۶۷)

زانیہ سے نکاح کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زانیہ خبیث عورت ہوتی ہے..... اللہ سبحانہ نے نکاح کو باعث مودت و رحمت بنایا ہے اور مودت خالص محبت کا نام ہے لہذا ایک خبیث عورت کس طرح ایک پاکیزہ مرد کی محبوب بیوی بن سکتی ہے؟ زوج کو زوج اس لیے کہتے ہیں کہ وہ باہم مماثل (ہم آہنگ) ہوتے ہیں۔ لیکن طیب اور خبیث کے درمیان شرعاً اور عقلاً کامل منافرت پائی جاتی ہے اس لیے دونوں کے درمیان نہ ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہمدردی اور محبت کے جذبات۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح فرمایا ہے:

﴿الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالْخَبِيثَاتُ لِلْظَّالِمِينَ وَالْظَّالِمُونَ لِلْخَبِيثَاتِ﴾

﴿النور: ۲۴/۲۶﴾

”خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔“

## نکاح متعہ

اسلام میں نکاح کی حیثیت ایک مضبوط عقد اور پختہ عہد کی ہے جس کی پشت پر زوجین کا ابدی زندگی گزارنے کا ارادہ کارفرما ہوتا ہے تاکہ باہم نفسیاتی سکون اور مودت و رحمت کی فضا پیدا ہو۔ علاوہ ازیں اس کا مقصد عمرانی بھی ہے یعنی سلسلہ تناسل کو جاری رکھنا تاکہ نوع انسانی کی بقا کا سامان ہو۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدًا﴾ (النحل: ۱۶/۷۲)

”اور اللہ نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔“

رہا متعہ کا نکاح جو مرد کے کسی عورت سے مقررہ مدت کے لیے مقررہ اجرت پر تعلق پیدا کرنے کا نام ہے تو وہ اس حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی اجازت شریعت کی تکمیل سے پہلے سفر اور غزوات وغیرہ کے موقع پر دی گئی تھی، لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ابدی طور پر اس کو حرام قرار دیا۔

شروع میں متعہ کو اس لیے جائز قرار دیا گیا تھا کہ مسلمان جاہلیت سے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے عبوری دور سے گزر رہے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں زنا آسان اور عام تھا۔ جب اسلام آیا اور غزوات و جہاد کے لیے سفر کا معاملہ درپیش ہوا تو عورتوں سے دوری لوگوں پر شاق گزرنے لگی۔ مسلمانوں کے اندر ایمان کے لحاظ سے قوی اور ضعیف دونوں طرح کے لوگ تھے۔ ضعیف الایمان لوگوں کے زنا میں مبتلا ہو جانے اور بے حیائی کے راستہ پر جا پڑنے کا اندیشہ تھا۔ دوسری طرف جو لوگ قوی الایمان تھے انہوں نے اپنے کو خسی کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

چنانچہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ، فَقُلْنَا لَا نَسْتَخْصِي؟ فَهَئَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ وَرَخَّصَ لَنَا أَنْ



نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ إِلَى أَجَلٍ)) ❶

”ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جایا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہیں ہوتی تھیں اس لیے ہم نے عرض کیا: کیا ہم اپنے آپ کو خفی نہ کر لیں؟ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور ہمیں اجازت دی کہ ہم کسی عورت - ایک مدت تک کے لیے کپڑے کے عوض نکاح کر سکتے ہیں۔“

متعہ کا یہ جواز زخمت کی حیثیت رکھتا تھا تاکہ ضعیف الایمان اور قوی الایمان دونوں گروہوں کی مشکلات کا حل نکل آئے۔ اسلام مسلمان کی ازدواجی زندگی کے لیے جو شرعی قوانین بنانا چاہتا تھا اس راہ میں یہ ایک قدم تھا وہ ایسی ازدواجی زندگی عطا کرنا چاہتا تھا جو نکاح کے جملہ مقاصد کو پورا کرے مثلاً: پاکدامنی رشتہ نکاح کی مستقل حیثیت سلسلہ تناسل مودت و رحمت نیز خاندان کے دائرہ کی مصاہرت (سسرال) کے ذریعہ توسیع وغیرہ۔

جس طرح قرآن نے شراب اور سود کی حرمت کے بارے میں تدریجاً احکام دیئے جبکہ زمانہ جاہلیت میں ان چیزوں کا بڑا رواج اور غلبہ تھا اسی طرح نبی ﷺ نے شرمگاہوں کی حرمت کے سلسلہ میں بھی احکام دیئے میں تدریج کا لحاظ فرمایا۔ چنانچہ مجبوری کی صورت میں متعہ کی اجازت دی لیکن بعد میں نکاح کی اس قسم کو بھی حرام قرار دیا۔ جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کے ایک گروہ کا بیان ہے اور صحیح مسلم نے سیدنا سہرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

((أَنَّ غَزَامَةَ النَّبِيِّ ﷺ فِي فَتْحِ مَكَّةَ فَأَذِنَ لَهُمْ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ قَالَ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى حَرَّمَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ❷

”وہ نبی ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر غزوہ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ

❶ بخاری کتاب النکاح: باب ما یکرہ من الثبیل والخصاء ح: ۵۰۷۵، مسلم کتاب النکاح: باب نکاح المتعہ ح: ۱۴۰۴۔

❷ مسلم کتاب النکاح: باب نکاح المتعہ ح: ۱۴۰۶۔

نے شرکائے غزوہ کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی۔ راوی کہتے ہیں کہ

پھر آپ ﷺ نے وہاں سے نکلنے سے پہلے ہی اسے حرام کر دیا۔“

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَأَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ ذَٰلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ)) ❶

”اللہ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حرمت ایسی قطعی ہے جیسے ماں، بیٹی وغیرہ سے نکاح

کرنا؟ یا یہ حرمت مردار، خون اور سور کے گوشت کی طرح ہے کہ یہ چیزیں مجبوری کی صورت

میں اور مشقت میں پڑنے کے اندیشہ کے پیش نظر جائز ہو جاتی ہیں؟

جمہور صحابہ کرام کی رائے میں یہ تحریم قطعی ہے جس میں شریعت کے اس حکم کو مستقل

حیثیت دینے کے بعد رخصت کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ البتہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما

نے اس سے اختلاف کیا تھا۔ ان کی رائے میں متعہ کرنا مجبوری کی صورت میں جائز تھا

چنانچہ کسی نے ان سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کو جائز کہا۔ ان کے غلام

نے پوچھا کیا یہ حکم شدید مجبوری کی صورت میں ہے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جی ہاں۔ ❷

لیکن جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہو گیا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں کافی گنجائش پیدا

کر لی ہے اور بات مجبوری کی حد تک نہیں رہی تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دینا بند کر دیا اور اس

سے رجوع کر لیا۔ ❸

تعدد از واج

اسلام ایک ایسا دین ہے جو فطرت سے ہم آہنگ اور تمام مصائب و مشکلات کا علاج

ہے۔ وہ انسان کو مہذب بناتا اور افراط و تفریط سے باز رکھتا ہے۔ اُس کی اس خوبی کا مشاہدہ

ہم اس کے اس موقف سے کرتے ہیں جو اس نے تعدد از واج کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے۔

❶ مسلم، حوالہ سابق، ج: ۱/۲۱، ۱۴۰۶ھ۔

❷ بخاری، کتاب النکاح: باب نہی النبی ﷺ عن نکاح المتعہ اخیراً، ج: ۵/۱۱۶۔

❸ بیہقی فی السنن الکبریٰ۔ (۷/۲۰۵) واسنادہ ضعیف۔ (زاد المعاد۔ ج: ۴، ص: ۷ بحوالہ بیہقی)۔

اسلام نے انسانیت، فرد اور اجتماعیت سب کا لحاظ کرتے ہوئے تمام مسلمان کے لیے ایک سے زائد بیویاں رکھنا جائز کر دیا ہے۔

قبل از اسلام مختلف قوموں اور ملتوں میں بہ کثرت عورتوں سے شادی کرنے کا رواج تھا، کبھی تو ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا اور کبھی یہ تعداد بلا شرط و بلا قید سینکڑوں تک پہنچ جاتی۔ لیکن جب اسلام آیا تو اس نے تعدد ازواج کے لیے قید اور شرط عائد کر دی۔

جہاں تک قید کا تعلق ہے تو اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی حد مقرر کر دی۔ چنانچہ جب غیلان ثقفی نے اسلام قبول کیا تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ((اخْتَرِ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا وَفَارِقِ سَائِرَهُنَّ)) ❶

”ان میں سے کوئی سی چار بیویاں رکھ لو اور بقیہ کو چھوڑ دو۔“

اسی طرح جس شخص کے پاس قبول اسلام کے وقت آٹھ یا پانچ بیویاں تھیں ان کو بھی آپ نے چار سے زیادہ رکھنے سے منع فرمایا۔ ❷

رہا نبی ﷺ کی نو ازواج کا مسئلہ تو آپ ﷺ کی زندگی میں دعوتی ضرورت اور آپ ﷺ کے بعد امت کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خصوصی اجازت دے دی تھی۔

### تعدد ازواج کے جواز کے لیے عدل کی شرط

تعدد ازواج کے لیے اسلام نے جو شرط عائد کی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کو اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان کھانے پینے، سونے اور خرچ کرنے کے معاملہ میں عدل کرے گا، لیکن جس شخص کو اپنے نفس پر یہ اعتماد نہ ہو کہ وہ ان حقوق کو عدل اور مساوات کے ساتھ ادا کر سکے گا، تو اس کے لیے ایک سے زائد بیوی کرنا جائز نہیں ہے۔

❶ مسند احمد (۲/۱۴)۔ ترمذی کتاب النکاح: باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده عشرة نسوة

ح/ ۱۱۲۸ ابن ماجہ کتاب النکاح: باب الرجل یسلم وعنده اکثر من اربع نسوة ح/ ۱۹۵۳۔

❷ ابو داؤد کتاب الطلاق: باب فیمن اسلم وعنده نساء اکثر من اربع ح/ ۲۲۴۱۔ ابن ماجہ حوالہ

سابق ح/ ۱۹۵۲۔

ارشاد الہی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء: ۴/۳)

”لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک پر اکتفاء کرلو۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ يَمِيلُ لِاحْدَاهُمَا عَلَى الْآخَرَى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَجُرُّ أَحَدَ شِقِيهِ سَاقِطًا أَوْ مَائِلًا)) ❶

”جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ صرف ایک طرف مائل ہو کر رہ جائے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک بازو گر رہا ہوگا اور وہ اسے گھسیٹ رہا ہوگا۔“

جس میلان اور جھکاؤ کے متعلق اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے اس کا مطلب حقوق کے معاملہ میں کمی بیشی کرنا ہے۔ قلبی میلان مراد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ناقابل استطاعت عدل میں داخل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے صرف نظر فرمایا ہے:

﴿وَكُنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَكُورْ حَوْصَتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ﴾ (النساء: ۴/۱۲۹)

”اور بیویوں کے درمیان تم اگر چاہو بھی تو پورا پورا عدل نہیں کر سکتے لہذا کسی ایک کی طرف جھک نہ پڑو۔“

اسی لیے رسول اللہ ﷺ شبہ باشی وغیرہ میں عدل کرنے کے باوجود فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ هَذَا قَسْمِيْ فَيَمَّا اَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِيْ فَيَمَّا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ)) ❷

❶ مسند احمد (۲/۲۴۷)۔ ابوداؤد، کتاب النکاح: باب فی القسم بین النساء، ح: ۲۱۳۳، ترمذی، کتاب النکاح: باب ماجاء فی تسوية بین الضرائر، ح: ۱۱۴۱، نسائی، کتاب عشرة النساء: باب میل الرجل الی بعض نسائه، ح: ۳۳۹۴، ابن ماجہ، کتاب النکاح: باب القسمة بین النساء، ح/ ۱۹۶۹۔

❷ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، ح: ۲۱۳۴، ترمذی، کتاب النکاح: باب ماجاء فی تسوية بین الضرائر، ح: ۱۱۴۰۔ نسائی، کتاب عشرة النساء: باب میل الرجل الی بعض نسائه، ح: ۳۳۹۵۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح: باب القسمة بین النساء، ح/ ۱۹۷۱۔

”اے اللہ! جہاں تک میرے بس میں ہے یہ میری تقسیم ہے، تو جو تیرے بس میں ہے اور میرے بس میں نہیں ہے اس پر میری گرفت نہ فرما۔“ (صحاب السنن)

یعنی کسی ایک بیوی کی طرف جو جذباتی اور قلبی میلان ہو جاتا ہے وہ انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کی یہ دعا اسی سلسلہ میں تھی۔

جب آپ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈالتے، جس کے حق میں قرعہ نکل آتا اس کو ہم سفر بنا لیتے۔<sup>①</sup> یہ طریقہ آپ ﷺ نے دلوں کی خلش کو دور کرنے اور سب کو خوش رکھنے کے لیے اختیار فرمایا تھا۔

تعددِ ازواج کے جواز کی مصلحت

اسلام اللہ کا آخری دین ہے، جس پر سلسلہ رسالت ختم ہو جاتا ہے اس لیے اسلامی شریعت بھی دوائی اور ہمہ گیر ہے جو تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس میں افراد اور گروہوں کی مجبوریوں اور ضرورتوں نیز ان کی مصلحتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

بعض مردوں کو اولاد سے زبردست رغبت ہوتی ہے لیکن وہ عورت کے بانجھ یا بیمار ہونے کی وجہ سے اولاد سے محروم رہتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں اس عورت کے لیے باعزت اور اس شخص کے لیے بہتر طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ پہلی بیوی کو اپنے پاس رکھتے ہوئے اور اس کے حقوق ادا کرتے ہوئے دوسری بیوی سے شادی کر لے تاکہ اس کی اولاد کی خواہش پوری ہو؟

بعض مردوں کی قوت باہ شدید ہوتی ہے اور ان پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے لیکن بیوی کو مرد سے رغبت نہیں ہوتی، یا وہ بیمار ہوتی ہے یا اس کے حیض کی مدت طویل ہوتی ہے اور مرد عورت کے معاملہ میں زیادہ صبر نہیں کر سکتا۔ تو کیا ان صورتوں میں کسی گرل فرینڈ (Girl Friend) کو تلاش کرنے کی بجائے دوسری بیوی کر لینا بہتر نہ ہوگا؟

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں بڑھ جاتی ہے۔ خاص طور سے جنگ کے ایام میں تو کتنے ہی ممتاز افراد اور نوجوانوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسے

① بخاری، کتاب النکاح: باب القرعة بین النساء اذا اراد سفرًا، ج: ۵۲۱۱۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل ام المؤمنین عائشةؓ، ج: ۲۴۴۵۔

موقع پر سماج کی مصلحت اور خود عورتوں کی مصلحت کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر زوجیت کی زندگی سے محروم اور کنواری بڑھیا بنیں ہو کر رہ جانے کے مقابلہ میں سوکن کی حیثیت سے رہنے کو ترجیح دیں کہ یہ سکون، مودت اور پاکدامنی کی زندگی ہے اور اس طرح اسے ماں بن جانے کا شرف بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور درحقیقت ایسی ہی زندگی ان کی فطرت کی آواز ہے۔

نکاح کی استطاعت رکھنے والے مردوں کی تعداد کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد جب بڑھ جائے تو وہ تین میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر سکتی ہیں:

۱ یا تو وہ پوری عمر محرومی کی تلخیوں میں گزار دیں۔

۲ یا ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ مردوں کے لیے کھیل تماشا بن جائیں۔

۳ یا یہ کہ ان کا نکاح ایسے شادی شدہ مردوں کے ساتھ جائز قرار دیا جائے جو نفقہ ادا کرنے پر قادر ہوں اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر سکتے ہوں۔

بے شک یہی آخری راستہ ہی ایک عادلانہ حل اور نسخہ شفاء ہے اور اسلام نے اسی کا حکم دیا ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمِهِ يُؤْتِيَنَّهُمْ﴾ (المائدة: ۵۰/۵)

”جو لوگ اللہ پر یقین کرنے والے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے۔“

یہ ہے تعدد ازواج کی حقیقت و حکمت جس کے سلسلہ میں مسیحی مغرب مسلمانوں پر اعتراض کرتا ہے جبکہ ان لوگوں کا اپنا حال یہ ہے کہ انہوں نے مردوں کے لیے تعدد معشوقات اور تعدد محبوبات کو بلا تحدید اور کسی قسم کی قانونی یا اخلاقی پابندی کو تسلیم کیے بغیر جائز کر لیا ہے۔ اس لادینی اور فحاشی کا ثمر انہیں جس (حرام) اولاد کی شکل میں مل رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر غور فرمائیے کہ کس گروہ کی بات وزنی ہے اور کون راہ راست پر گامزن ہے؟



## زوجین کے باہمی تعلقات

قرآن کریم نے نکاح کے مقاصد نہایت مہتمم بالشان طریقہ پر بیان کیے ہیں۔ یہ وہ ستون ہیں جن پر ازدواجی زندگی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ جنسی اضطراب کی جگہ زوجین کے درمیان پیار و محبت اور سکون نفس، بیوی اور شوہر کے خاندانوں کے درمیان مودت و الفت کے تعلقات، انسانی ہمدردی اور مشفقانہ جذبات کا مکمل ظہور اور والدین کی حیثیت میں اولاد کے ساتھ جذباتی وابستگی وغیرہ وہ مقاصد ہیں جو رشتہ نکاح کے ذریعہ مطلوب ہیں۔ ان مقاصد کی طرف سورہ روم کی درج ذیل آیت اشارہ کر رہی ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ٥٠﴾

(الروم: ۲۱/۳۰)

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان مودت و رحمت پیدا کی۔ یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔“

مذکورہ مقاصد کے علاوہ قرآن نے حسی پہلو اور زوجین کے درمیان جسمانی تعلق کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اس معاملہ میں بھی بالکل سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی ہے جس پر چل کر انسان گندے اور غلط طریقوں سے بچتے ہوئے اپنی فطری خواہش کو پورا کر سکتا ہے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ یہود اور مجوسی عورتوں سے حالت حیض میں کنارہ کشی اختیار کرنے کے معاملہ میں بڑا غلو کرتے تھے۔ اور نصاریٰ حیض کی پرواہ کیے بغیر عورتوں سے مجامعت کرتے تھے۔ رہے اہل جاہلیت تو وہ حائضہ کے ساتھ نہ کھاتے پیتے تھے اور نہ اُٹھتے بیٹھتے تھے بلکہ اس کو گھر سے باہر نکال دیتے تھے۔ ان کا سلوک بالکل یہودیوں اور مجوسیوں جیسا تھا۔



اس صورتِ حال کے پیش نظر بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ حائضہ کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ اس معاملہ میں حلال کیا ہے اور حرام کیا؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۚ قُلْ هُوَ أَذًى ۖ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ٢٠﴾

(البقرة: ٢٠/٢٢٢)

”وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو وہ گندگی ہے۔ اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے قربت نہ کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ اس طرح جس طرح کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہنے کا مطلب بعض بدوؤں نے یہ سمجھا کہ ان کے ساتھ رہنا سہنا جائز نہیں ہے لیکن نبی ﷺ نے آیت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فرمایا:

”میں نے تمہیں عورتوں سے حالتِ حیض میں مجامعت (مباشرت، ہمبستری) سے باز رہنے کا حکم دیا تھا۔ عجمیوں کی طرح انہیں گھر سے نکالنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ جب یہودیوں نے یہ بات سنی تو کہا: اس شخص نے ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کرنے کی ٹھان لی ہے۔“<sup>①</sup> (تفسیر رازی۔ ج ۶، ص ۶۶)

مسلمان اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں تمتع (فائدہ مند) ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ حیض کی جگہ سے دور رہے۔ اس طرح اسلام نے جیسا کہ اس کا مستقل اصول ہے دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا موقف اختیار کیا۔ یعنی حائضہ سے اس قدر دوری بھی نہیں کہ اس کو گھر سے نکال دیا جائے اور اس حد تک اختلاط بھی نہیں کہ مجامعت کو جائز سمجھ لیا جائے۔

① قال الشيخ الالبانی ”لم أجده بهذا السياق في شيء من الكتب السنة التي عندی و قريب منه ما ذكره السيوطی في ”الدر المثور“ (۱/ ۲۵۸) من تخریج ابن ابی حاتم (۴۰۱۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و اخرجه مسلم في كتاب الحيض: باب جواز غسل الحائض رأس زوجها ح: ۳۰۲. بلفظ مختلف عن انس بن مالك رضي الله عنه. (غاية المرام: ۱۴۸-۱۴۹)



جدید علم طب نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ حیض کے خارج شدہ خون میں ایک قسم کا مسموم مادہ ہوتا ہے جو اگر جسم کے اندر رہ جائے تو مضر (صحت) ہوتا ہے۔ اسی طرح حالت حیض میں جماع سے اجتناب کرنے کے راز پر سے بھی پردہ اٹھا دیا ہے۔ چنانچہ عورت کے صنفی اعضاء دوران حیض خون کے مجتمع ہونے کی وجہ سے سکڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اعصاب داخلی غدود کے سیلان کے باعث حالت اضطراب میں ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جنسی اختلاط اس کے لیے مضر ہوتا ہے اور کبھی حیض کی رکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے جس سے اسے اعصابی تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات صنفی اعضاء میں سوزش بھی پیدا ہو جاتی ہے۔<sup>①</sup>

دُبر سے اجتناب

عورتوں سے جسمانی تعلق کے سلسلہ میں سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۚ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۚ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُّسْلِمُونَ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ (البقرہ: ۲/۲۲۳)

”عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے مستقبل کا سامان کرو اور اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ تمہیں اس سے لازماً ملنا ہے اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو۔“

مذکورہ آیت کے سبب نزول اور اس کی حکمت پر علامہ ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”یہودیوں نے طریقہ مباشرت کے سلسلہ میں کسی آسمانی حکم کے بغیر خواہ مخواہ تنگی پیدا کر لی تھی۔ اور انصار وغیرہ جو ان سے قریب رہتے تھے، ان ہی کے طریقہ کو اختیار کیے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ جب آدمی پشت کی جانب سے مجامعت کرتا ہے تو اولاد بھنگی پیدا ہوتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾<sup>①</sup> یعنی مجامعت اگلے حصہ ہی میں کی

① ملاحظہ ہو: الاسلام والطب الحديث۔ از ڈاکٹر عبد العزیز اسمعیل مرحوم۔

② بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرہ: باب (نساؤکم حرت لکم ...) ح: ۴۵۲۸۔ مسلم، کتاب النکاح: باب جواز جماعہ امراتہ فی قبلہا..... ح: ۱۴۳۵۔

جائے خواہ اس کا طریقہ آگے کی جانب سے آنے کا ہو یا پیچھے کی جانب سے آنے کا۔ طریقہ مباشرت کا کوئی تعلق تمدن یا ملی مصلحت سے نہیں ہے۔ رہی ذاتی مصلحت تو انسان اپنی مصلحت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس معاملہ میں یہودیوں کی تنگ نظری ان کی موشگافیوں کا نتیجہ تھی اس لیے اس کو رد ہی کیا جانا چاہیے تھا۔<sup>①</sup>

دین نے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ مباشرت کے طریقوں اور اس کی کیفیتوں کی تحدید کرے۔ اس کی نظر میں اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرے اور یہ جان لے کہ اسے اللہ سے بہر حال ملنا ہے اور اس تصور کے پیش نظر وہ دُبر سے اجتناب کرے کیونکہ وہ گندی جگہ ہے۔ اور یہ فعل خبیث لواطت کے مشابہ ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ شریعت اسے ممنوع قرار دیتی چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ))<sup>②</sup>

”عورتوں کی دُبر (سرین) میں صحبت نہ کرو۔“

اور جو شخص عورت کے دُبر میں صحبت کرتا ہے اس فعل کو آپ ﷺ نے قوم لوط کا عمل قرار دیا۔

((هِیَ اللَّوْطِيَّةُ الصُّغْرَى))<sup>③</sup>

”یہ بھی ایک قسم کی لواطت ہے۔“

انصار کی ایک عورت نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ پشت کی جانب سے اگلے حصہ میں مجامعت کرنے کا کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے آیت ﴿فَاتُوا حُرُكُمُ اٰیُّ شَتْمٌ﴾ تلاوت فرمائی۔<sup>④</sup>

① حجة الله البالغة۔ ج ۲، ص ۱۳۶۔

② مسند احمد (۵/۲۱۳) ابن ماجہ، کتاب النکاح: باب النهی عن انیان النساء فی ادبار هن، ج: ۱۹۳۴۔

③ مسند احمد (۶/۳۱۰۳۰۵)۔

④ مسند احمد (۲/۲۱۰۱۸۲)۔

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

((يَا رَسُولَ اللَّهِ أَهْلَكَ؟ قَالَ وَمَا أَهْلَكَ؟ قَالَ حَوَلْتُ رَحْلِي  
الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَرُدْ عَلَيْهِ شَيْئًا حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ السَّابِقَةُ فَقَالَ لَهُ  
أَقْبِلْ وَأَذْبِرْ وَاتَّقِ الْحَيْضَةَ وَالذُّبْرَ)) ❶

”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ہلاک ہو گیا۔ فرمایا: ”کیا بات ہے؟“ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، گزشتہ شب میں نے اپنی سواری کا رخ بدلا دیا۔ یعنی پشت کی طرف سے مجامعت کر لی۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”آگے سے آؤ یا پیچھے سے مگر حیض کی حالت میں اور دُبر میں مجامعت کرنے سے اجتناب کرو۔“

### زن و شوئی کے رازوں کی حفاظت

قرآن نے نیک بیویوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قَتِنَتْ حِفْظًا لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾ (النساء: ۳۴)

”نیک عورتیں (خاوند کی) فرمانبردار اور اللہ کی حفاظت کے تحت رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔“

جن پوشیدہ باتوں کی حفاظت کرنا ضروری ہے ان میں زوجین کے درمیان خصوصی تعلق رکھنے والی باتیں بھی شامل ہیں۔ ان رازدارانہ باتوں کا تذکرہ دوستوں اور سہیلیوں کی مجلسوں اور انجمنوں میں کرنا صحیح نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي  
إِلَى الْمَرْأَةِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا)) ❷

”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین شخص وہ ہوگا جو عورت سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے اور بعد میں اس کے راز افشاء کرتا ہے۔“

❶ مسند احمد (۱/ ۲۹۷) ترمذی، کتاب تفسیر القرآن: باب و من سورة البقرة: ح: ۲۹۸۰ .

❷ مسلم، کتاب النکاح: باب تحريم افشاء سر المرأة، ح: ۱۴۳۷ .

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور جب سلام پھیرا تو ہماری طرف رخ کر کے فرمایا: ”بیٹھے رہو اور سنو۔ کیا تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو دروازہ بند کر لیتا ہے اور پردہ ڈال دیتا ہے پھر جب باہر نکلتا ہے تو لوگوں سے بیان کرتا پھرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایسا اور ایسا کیا؟“

آپ کے اس سوال کا جواب کسی نے نہیں دیا..... پھر آپ ﷺ نے عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ”کیا تم میں کوئی ایسی عورتیں ہیں جو اس طرح کی باتیں کرتی ہوں؟“ ایک عورت نے جو اپنے گھٹنوں کے بل نبی ﷺ کو دیکھنے اور آپ ﷺ کا کلام سننے کی کوشش کر رہی تھی نے کہا: اللہ کی قسم!..... مرد بھی ایسی باتیں کرتے ہیں اور عورتیں بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((هَلْ تَدْرُونَ مَا مَثَلُ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ؟ إِنَّ مَثَلَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ مَثَلُ شَيْطَانٍ وَشَيْطَانَةٍ لَقِيَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ بِالسَّكَةِ فَقَضَى حَاجَتَهُ مِنْهَا وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ)) ❶

”جانتے ہو جو شخص ایسی باتیں کرتا ہے اس کی مثال کیسی ہے؟ اس کی مثال شیطان یا شیطانہ جیسی ہے جو اپنی بیوی سے سر راہ ملتا ہے اور اپنی حاجت پوری کرتا ہے آنحالیکہ لوگ یہ (تماشا) دیکھ رہے ہوتے ہیں۔“

یہ مثال ایک مسلمان کے لیے اس لحاظ سے کافی ہے کہ وہ اس قسم کی حماقتوں سے متفر ہو جائے کیونکہ یہ نہایت ذلیل حرکت ہے اور کوئی مسلمان شیطان یا شیطانہ بننا پسند نہیں کر سکتا۔



❶ مسند احمد (۲/ ۵۴۰-۵۴۱) ابوداؤد کتاب النکاح: باب ما یکرہ من ذکر الرجل - ح: ۲۱۷۴۔  
واسنادہ ضعیف۔

## خاندانی منصوبہ بندی

(Family Planing)

نوع انسان کی بقاء کے لیے ازدواج اولین مقصد ہے۔ اور اس بقاء کا انحصار سلسلہ تناسل کے جاری رہنے پر ہے۔ اسی لیے اسلام نے افزائش نسل کو نہایت پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اسلام کی نظر میں لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب خیر و برکت کا باعث ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ اسلام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ معقول وجوہ اور قابل لحاظ ضرورتوں کی بنا پر خاندانی منصوبہ بندی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ عہد رسالت میں سلسلہ پیدائش کو روکنے یا کم کرنے کے لیے عزل (یعنی انزال کے وقت منی رحم کے باہر خارج کرنے) کا طریقہ رائج تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عہد رسالت میں اس طریقہ کو اختیار کرتے تھے چنانچہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((كُنَّا نَعْزِلُ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ)) ❶

”ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عزل کیا کرتے تھے اس حالت میں کہ قرآن

نازل ہو رہا ہوتا۔“

اور صحیح مسلم میں ہے:

((كُنَّا نَعْزِلُ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا قُبِلَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

فَلَمْ يَنْهَنَا)) ❷

”ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کیا کرتے تھے۔ جب نبی ﷺ کو اس

کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

❶ بخاری، کتاب النکاح: باب العزل، ح/ ۵۲۰۹۔ مسلم، کتاب النکاح: باب حکم العزل، ح: ۱۴۴۰۔

❷ مسلم، حوالہ سابق، ح/ ۱۳۸/ ۱۴۴۰۔

((فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ لِي جَارِيَةً وَأَنَا أَعَزُّ عَنْهَا وَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ وَأَنَا أُرِيدُ مَا يُرِيدُ الرَّجَالُ وَإِنَّ الْيَهُودَ تُحَدِّثُ أَنَّ الْعَزْلَ الْمَوْدَةُ الصَّغْرَى فَقَالَ ﷺ كَذَبَتْ الْيَهُودُ، لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعَتْ أَنْ تُصْرِفَهُ)) ❶

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ایک لونڈی ہے جس سے میں عزل کرتا ہوں۔ مجھے اس سے وہی رغبت ہے جو مردوں کو عورتوں سے ہوتی ہے۔ لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ حاملہ ہو جائے۔ اور یہود عزل کو مودہ صغریٰ (ایک درجہ میں قتل اولاد) سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہود غلط کہتے ہیں۔ اگر اللہ بچہ پیدا کرنا چاہے تو تم اس کو ٹال نہیں سکتے۔“

آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ عزل کرنے کے باوجود ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ منی کا ایک آدھ قطرہ نکل کر رحم میں پہنچ جاتا ہے اور لاعلمی میں حمل ٹھہر جاتا ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں عزل کا ذکر چھڑ گیا تو ایک شخص نے کہا کہ لوگ اسے ”موؤدہ صغریٰ“ سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”موؤدہ“ (زندہ درگور کرنا بالفاظ دیگر قتل اولاد) کا اطلاق اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ جنین سات اطوار سے گزر جائے۔ منی کا خلاصہ نطفہ بن جائے، پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر ہڈیاں، پھر گوشت پوست، اور ان سب مدارج سے گزرنے کے بعد انسان کی شکل اختیار کر جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آپ نے بالکل صحیح کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو طویل عمر عطاء فرمائے۔“ ❷ ❸

❶ ابوداؤد، کتاب النکاح: باب ماجاء فی العزل۔ ح/ ۲۱۷۱

❷ رواہ عبد الرزاق فی المصنف (۷/ ۱۴۱: ح/ ۱۲۵۵۳، ۷/ ۱۴۵: ح/ ۱۲۵۷۱) نحوه عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قوله۔ واللہ اعلم

❸ اسے احادیث میں مخفی طور پر زندہ درگور کرنے کا جو کہا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عزل بھی کراہت کے ساتھ جائز ہے اور موجودہ دور کے مصنوعی طریقوں کا از طباق اس پر نہیں ہوتا عزل میں منی کے اندر رہنے سے

### خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کی صورتیں

خاندانی منصوبہ بندی کا جواز چند ضرورتوں کی بنا پر ہے۔ ایک ضرورت تو یہ ہے کہ ماں کی زندگی یا صحت کو مرض یا زچگی کی وجہ سے خطرہ لاحق ہو۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہو جائے یا قابل اعتماد ڈاکٹر بتا دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة: ۱۵۹)

”اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔“

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء: ۲۹/۴)

”اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو؛ یقیناً اللہ تم پر مہربان ہے۔“

دوسری ضرورت یہ ہے کہ دنیوی حرج میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو، جس کے نتیجے میں دینی حرج پیدا ہو جائے اور آدمی اولاد کی خاطر حرام چیز کو قبول کرنے اور ناجائز باتوں کا ارتکاب کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يُؤَيِّدُ اللَّهُ بِكُمْ الْبَيْتَ وَلَا يُؤَيِّدُ بَكُمْ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ۱۸۷/۲)

”اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔“

﴿مَا يُؤَيِّدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ (المائدة: ۶/۵)

”اللہ تم پر تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا۔“

تیسری ضرورت اولاد کی صحت کے خراب ہو جانے یا ان کی صحیح تربیت نہ ہونے کا احتمال ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

(( عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَعَزُّ عَنْ أَمْرَاتِي. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لِمَ تَفْعَلُ ذَلِكَ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَشْفَقْتُ عَلَى وَلَدِهَا. أَوْ قَالَ: عَلَى أَوْلَادِهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ كَانَ ضَارًّا لَضَرَّ فَارِسَ وَالرُّومَ)) ❶

❶ کے چانس ہوتے ہیں جبکہ مصنوعی طریقے میں نہیں۔ اور مصنوعی طریقوں کے معاشرے میں پھیلنے کی وجہ سے زنا کاری اور بدکاری عام ہو چکی ہے اس لیے ان سے اجتناب لازم ہے۔ (ابو الحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ)

❶ مسلم، کتاب النکاح: باب جواز الغيلة۔ ح: ۱۴۴۳۔

”اُسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا: بچہ کو، یا یہ کہا کہ بچوں کو۔ نقصان پہنچنے کے اندیشہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر نقصان پہنچنے کی بات صحیح ہوتی تو فارس و روم والوں کو ضرور نقصان پہنچتا۔“

گویا نبی ﷺ کے نزدیک افراد کا یہ طرز عمل امت کے لیے بحیثیت مجموعی مضر نہیں تھا۔ اور مضر نہ ہونے کی دلیل یہ تھی کہ فارس و روم کی قوموں کو جو اس وقت کی بڑی طاقتور حکومتیں تھیں، اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔

شرعاً جو ضرورتیں معتبر ہیں ان میں سے ایک ضرورت یہ ہے کہ دودھ پیتے بچہ کو نئے حمل کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، کیونکہ ایسی صورت میں اس بات کا امکان ہے کہ ماں کا دودھ خراب ہو جائے اور بچہ کمزور ہو جائے۔

نبی ﷺ امت کو ایسی باتیں اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے جو امت کے حق میں مفید ہوں اور ان باتوں کو اختیار کرنے سے منع فرماتے تھے جو امت کے حق میں مضر ہوں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَإِنَّ الْغِيلَ يَذْرِكُ الْفَارِسُ فِيهِ عَشْرَةٌ))<sup>❶</sup>

”اپنی اولاد کو خفیہ طریقہ پر ہلاک نہ کرو کیونکہ دودھ پیتے بچے کی موجودگی میں بیوی سے صحبت کرنے سے بچہ کو نقصان پہنچتا ہے۔ شہسوار بن کر ٹھوکر کھاتا ہے۔“

لیکن نبی ﷺ نے اس کی ممانعت حرمت کے درجہ میں نہیں فرمائی، کیونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں دیگر قوموں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا اور انہیں اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ نیز اگر دودھ پلانے کی وجہ سے جماع کی قطعی ممانعت کر دی جاتی تو ان کے شوہروں کو اس سے تکلیف ہوتی، جبکہ دودھ پلانے کا سلسلہ دو سال تک جاری رہتا ہے۔ ان تمام

❶ ابوداؤد، کتاب الطب: باب فی الغيلة ح: ۳۸۸۱۔ واسنادہ ضعیف۔



باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَتُفِي عَنِ الْغَيْلَةِ ثُمَّ رَأَيْتُ فَارِسَ وَالرُّومَ  
يَفْعَلُونَهُ وَلَا يَضُرُّ أَوْ لَا دَهْمَ شَيْئًا)) ❶

”میں چاہتا تھا کہ دودھ پیتے بچوں کی ماؤں سے مباشرت کرنے سے منع کروں  
لیکن فارس اور روم کے لوگوں کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایسا کرتے  
ہیں اور ان کے بچوں کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔“

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان دونوں حدیثوں میں جمع و تطبیق کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

”نبی ﷺ کے سامنے دونوں پہلو تھے۔ ایک یہ کہ دودھ پیتے بچہ کی موجودگی  
میں اس کی ماں سے مباشرت بچہ کے حق میں نقصان دہ ہوگی، اگرچہ یہ نقصان  
بچہ کو قتل کرنے یا ہلاک کرنے کے مترادف نہیں ہے۔ تاہم نقصان کے اندیشہ  
کے پیش نظر آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی، لیکن یہ ممانعت حرمت کے درجہ میں  
نہیں تھی۔ پھر آپ ﷺ نے سد ذریعہ کے طور پر اس سے روکنا چاہا، لیکن دوسرا  
پہلو آپ ﷺ کے سامنے یہ آیا کہ اس ذریعہ کا انسداد اس مفسدہ کا مقابلہ نہیں  
کر سکتا، جو مدت رضاعت میں مباشرت کی ممانعت کی صورت میں پیدا ہو سکتا  
ہے۔ خاص طور سے نوجوانوں اور شہوت و ہیجان نفسی کے مفسدہ میں مبتلا ہو  
جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ لہذا آپ ﷺ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ مصلحت سد  
ذریعہ کے مفسدہ کے مقابلہ میں راجح ہے۔ نیز اس دور کی دو بڑی قوموں کا طرز  
عمل بھی پیش نظر تھا جو اس سے احتراز نہیں کرتی تھیں۔ ان امور کے پیش نظر  
آپ ﷺ نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔“ ❷

ہمارے زمانہ میں منع حمل کے نئے نئے ذرائع ایجاد ہوئے ہیں جن کو استعمال کر کے  
اس مصلحت کا تحفظ کیا جاسکتا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر تھی، یعنی دودھ پیتے بچہ کو  
نقصان پہنچنے سے بچانا اور اس مفسدہ سے بھی بچانا، جو دوران رضاعت مباشرت سے

❶ مسلم، کتاب النکاح: باب جواز الغيلة۔ ج: ۱۴۴۲۔

❷ مفتاح دار السعادة۔ ص: ۶۲۔ ج: ۴، ص: ۶۶۔

ممانعت کی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے۔ ❶

اس کی روشنی میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں دو ولادتوں کے درمیان کی مثالی مدت اس شخص کے لیے ہے، جو رضاعت کی تکمیل کرنا چاہتا ہو، تیس (۳۰) یا تینتیس (۳۲) مہینے ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عزل جائز ہے بشرطیکہ بیوی کی اجازت سے کیا جائے کیونکہ اولاد اور تلذذ دونوں میں اس کا حق ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔ ❷

اس سے اسلام کا وہ ممتاز نقطہ نظر نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے جو اس نے عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں ایسے زمانہ میں اختیار کیا جبکہ لوگ حقوقِ نسواں سے بالکل آشنا نہ تھے۔

### اسقاطِ حمل

اسلام نے مانعِ حمل طریقے اختیار کرنا ایسی صورت میں جائز ٹھہرایا ہے جبکہ ضرورت اس کی متقاضی ہو۔ لیکن جب حمل قرار پا چکا ہو تو اس کو نقصان پہنچانا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفخِ روح کے بعد جنین (ماں کے پیٹ میں بچہ) کا اسقاطِ حرام اور جرم ہے ایک مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صورت جنین کے حق میں جو ایک زندہ وجود اور اپنی ساخت میں کامل ہے صریح ظلم ہے۔ اسی لیے فقہاء کہتے ہیں کہ حمل ساقط کرانے کی صورت میں اگر جنین زندہ پیدا ہو کر مر جائے تو دیت لازم آئے گی۔ اور اگر جنین مردہ پیدا ہو گیا تو جرمانہ ادا کرنا ہوگا جس کی مقدار دیت سے کم ہوگی۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب قابلِ اعتماد ذرائع سے یہ اندازہ ہو جائے کہ جنین کو بچانے

❶ واضح رہے کہ مؤلف کی یہ بحث فیملی پلاننگ سے متعلق ہے نہ کہ نس بندی سے متعلق اس لیے اس کو نس بندی کے جواز پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا۔ نس بندی درحقیقت خلقِ اللہ میں تبدیلی ہے اس لیے اس کا گناہ اور ناجائز ہونا بالکل واضح ہے الا یہ کہ آدمی کے لیے جبر و اضطراب کی صورت پیدا ہو جائے۔ (مترجم)

❷ بیہقی فی السنن الکبریٰ (۲/ ۲۳۱) و اسنادہ ضعیف۔

کی صورت میں لامحالہ ماں کی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور اسقاط کے سوا کوئی دوسری صورت جان بچانے کی ممکن نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اسقاط ضروری ہو جاتا ہے۔<sup>①</sup> شریعت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ دو ضرر رساں چیزوں میں سے کم ضرر رساں چیز کو اختیار کیا جائے۔ اس قاعدے کے پیش نظر بچہ کی جان کو بچانے کی خاطر ماں کی زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈالا جاسکتا، کیونکہ ماں کی زندگی اصل ہے اور اس کا حق مقدم ہے۔ لہذا اس کی زندگی کو جینین پر ہرگز قربان نہیں کیا جاسکتا۔<sup>②</sup> اور امام غزالی فرماتے ہیں کہ:

”منع حمل اور اسقاط میں فرق کیا جانا چاہیے، منع حمل قتل اولاد کے مترادف نہیں ہے، کیونکہ قتل اولاد کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ بچہ وجود میں آچکا ہو۔ بچہ کے وجود میں آنے کے کئی مدارج ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ رحم میں نطفہ قرار پا جائے اور اس میں زندگی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس کو ضائع کرنا گناہ کا کام ہے۔ پھر جب خون کا لوتھڑا بن جائے تو اس کو ضائع کرنا اس سے زیادہ گناہ کی بات ہے۔ اور جب اس میں روح پھونکی جا چکی ہو اور وہ صحیح الخلق انسان بن گیا ہو تو اس کو ضائع کرنا گناہ میں مزید اضافہ کا موجب ہے۔ اور حد درجہ گناہ یہ ہے کہ بچہ کو پیدائش کے بعد قتل کر دیا جائے۔“<sup>③</sup>

**زوجین کے معاشرتی حقوق**

نکاح وہ پختہ عہد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان ذریعہ ارتباط بنایا ہے۔ دونوں میں سے ہر فرد نکاح کے بعد زوج کہلاتا ہے، کیونکہ وہ دوسرے کا جوڑ ہوتا ہے اور اپنے دل میں اس کے درد کی چوٹ محسوس کرتا ہے۔

① عام طور پر ایسا نہیں ہوتا اگر کبھی بکھار شاذ و نادر کوئی اکاؤنٹ کا واقعہ ایسا رونما ہوتا ہے کہ جس میں یہ طرز عمل اپنانا پڑتا ہے۔ بعض لوگ مصنوعی اضطرابی صورت پیدا کر کے اپنی صحت اور حسن کے تحفظ کے لیے اسقاط کروا چھوڑتے ہیں، جبکہ ایسا صرف اس وقت درست ہے جب واقعی ماں کی جان جاری ہو۔ واللہ اعلم۔ (محمد طاہر نقاش)

② فتاویٰ شیخ سلتوت ۴۶۴۔ ③ احیاء العلوم۔ کتاب النکاح ۲-۵۳۔

قرآن کریم نے اس بندھن کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرة: ۱۸۷/۲)

”وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔“

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ زوجین کو باہم متحد ایک دوسرے کی ستر پوشی کرنے والا ایک دوسرے کا حامی اور ایک دوسرے کے لیے باعث زینت ہونا چاہیے گویا دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کو بغیر کسی کوتاہی کے ادا کرنا چاہیے۔ یہ حقوق مساوی ہیں بجز ان باتوں کے جو مردوں کے ساتھ ان کی فطرت کے لحاظ سے مخصوص ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ﴾ (البقرة: ۲۲۸/۲)

”عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے

حقوق ان پر ہیں البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔“

یہ درجہ قوام اور ذمہ دار و جوابدہ ہونے کا ہے۔ نبی ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا: ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبَ  
الْوَجْهَ وَلَا تَقْبَحَ وَلَا تَهْجُرَ إِلَّا فِي الْبَيْتِ)) ❶

”یہ کہ انہیں اپنے ساتھ کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ اس کے چہرہ پر نہ مارو اور نہ اسے برا بھلا کہو۔ اور اسے اس کے گھر کے سوا کہیں نہ چھوڑو۔“

اس لیے کسی مسلمان شوہر کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان نفقہ اور پوشش کی طرف سے بے اعتنائی برتے۔ حدیث میں ہے:

((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقْوُ)) ❷

❶ ابو داؤد، کتاب النکاح: باب فی حق المرأة علی زوجها، ح: ۲۱۴۳۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح: باب حق المرأة علی الزوج، ح: ۱۸۵۰۔

❷ ابو داؤد، کتاب الزکاة، باب فی صلة الرحم، ح: ۱۶۹۲، و هو عند مسلم فی کتاب الزکاة، باب فضل النفقة علی العیال والمملوک، ح: ۹۹۶ بلنظ ”کفی بالمرء ان یحبس عمن یملك قوته۔“

”آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جن کے نان و نفقہ کی اس

پر ذمہ داری ہے ان کی طرف سے وہ بے پروا ہو جائے۔“

اسلام شوہر کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی بیوی کے منہ پر مارے کیونکہ یہ انسانی احترام کے خلاف ہے۔ اور اس سے جسم کے اشرف حصہ کو جس میں جسم کے جملہ محاسن جمع ہیں، تکلیف پہنچتی ہے۔ گونا فرمان اور سرکش بیوی کو بوقت ضرورت بغرض تادیب مارنا جائز ہے لیکن اس طرح زد و کوب کرنا کہ اسے اذیت پہنچے یا اس کے چہرہ کو مار لگے، جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ بیوی کو برا بھلا کہا جائے اور اذیت دہ باتیں کی جائیں یا ایسی باتیں کی جائیں جو اسے ناگوار ہوں یا مثلاً یہ کہا جائے کہ اللہ تیرا برا کرے وغیرہ۔

رہا شوہر کا حق بیوی پر تو نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ أَنْ تَأْذَنَ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَهُوَ كَارِهٌ وَلَا تَخْرُجَ وَهُوَ كَارِهٌ وَلَا تُطِيعُ فِيهِ أَحَدًا وَلَا تَعْتَزِلَ فِرَاشَهُ وَلَا تَضْرِبَهُ فَإِنْ كَانَ هُوَ أَظْلَمَ فَلْتَأْتِهِ حَتَّى تَرْضِيَهُ فَإِنْ قَبِلَ مِنْهَا فِيهَا وَنِعِمَّتْ وَقَبِلَ اللَّهُ عُذْرَهَا وَأَفْلَحَ حُجَّتُهَا وَإِنْ هُوَ كَمَ يَرْضَ فَقَدْ أَبْلَغَتْ عِنْدَ اللَّهِ عُذْرَهَا)) ❶

”جو عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں اس شخص کو آنے کی اجازت دے دے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔ اور نہ اس کی مرضی کے بغیر وہ باہر نکلے۔ اور نہ اس کے معاملہ میں کسی کی بات مانے۔ اور نہ اپنے شوہر کے بستر سے الگ رہے۔ اور نہ اس کو مارے۔ اگر شوہر ظالم ہو تو اپنی حد تک اسے خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس کی یہ خدمت شوہر نے قبول کر لی تو فیہا۔ اللہ اس کے عذر کو قبول فرمائے گا اور اس کا برسر حق ہونا

❶ مستدرک حاکم (۱۹۰۲) السنن الكبرى للبيهقي (۲۹۳۷) واسنادہ ضعيف وقال الذهبي: منكر

واسنادہ منقطع۔

ظاہر فرمائے گا۔ اور اگر شوہر راضی نہ ہو تو اللہ کے حضور اس کا عذر پہنچ ہی جائے گا۔“

میاں بیوی کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں صبر کرنا چاہیے

مسلمان شوہر کو اپنی بیوی کی ناپسندیدہ باتوں پر صبر کرنا چاہیے۔ اور انسان میں انسان ہونے کی حیثیت سے جو نقائص ہوتے ہیں اور عورتوں میں نسوانیت کی بنا پر جو کمزوریاں ہوتی ہیں، ان کو برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اسی طرح بیوی کی برائیوں کے مقابلہ میں اچھائیوں اور عیوب کے مقابلہ میں اس کی خوبیوں پر نظر رکھنی چاہیے۔ حدیث میں ہے:

((لَا يَفْرُكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ سَخِطَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا غَيْرَةً)) ❶

”کوئی مؤمن کسی مؤمنہ سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس میں ایک خصلت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری خصلت پسندیدہ ہوگی۔“

اور ارشاد الہی ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَلَيْ أَنْ تَذَرُوهَا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝﴾ (النساء: ۱۹)

”ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے رہو۔ اگر تمہیں وہ ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم

ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“

اسلام نے جس طرح شوہر کو بیوی کی ناگوار باتوں پر صبر و تحمل سے کام لینے کی ہدایت کی ہے اسی طرح بیوی کو بھی یہ ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے شوہر کو ممکن حد تک خوش رکھنے کی کوشش کرے اور اپنے شوہر کو ناراضگی کی حالت میں چھوڑ کر شب بسر نہ کرے۔ حدیث میں ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَا تَرْفَعُ صَلَاتَهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شَبْرًا - رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ، وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَرَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ، وَآخَوَانِ

مُتَصَارِمَانِ)) ❶

”تین اشخاص ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھر بھی اوپر نہیں اٹھتی۔ ایک وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرے آنحالیکہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں، دوسری وہ عورت جو اس حال میں شب بسر کرے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو، تیسرے وہ دو بھائی جو ایک دوسرے سے لڑیں۔“

نافرمانی اور نزاع کی صورت میں

مرد گھر کا سردار اور خاندان کا سرپرست ہے، اس بنا پر کہ اس کی تخلیق اسی طرز پر ہوئی ہے اور اس کے اندر اس کی استعداد پائی جاتی ہے۔ اور کارگرہ حیات میں اس کی حیثیت بھی یہی کچھ ہے نیز وہ مہر اور نان نفقہ کا ذمہ دار ہے۔ لہذا عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے خروج اختیار کرے اور اس سے سرکشی کرے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تعلقات خراب ہو جائیں گے اور سفینہ بیت ڈانواں ڈول ہونے لگے گا اور عجب نہیں کہ کسی ناخدا کے نہ ہونے کی وجہ سے غرق ہو جائے۔

شوہر جب دیکھ لے کہ بیوی کی طرف سے نافرمانی کا صدور (ظہور) ہو رہا ہے اور بیوی اس کے خلاف سراٹھا رہی ہے تو کلمہ خیر، مؤثر نصیحت اور حکیمانہ باتوں کے ذریعہ اس کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرے۔ لیکن جب نصیحت کارگر ثابت نہ ہو تو اس کو اس کے بستر پر چھوڑ دے تاکہ نسوانی جذبات ابھر آئیں اور فرمانبرداری کرنے لگے۔

اور اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو پھر اس پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں اذیت دہ حد تک زد و کوب کرنے اور چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ بعض عورتوں کے لیے بعض حالات میں یہی علاج کارگر ہوتا ہے۔ مارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوڑے یا

❶ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوات: باب من امّ قوماً وہم لہ کارہون، ح/ ۹۷۱۔ صحیح ابن حبان (موارد - ۳۷۷) ولہ شاهد عند الترمذی فی کتاب الصلوۃ: باب ماجاء فی من امّ قوماً وہم لہ کارہون، ح/ ۳۶۰ بلفظ ”ثلاثة لا تجاوز صلاتهم اذانهم۔“ و فیہ ”العبد الابق“ مکان ”اخوان متصارمان۔“

لکڑی وغیرہ سے مارنا، بلکہ اس کی نوعیت نبی ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ایک خادم سے، جس نے کسی کام کے سلسلہ میں آپ ﷺ کو غصہ دلایا تھا، فرمایا: ((لَوْلَا الْقِصَاصُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا وَجَعْتُكَ بِهَذَا السَّوَالِكِ)) ❶

”اگر قیامت کے دن بدلہ نہ لیا جانے والا ہوتا تو میں تجھے اس مسواک سے مارتا۔“

نبی ﷺ نے زد و کوب کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((عَلَامٌ يَضْرِبُ أَحَدَكُمْ امْرَأَتَهُ ضَرْبَ الْعَبْدِ وَلَعَلَّهُ أَنْ يُجَامِعَهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ)) ❷

”تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح کیوں پیٹتا ہے جس طرح غلاموں کی پٹائی ہوتی ہے؟ اور اس کے بعد شاید وہ رات میں اس سے جماعت بھی کرے۔“

جو لوگ عورتوں کو مارتے ہیں ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا تَجِدُونَّ أُولَئِكَ خِيَارَكُمْ)) ❸

”ایسے لوگوں کو تم اپنے میں بہتر نہ پاؤ گے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ تم میں جو لوگ اچھے ہوں گے وہ کبھی اپنی بیویوں کو نہیں ماریں گے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کو مارنا فی الجملہ جائز ہے“

❶ حلیۃ الاولیاء (۸/۳۷۸) طبقات ابن سعد (۱/۳۸۲) مجمع الزوائد (۱۰/۳۵۳) بحوالہ الطبرانی (۲۳/۳۷۶) و ابی یعلیٰ (۶/۲۵۵) ح: ۶۱۶۸۹۲/۶۱۶۸۹۲-۲۶۱-۲۶۲ ح: ۶۹۰۸ و رواہ البخاری فی الادب المفرد (۱۸۴) نحوہ۔

❷ مسند احمد (۴/۱۷)۔ بخاری، کتاب التفسیر: سورة الشمس ح: ۴۹۴۲، مسلم، کتاب الجنة: باب النار یدخلها الجبارون ح: ۲۸۵۵۔

❸ ابوداؤد، کتاب النکاح: باب فی ضرب النساء ح: ۲۱۴۶۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح: باب ضرب النساء ح: ۱۹۸۵۔



جس کا مناسب موقع اس وقت ہے جبکہ شوہر اپنی بیوی میں کوئی ایسی ناگوار بات دیکھ لے جس میں اس کی اطاعت کرنا اس پر واجب ہے۔ ایسی صورت میں وہ اسے تادیباً مار سکتا ہے۔ البتہ اگر دھمکی وغیرہ سے کام چل سکے تو اچھا ہے اور جب ذومعنی الفاظ استعمال کرنے سے کام چلتا ہو مار پیٹ سے احتراز کرنا چاہیے کیوں کہ اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہ حسن معاشرت کے خلاف ہے حالانکہ حسن معاشرت ازدواجی زندگی میں اصلاً مطلوب و محبوب ہے۔ الا یہ کہ کسی ایسے معاملہ میں اسے مارنا پڑے جو اللہ کی نافرمانی سے تعلق رکھتا ہو۔

نسائی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

((مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ امْرَأَةً لَهُ وَلَا خَادِمًا قَطُّ وَلَا ضَرَبَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ إِلَّا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ تَنْتَهَكَ حُرْمَاتِ اللَّهِ فَيَسْتَقِمُّ لِلَّهِ)) ①

”رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی یا خادم کو کبھی نہیں مارا اور نہ کسی اور شخص پر کبھی اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ہاں اللہ کی راہ میں حدودِ الہی کی بے حرمتی کی وجہ سے اللہ کی خاطر کسی کو سزا دی ہو تو یہ اور بات ہے۔“ (فتح الباری۔ ج ۹۔ ص ۲۴۹)

لیکن اگر یہ سب باتیں غیر موثر ثابت ہو جائیں اور اختلافات کی خلیج وسیع ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اسلامی معاشرہ اور اہل الرائے اور اصحابِ خیر کو اس میں مداخلت کر کے اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ شوہر کے اہل میں سے ایک حکم (ثالثی) اور بیوی کے اہل میں سے ایک حکم جو خیر پسند ہو مقرر کر لیں۔ اگر انہوں نے میاں بیوی کو ملانا اور خرابی کی اصلاح کرنا چاہا تو اللہ ان کے درمیان ضرور موافقت پیدا کر دے گا۔ ان امور کے سلسلہ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ

① مسلم، کتاب الفضائل: باب مباعثہ ﷺ لا آثار، ح: ۲۳۲۸۔ نسائی فی الکبیر (۵/ ۳۷۰، ۳۷۱) ح: ۹۱۶۴ واللفظ لہ۔

وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿٣٥﴾ (النساء : ٤ / ٣٤-٣٥)

”جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں نصیحت کرو۔ ان کو ان کے بستروں میں چھوڑ دو۔ اور انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو یقین جانو کہ اللہ بالاتر اور بہت بڑا ہے۔ اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔ اگر دونوں اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ انکے درمیان سازگار (فضاء و ماحول) پیدا کر دیگا۔ بے شک اللہ علیم و خبیر ہے۔“

صرف ایسی صورت میں طلاق جائز ہو جاتی ہے

ان تمام صورتوں اور تمام کوششوں کے ناکام ہو جانے کے بعد شوہر کے لیے جائز ہو جاتا ہے کہ وہ بقضائے ضرورت آخری چارہ کار تلاش کرے جسے اسلام نے مشروع قرار دیا ہے تاکہ مشکلات کا حل نکل آئے..... اور یہ آخری چارہ کار طلاق ہے۔ اسلام نے اس طریقہ کو اختیار کرنے کی اجازت بہ کراہت دی ہے۔ اسے نہ مندوب قرار دیا ہے اور نہ مستحب، بلکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَبْغَضُ الْحَلَائِلِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ)) ❶

”اللہ نے طلاق سے زیادہ کسی ناپسندیدہ چیز کو حلال نہیں قرار دیا۔“

نیز فرمایا:

((مَا أَحَلَّ اللَّهُ شَيْئًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ)) ❷

❶ ابو داؤد، کتاب الطلاق: باب فی کراہیۃ الطلاق، ح: ۲۱۷۸، ابن ماجہ، کتاب الطلاق: باب (۱) ح/ ۲۰۱۸۔

❷ ابو داؤد، کتاب الطلاق: باب فی کراہیۃ الطلاق، ح/ ۲۱۷۷۔

”اللہ نے طلاق سے زیادہ کسی ناپسندیدہ چیز کو حلال نہیں قرار دیا۔“

اور طلاق کا حلال مگر ناپسندیدہ ہونا، اس بات سے ظاہر ہے کہ طلاق ایک رخصت ہے جسے ضرورۃً جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسے ایسی صورت میں اختیار کیا جاسکتا ہے جبکہ گھریلو زندگی متاثر ہو جائے اور زوجین کے دلوں میں نفرت بیٹھ جائے اور وہ اس قابل نہ رہیں کہ حدود اللہ پر قائم رہ سکیں اور حقوق زوجیت ادا کر سکیں۔ بقول کسے جب وفاق کی کوئی صورت نہ رہی تو فراق ہی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يَغْنِ اللَّهُ كَلًّا مِّنْ سَعَتِهِ ۖ﴾ (النساء: ۴ / ۱۳۰)

”اگر دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا۔“

### اسلام سے قبل طلاق کا طریقہ

طلاق کو اسلام ہی نے تنہا جائز نہیں قرار دیا ہے بلکہ اسلام سے پہلے پوری دنیا میں طلاق کا طریقہ رائج تھا، بجز ایک دو قوموں کے۔ مرد جب عورت پر غصہ ہو جاتا، کسی معقول وجہ سے یا ناحق، تو اسے اس کے مکان سے باہر نکال دیتا اور عورت اپنی مدافعت میں کچھ نہ کر سکتی۔ نہ اس سے اس کا کوئی معاوضہ لے سکتی تھی اور نہ اس کو اور کسی قسم کا حق حاصل تھا۔ جس زمانہ میں یونانیوں نے شہرت حاصل کی اور ان کی تہذیب کا ڈنکا بج رہا تھا اس وقت ان میں بھی طلاق کسی قید اور شرط کے بغیر رائج تھی۔

اور رومانیوں کے نزدیک طلاق نکاح کے وجود میں آنے ہی سے معتبر سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ اگر زوجین عدم طلاق کی شرط لگاتے تو منصف نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ دے دیتا۔

رومانیوں کے قدیم قبائل کے نزدیک مذہبی نکاح کی صورت میں طلاق حرام ہو جاتی تھی، البتہ شوہر کو اپنی بیوی پر لامحدود اختیارات حاصل ہو جاتے تھے یہاں تک کہ بعض حالات میں بیوی کو قتل کرنا بھی اس کے لیے روا ہو جاتا۔ بعد میں ان کے مذہب نے طلاق کو اسی طرح مباح قرار دیا جس طرح کہ شہری قانون کی رو سے مباح تھی۔

## یہودی مذہب میں طلاق

جہاں تک یہودی مذہب کا تعلق ہے اس نے بیوی کی حالت کو بہتر بنانے کا سامان کیا؛ لیکن طلاق کو جائز قرار دے کر اس کے جواز میں بڑی وسعت پیدا کر دی۔ شوہر بیوی پر فسق کا جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں شرعاً طلاق دینے کے لیے مجبور تھا، یہاں تک کہ اگر شوہر اس کے جرم کو معاف کر دیتا تب بھی اس کے لیے طلاق دینا ضروری تھا، نیز قانون کی رو سے بھی اگر دس سال گزر جانے کے باوجود عورت کے اولاد نہیں ہوئی ہے تو طلاق دینا ضروری تھا۔<sup>①</sup>

## مسیحی مذہب میں طلاق

مسیحی مذہب طلاق کے معاملہ میں بالکل منفرد ہے۔ اس نے یہودی مذہب کی مخالفت کی اور انجیل نے حضرت مسیح کی طرف منسوب کر کے طلاق کو حرام قرار دیا۔ نیز طلاق دینے والے مرد اور مطلقہ عورت کا نکاح حرام ٹھہرایا۔ متی کی انجیل میں ہے:

”یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے، لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کرتا ہے۔ اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔“

اور مرقس کی انجیل میں ہے:

”جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔“<sup>②</sup>

انجیل میں اس تحریم کی علت یہ بیان کی گئی ہے:

”جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔“<sup>③</sup>

① الاسلام دین عام خالد، از فرید و جدی، ص ۱۷۲.

② مرقس ۱۰: ۱۹.

③ متی ۱۹: ۶.

یہ جملہ معنایاً اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن اسے طلاق کی حرمت کے لیے علت قرار دینا قابلِ تعجب ہے۔ اللہ کی طرف سے زوجین کے جوڑے جانے کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ اس نے نکاح کی اجازت دی ہے اور اسے مشروع ٹھہرایا ہے۔ اب اگر اس نے کچھ ضرورتوں کی بنا پر طلاق کی اجازت دے دی تو یہ تفریق بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوئی اگرچہ انسان نے تفریق کا یہ کام انجام دیا ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ جسے اللہ نے جوڑا ہے اسے جدا کرنے والا انسان نہیں ہے بلکہ اللہ ہی ہے۔ کیا زنا کی صورت میں دونوں کو جدا کرنے والا اللہ نہیں ہے؟ اسی طرح زنا کے علاوہ تفریق کے اور اسباب بھی ہو سکتے ہیں؟

### طلاق کے مسئلہ میں مسیحی مذہب کا اختلاف

اگرچہ انجیل نے زنا کی صورت میں طلاق کو حرمت سے مستثنیٰ کر دیا ہے لیکن کیتھولک مذہب نے اس استثناء کی تاویل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ درحقیقت یہاں کوئی استثناء ہے ہی نہیں اور نہ طلاق دینے کی کوئی گنجائش ہے۔ طلاق کا تو مسیحی مذہب میں وجود ہی نہیں ہے۔ رہی زنا کی علت تو وہ فی نفسہ عقد کو فسخ کرنے والی ہے اس لیے زنا کی صورت میں مرد کے لیے نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے کہ عورت کو چھوڑ دے۔

اس کے برعکس پروٹسٹنٹ مذہب کے پیروکار طلاق کو مخصوص صورتوں میں مثلاً بیوی کے زنا کرنے یا شوہر کی خیانت وغیرہ کرنے کی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں۔ انجیل متی کے بیان پر یہ انما نہ ہے جو انہوں نے کیا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں طلاق دینے والے مرد اور مظاہرہ و ُرت دونوں کا بعد میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا حرام ٹھہرایا ہے۔

رہے آرتھوڈاکس (Orthodox) مذہب کے پیروکار تو مصر میں ان کی مذہبی مجالس نے بیوی کے زنا کے ارتکاب اور چند دیگر اسباب کی بنا پر طلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ ان اسباب میں سے تین سال تک بیوی کا بانجھ رہنا، متعدی امراض اور جھگڑوں کا طویل سلسلہ جس میں صلح کی طرف سے ناامیدی، جیسے اسباب شامل ہیں۔ لیکن یہ اسباب انجیل پر اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے محافظ دوسروں سے ان اسباب کی بنا پر طلاق کا جواز منوا نہیں سکے ہیں۔ اور اسی بنا پر مصر کی مسیحی عدالت نے ایک مسیحی عورت کا دعویٰ

جس کے ذریعہ اس نے اپنے تنگدست شوہر سے طلاق طلب کی تھی، مسترد کرتے ہوئے یہ ریمارک دیا ہے کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ دین کے بعض علمبرداروں اور اس مجلس کے ممبروں نے ایسے اسباب کی بنا پر طلاق کو جائز قرار دیا ہے جس کی کوئی سند انجیل میں موجود نہیں ہے۔ طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کی ان پابندیوں کا نتیجہ

ان پابندیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت کے پیروکار اپنے دین سے سرکشی کر بیٹھے اور انجیل کی ہدایت سے اس طرح نکل گئے جس طرح تیرکمان سے نکل جاتا ہے اور جس کو اللہ نے جوڑا تھا اس کو جدا کر کے رہے۔ چنانچہ مسیحی مغرب نے ایسے شہری قوانین بنائے کہ ان کا اس قید دوام سے نکلنا جائز ہو گیا اور امریکہ وغیرہ بہت سے ممالک نے تو طلاق کے جواز کے معاملہ میں بالکل چھوٹ دے دی۔ گویا کہ وہ انجیل کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معمولی اسباب کی بنا پر لوگ طلاق کا ہتھیار استعمال کرنے لگے۔ اور جب اس انتہا پسندی کے نتیجہ میں ازدواجی زندگی اور خاندانی نظام میں انتشار پیدا ہوا تو ان کے عقلاء و زعماء کے نزدیک قابل شکایت قرار پایا۔ یہاں تک کہ معاملات طلاق کا ایک مشہور حج یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ عنقریب ان کے ملک سے ازدواجی زندگی ختم ہو جائے گی اور عورت مرد کے درمیان اباحت اور انارکی کی صورت میں تعلقات قائم ہوں گے۔ اور ازدواجی زندگی کی حیثیت آج تجارتی کمپنی کی ہے جس کے دونوں حصے دار معمولی اسباب کی بنا پر معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں۔ یہ صورت حال تمام مذاہب کی ہدایت کے خلاف ہے۔

طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کا منفرد رویہ

”دین کی تعلیمات سے ہٹ کر عالمی قوانین کو شہری قوانین کے مطابق ڈھالنے کی مثال غالباً مغربی مسیحیت کے سوا کہیں نہیں ملے گی۔ اہل مذاہب اپنی عالمی زندگی کو مذہبی تعلیم کے تابع رکھتے ہیں، لیکن اہل مسیحیت ہی ایک ایسی قوم ہے کہ جس نے اس سلسلہ میں اپنے دین سے انحراف کیا اور خاص طور سے طلاق کے معاملہ میں کیونکہ ان کا اپنا احساس یہ تھا کہ اس کی تعلیمات طلاق کے معاملہ میں خلاف حقیت ہیں۔ انسانی مزاج اس سے نا آشنا ہے اور انسانی زندگی پر اس کا انطباق درست نہیں۔“ ①

① حقوق الانسان فی الاسلام، از ڈاکٹر علی عبدالواحد وانی، ص ۸۸۔

### مسیحیت وقتی علاج تھا، نہ کہ شریعت عامہ

طلاق کے معاملہ میں انجیل میں جو کچھ مذکور ہے اگر وہ صحیح ہو، اور بالفرض قرون اولیٰ میں اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا گیا تھا، تب بھی یہ بات واضح ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پیش نظر دوائی اور عمومی شریعت بنانا نہ تھا جو تمام انسانوں کے لیے ہو۔ آپ کا مقصد تو یہ تھا کہ یہود نے اللہ کی بخشی ہوئی رخصتوں کے معاملہ میں جو حد سے تجاوز کیا ہے کہ انہوں نے طلاق کے معاملہ میں کیا ہے اس کی مخالفت کی جائے۔ انجیل متی میں ہے کہ جب فریسیوں نے حضرت مسیح کا امتحان لینا چاہا تو آپ سے پوچھا:

”کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے انہیں بنایا اس نے ابتداء ہی سے انہیں مرد اور عورت بنا کر کہا کہ اس سبب سے مرد باپ اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ دونوں میں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دونیں بلکہ ایک جسم ہیں اس لیے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔ انہوں نے اس سے کہا: پھر موسیٰ نے کیوں حکم دیا ہے کہ طلاق نامہ دے کر چھوڑ دی جائے؟ اس نے ان سے کہا کہ موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی مگر ابتداء سے ایسا نہ تھا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔“ ①

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طلاق کی جو اجازت دی تھی، اس میں جب یہود نے غلو کیا تو سیدنا مسیح علیہ السلام نے سزا کے طور پر طلاق ان پر حرام کر دی۔ بجز زانیہ کے۔ یہ وقتی علاج تھا جو محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور ایک ہمہ گیر اور دوائی شریعت کے ظہور تک کے لیے تھا۔

یہ بات معقول نہیں ہے کہ سیدنا مسیح طلاق کے اس حکم کو دائمی شریعت کی حیثیت دینا چاہتے تھے، کیونکہ آپ کے حواری اور مخلص تلامذہ نے خود اس حکم کو بوجھل قرار دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:

”اگر مرد کا بیوی کے ساتھ ایسا ہی حال ہے تو بیاہ کرنا ہی اچھا نہیں۔“<sup>①</sup>

کیونکہ ایسی صورت میں نکاح کرنے کا مطلب اپنی گردن میں ایسا طوق ڈال دینا ہے جس سے چھکارا کسی طرح ممکن نہیں، خواہ مرد کا دل بیوی کی طرف سے کتنا ہی متنفر ہو اور وہ اس سے کتنا ہی کبیدہ خاطر ہو، اور خواہ دونوں کے مزاج اور رجحانات میں کتنا ہی اختلاف ہو۔ طلاق کے سلسلہ میں اسلام کی قیود

اسلامی شریعت نے طلاق کے معاملہ میں متعدد قیود عائد کی ہیں، جس سے طلاق کا دائرہ محدود ہو گیا ہے۔ جن ذرائع کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں ان سے کام لیے بغیر اور بلا ضرورت طلاق دینا اسلام میں حرام اور ممنوع ہے۔ کیونکہ اس سے بیوی کے علاوہ خود شوہر کو بھی ضرر (نقصان) پہنچتا ہے اور خلاف مصلحت بھی ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں طلاق دینا اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ مال کو ضائع کرنا۔ نبی ﷺ کے ارشاد

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ))<sup>②</sup>

”نہ اپنی ذات کو ضرر پہنچاؤ اور نہ دوسروں کو۔“

کی رو سے بھی ایسی طلاق کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

رہے بہ کثرت طلاق دینے والے ذائقہ پرست، تو یہ بات نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ اس کے رسول ﷺ کو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَا أَحِبُّ الذَّوَاقِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالذَّوَاقَاتِ مِنَ النِّسَاءِ))<sup>③</sup>

”ذائقہ پرست مرد اور ذائقہ پرست عورتیں مجھے پسند نہیں ہیں۔“

① متی ۱۹: ۱۱۔

② ابن ماجہ، کتاب الاحکام: باب من بنی می حقہ ما یضری جارہ، ح: ۲۳۴۰، ۲۳۴۱۔

③ الجامع لعبد اللہ بن وہب (۶۹)۔ اسنادہ ضعیف



((إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الدَّوَاقِينَ وَلَا الدَّوَاقَاتِ)) ❶

”اللہ کو ذائقہ پرست مرد اور ذائقہ پرست عورتیں پسند نہیں ہیں۔“

اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طلاق ضرورت کو پورا کرنے ہی کی غرض سے مشروع کی گئی ہے۔

### حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے

طلاق دینے کی ضرورت پیش آنے پر کسی وقت بھی طلاق دینا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مناسب وقت کا انتظار ضروری ہے۔ اور شرعاً اس کا مناسب وقت حالت طہر ہے۔ یعنی عورت حیض اور نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ نیز اس حالت طہر میں اس نے جماعت (ہمسٹری) نہ کی ہو۔ الا یہ کہ عورت حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو۔

یہ اس لیے کہ حالت حیض اور حالت نفاس میں شوہر بیوی سے علیحدہ رہتا ہے۔ قربت سے یہ محرومی ہو سکتا ہے کہ اسے طلاق دینے پر آمادہ کرے۔ اس امکان کے پیش نظر حکم دیا گیا ہے کہ شوہر حیض کے ختم ہو جانے اور بیوی کے پاک ہو جانے کا انتظار کرے اور پاک ہو جانے پر ہاتھ لگانے (مباشرت) سے پہلے طلاق دے دے۔

جس طرح حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے اسی طرح اس حالت طہر میں بھی طلاق دینا حرام ہے جس میں وہ جماعت (ہمسٹری) کر چکا ہے۔ کیا معلوم اسے حمل ٹھہر گیا ہو۔ اور کیا عجب اگر اس حمل کا شوہر کو علم ہو جاتا تو وہ اپنی رائے بدل دیتا طلاق نہ دیتا اور جنین (ماں کے بطن میں بچہ) کی وجہ سے بیوی کی رفاقت کو پسند کرتا!

لیکن جب بیوی حالت طہر میں ہو اور شوہر نے جماعت نہ کی ہو یا حاملہ ہو اور حمل ظاہر ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی سے نفرت پختہ ہو گئی ہے اس لیے ایسی صورت میں طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عہد رسالت میں اپنی بیوی کو حالت

❶ مصنف ابن ابی شیبہ (۵/ ۲۵۲-۲۴۳)۔ طبرانی فی الاوسط (۸/ ۴۱۳) ح: ۷۸۴۴ البزار (کشف الاستار ۲/ ۱۹۲ ح ۱۴۹۷) ۱۴۹۸ اسنادہ ضعیف .

حیض میں طلاق دے دی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر نبی ﷺ نے فرمایا: ”ان سے کہو کہ رجوع کریں، پھر اگر چاہیں تو حالت طہر میں چھونے سے قبل طلاق دے دیں۔“ ❶

یہ ہے وہ عدت کے لیے طلاق، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ کہ ”اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت کے لیے طلاق دو“، یعنی جس وقت سے وہ اپنی عدت کا آغاز کر سکیں۔ اس سے مراد حالت طہر ہے۔ ❷

دوسری روایت میں ہے:

((مُرَّةٌ فَلْيَرَا جَعَهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقَهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا)) ❸

”ان سے کہو کہ رجوع کریں پھر حالت طہر یا حاملہ ہونے کی صورت میں طلاق دے دیں۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حالت حیض میں طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی طلاق مشروع نہیں فرمائی ہے اور نہ اس کی اجازت دی ہے اس لیے ایسی طلاق طلاق شرعی نہیں ہے، پھر اسے صحیح کس طرح کہا جاسکتا ہے اور وہ نافذ کس طرح ہو سکتی ہے؟

امام ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا:

((كَيْفَ تَرَى فِي رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ حَائِضًا؟ فَقَصَّ عَلَى السَّائِلِ قِصَّتَهُ حِينَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَدَّهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا)) ❹

”تمہاری رائے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دیتا ہے؟ انہوں نے خود اپنا طلاق دینے کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طلاق کو رد کر دیا تھا اور اس کو طلاق شمار نہیں کیا تھا۔“

❶ بخاری، کتاب الطلاق: باب (١) ح/ ٥٢٥٨، ٥٢٥٩.

❷ مسلم، کتاب الطلاق: باب تحریم طلاق الحائض، ح: ١٤٧١.

❸ مسلم، کتاب الطلاق: باب تحریم طلاق الحائض، ح: ١٤٧١/٥.

❹ ابو داؤد، کتاب الطلاق: باب فی طلاق السنة، ح: ٢١٨٥.

### طلاق کی قسم کھانا حرام ہے

طلاق کو قسم قرار دینا یعنی یہ قسم کھا بیٹھنا کہ فلاں کام کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں طلاق واقع ہوگی جائز نہیں۔ اس طرح اپنی بیوی کو ذرا دھمکا کر یہ کہنا بھی جائز نہیں ہے کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو تجھے طلاق ہے۔ کیونکہ اسلام میں قسم کا ایک خاص صیغہ ہے جس کے علاوہ کسی اور صیغے میں قسم کی اجازت اسلام نے نہیں دی ہے۔ یہ صیغہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ))<sup>①</sup>

”جس نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔“

((مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصُمْتُ))<sup>②</sup>

”جس کو قسم کھانا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔“

مطلقہ کو اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارنا چاہیے

اسلامی تعلیمات کی رو سے مطلقہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔ عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا اس پر حرام ہے اور خاوند کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو ناحق گھر سے باہر نکالے۔ کیونکہ دوران عدت اس بات کا امکان ہے کہ مرد رجوع کر لے جبکہ طلاق پہلی یا دوسری مرتبہ دی گئی ہو۔ ایسی صورت میں اگر بیوی گھر میں اپنے شوہر سے قریب رہے گی تو اسے شوہر کے جذبات کو آمادہ کرنے کا موقع ملے گا اور شوہر کو بھی اچھی طرح غور کرنے کا موقع ملے گا۔

عدت کا حکم رحم کی پاکیزگی، شوہر کے حق کی رعایت اور اس کی زوجیت کے احترام کی غرض سے دیا گیا ہے جبکہ دلوں کا حال یہ ہے کہ وہ بدلتے بھی رہتے ہیں۔ آدمی نئے انداز سے سوچنے بھی لگتا ہے اور غصہ ختم ہو کر آدمی راضی بھی ہو جاتا ہے۔ اور جذبات کی رو میں

① ابوداؤد، کتاب الایمان والذکر: باب کراهیة الحلف بالأبواء، ح: ۳۲۵۱۔ ترمذی، کتاب

الذکر والایمان: باب (۹)، ح: ۱۵۳۵۔

② بخاری، کتاب الشهادات: باب کیف یستحلی؟، ح: ۲۶۷۹۔ مسلم، کتاب الایمان: باب

النهی عن الحلف بغير الله، ح: ۱۶۴۶۔

بہنے والا ٹھنڈا بھی پڑ جاتا ہے۔ اور ناگوار خیال کرنے والا شخص پسند بھی کرنے لگتا ہے۔  
مطلقہ عورتوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِعَاقِبَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ۝﴾

(الطلاق: ۱/۶۵)

”اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور جو کوئی حدود اللہ سے تجاوز کرے گا وہ اپنے ہی نفس پر ظلم کرے گا۔ تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت پیدا فرمائے۔“

لیکن اگر علیحدگی ناگزیر ہو جائے تو پھر دونوں کو معروف طریقہ پر اور خوبصورتی کے ساتھ علیحدگی اختیار کرنی چاہیے۔ نہ اذیت دی جائے، نہ الزام تراشی کی جائے اور نہ حقوق تلف کیے جائیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۝﴾ (الطلاق: ۲/۶۵)

”تو بھلے طریقہ پر ان کو روک رکھو یا بھلے طریقہ پر ان سے علیحدگی اختیار کرو۔“

اور فرمایا:

﴿وَلْيَبْطَأْخَتْ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝﴾

(البقرة: ۲/۲۴۱)

”اور مطلقہ عورتوں کو معروف طریقہ پر کچھ دینا ہے۔ یہ حق ہے متقیوں پر۔“

ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ طلاق

اسلام نے مسلمان کو اختیار دیا ہے کہ وہ تین طلاقیں تین مرتبہ دے۔ اس طور سے کہ اس طہر میں جس میں اس نے مجامعت نہ کی ہو ایک طلاق دے دے اور پھر اسے اسی حال

میں چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔ اگر شوہر دورانِ عدت اسے رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے، لیکن اگر وہ رجوع نہ کرے اور عدت ختم ہو جائے تو پھر وہ نئے نکاح کے ساتھ اسے واپس لاسکتا ہے اور اگر شوہر ضرورت نہ سمجھے تو عورت دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

اگر پہلی طلاق کے بعد شوہر نے اسے دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لیا اور پھر دونوں کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے اور صلح صفائی کی صورت پیدا نہ ہو سکی، تو وہ دوسری مرتبہ طلاق دے سکتا ہے۔ اس طریقہ کے مطابق جس کا ذکر اوپر گزر چکا۔ شوہر کو اب بھی یہ اختیار رہتا ہے کہ دورانِ عدت رجوع کرے یا عدت گزر جانے پر نئے نکاح کے ساتھ اپنی زوجیت میں لے لے۔

لیکن اگر اس نے دوبارہ واپس لینے کے بعد پھر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ دونوں کے درمیان نفرت پختہ ہو گئی ہے اور موافقت کی صورت ممکن نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یعنی تیسری طلاق کے بعد شوہر کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اسے واپس لے لے۔ اب وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ ایسا نکاح جو صحیح بھی ہو اور شرعی طریقہ پر ہوا ہو، نیز فی نفہ نکاح مقصود ہو محض سابق شوہر کے لیے حلالہ کرنے کی غرض سے نہ کیا گیا ہو۔

اس طریقہ طلاق کے برخلاف جو شخص تین وقفوں کو ایک وقفہ میں جمع کر دیتا ہے اور بیک کلمہ (ایک ساتھ ہی) تین طلاقیں دے دیتا ہے وہ شرعی طریقہ کے خلاف کرتا ہے اور راہِ راست سے انحراف کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں تو غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

((أَيْلَعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ حَتَّى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أَقْتُلُهُ؟)) ❶

”کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے؟ اس حال میں کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ حتیٰ کہ ایک شخص (آپ ﷺ کی سخت برہمی کو دیکھ کر) اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟“

❶ نسائی، کتاب الطلاق: باب الثلاث المجموعۃ وما فیہ من التغلیظ: ح: ۳۴۳۰۔

معروف طریقہ پر روکے رکھنا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا

طلاق دینے کے بعد جب عدت کی مدت مکمل ہونے کو ہو تو شوہر کو دو میں سے کوئی ایک بات اختیار کرنی چاہیے:

۱۔ یا تو اسے معروف طریقہ پر روکے رکھے یعنی حسن سلوک اور اصلاح کے ارادہ سے رجوع کر لے، لڑنے اور تکلیف دینے کا ارادہ نہ ہو۔

۲۔ یا پھر معروف طریقہ پر علیحدگی اختیار کر لے یعنی عدت پوری ہونے تک اسے چھوڑے رکھے اور اس کے بعد کوئی الجھن پیدا کیے بغیر اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچاتے ہوئے نیز ادائیگی حقوق کے معاملہ میں بخل سے کام نہ لیتے ہوئے جدا ہو جائے۔

شوہر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب عدت ختم ہونے کو ہو تو اذیت دہی اور عدت کو لمبا کرنے کی غرض سے رجوع کرے اور بیوی کو ممکنہ طویل مدت تک دوسرے نکاح سے محروم رکھے۔

اہل جاہلیت اس قسم کی حرکتیں کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح عورت کو تکلیف دینا حرام ٹھہرایا ہے۔ اور یہ حرمت ایسے موثر پیرایہ میں بیان فرمائی ہے کہ دل دہل جاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَكُنَّ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرَحوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ - وَلَا تُنْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا أَلْيَتَ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا نَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾ (البقرة: ۲/۲۳۱)

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آجائے تو بھلے طریقہ سے انہیں روک لو یا بھلے طریقہ سے انہیں رخصت کر دو..... ستانے کے لیے انہیں نہ روکو کہ یہ زیادتی ہوگی۔ اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے ہی نفس پر ظلم کرے گا اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ اور اللہ کے فضل کو نہ بھولو اور اس

کتاب و حکمت (سنت) کو یاد رکھو جو اس نے تمہاری نصیحت کے لیے نازل کی ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

مطلقہ کو اپنی مرضی سے دوسرا نکاح کرنے سے روکا نہ جائے

مطلقہ کی عدت جب پوری ہو جائے تو اسے اپنی مرضی سے کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے سے روکنا، نہ سابق شوہر کے لیے جائز ہے اور نہ ولی کے لیے اور نہ ہی کسی اور شخص کے لیے۔ اور اگر منگیتراپنی منسوبہ سے معروف اور عرفی طریقہ پر باہم راضی ہو جاتے ہیں تو عورت کے اس انداز رغبت پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ بعض طلاق دینے والے مرد، عورت پر اپنا اثر باقی رکھنا چاہتے ہیں اور دوسرے نکاح کے بارے میں اسے ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں۔ یہ سب جہالت اور جاہلیت کے کام ہیں۔

اسی طرح اگر عورت اپنے سابق شوہر کے پاس واپس جانا چاہتی ہو اور معروف طریقہ پر اس واپسی کے سلسلہ میں دونوں راضی ہوں تو ولی یا گھر والوں کا اس معاملہ میں رکاوٹ پیدا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء: ۴/۱۲۸)

”اور صلح کر لینا ہی بہتر ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَعْضِلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرة: ۲/۲۳۲)

”جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم اس بات میں مزاحم نہ بنو کہ وہ اپنے (ہونے والے) شوہروں سے نکاح کر لیں؛ جبکہ وہ معروف طریقہ سے باہم نکاح کر لینے پر راضی ہو جائیں۔“

عورت کا حق جبکہ شوہر اسے پسند نہ ہو

عورت کو اگر شوہر پسند نہ ہو اور اس کے خیال میں اس کے ساتھ نباہ نہ ہو سکتا ہو، تو وہ

حق مہر واپس دے کر اپنے نفس کو چھڑا سکتی ہے۔ شوہر کی طرف سے جو مہر تحفہ وغیرہ ملا ہو اسے مفاہمت کے ذریعہ کم و بیش واپس کر کے اپنے کو زوجیت کے بندھن سے آزاد کر سکتی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ شوہر نے جو کچھ دیا تھا اس سے زیادہ واپس نہ لے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَقْبِلَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾

(البقرة: ۲/۲۲۹)

”اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ دونوں حدود الہی پر قائم نہیں رہ سکیں گے تو ان دونوں پر اس معاملہ میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔“

حدیث میں ہے:

((وَقَدْ جَاءَ سَدَامَةُ بْنُ قَيْسٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَالَتْ يَارَسُولَ اللَّهِ! ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْيَبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ وَلَكِنِّي لَا أَطِيقُهُ بُغْضًا. فَسَأَلَهَا عَمَّا أَخَذَتْ مِنْهُ، فَقَالَتْ حَدِيثَةً. فَقَالَ لَهَا أَتُرِيدِينَ عَلَيْهِ حَدِيثَتَهُ؟ قَالَتْ نَعَمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِثَابِتٍ: أَقْبِلِ الْحَدِيثَةَ وَطَلِّقْهَا طَلِيقَةً)) ❶

ثابت بن قیس کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ثابت بن قیس کے اخلاق اور دینداری میں کوئی عیب نکال نہیں چاہتی لیکن مجھے وہ پسند نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”تمہیں اس سے کیا ملا تھا؟“ اس نے کہا: باغ۔ فرمایا: ”تم اس باغ کو واپس کرنے کے لیے تیار ہو؟“ اس نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے ثابت سے کہا: ”باغ واپس لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔“

بیوی کے لیے جلد بازی سے کام لے کر شوہر سے طلاق طلب کرنا حرام ہے جبکہ اسے شوہر کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو اور نہ علیحدگی اختیار کرنے کی کوئی معقول وجہ ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

❶ بخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع، ۵۲۷۳.



((أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلْتُ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ مِنْ غَيْرِمَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَأْيُهُ الْجَنَّةَ.)) •

”جو عورت اپنے شوہر سے ایسی صورت میں طلاق طلب کرتی ہے جبکہ شوہر کی طرف سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچ رہی ہو تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔“

بیوی کو ستانا حرام ہے

بیوی کو ستانا اور اس کے ساتھ برا سلوک کرنا (اس نیت سے) تاکہ وہ فدیہ (خرچہ وغیرہ) دے کر چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مجبور ہو جائے ہرگز جائز نہیں ہے الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہو جائے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْنَهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِغَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ﴾ (النساء: ۱۹/۴)

”تم نے جو کچھ اپنی بیویوں کو دیا ہے اس کا ایک حصہ واپس لینے کی غرض سے انہیں تنگ نہ کرو الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔“

اور اگر شوہر کو بیوی پسند نہ ہو اور وہ خود اسے علیحدہ کر کے دوسری سے نکاح کا خواہشمند ہو تو ایسی صورت میں بیوی سے کچھ واپس لے لینا جائز ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذْ بِاِمْنِهِ شَيْئًا ۚ اتَّأَخَذُوْنَهُ بُهْتَائًا وَإِثْمًا مُبِينًا ۝﴾

(النساء: ۲۰/۴)

”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ارادہ کر لو اور تم نے ایک کو ڈھیروں مال دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور صریح حق تلفی کر کے اسے واپس لو گے؟“

• ابو داؤد: کتاب الطلاق: باب فی الخلع: ح: ۲۲۲۶، ترمذی: کتاب الطلاق: باب ما جاء فی المختلعات: ح: ۱۱۸۷، ابن ماجہ: کتاب الطلاق: باب کراهية الخلع للمرأة: ح: ۲۰۵۵۔

بیوی کو چھوڑنے کی قسم کھانا حرام ہے

اسلام نے حقوق نسواں کا بڑا لحاظ کیا ہے۔ اس کی ایک درخشندہ مثال یہ ہے کہ اس نے شوہر کے لیے اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنی بیوی پر غصہ ہو کر اس سے خوابگاہ میں اتنے طویل عرصہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لے جس کی عورت متحمل نہ ہو۔ شوہر جب بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے لیے چار ماہ تک کی مہلت ہے۔ ممکن ہے اس مدت میں اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے اور وہ اپنا ارادہ بدل دے۔ اگر اس نے چار ماہ گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے تعلق قائم کر لیا تو اس سے جو گناہ سرزد ہوا، اس کو اللہ معاف کر دے گا اور اس کے لیے توبہ کی قبولیت کا وسیع دروازہ کھولے گا۔ ایسی صورت میں اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر یہ مدت گزر گئی اور اس نے اپنے ارادہ سے رجوع نہیں کیا اور قسم نہیں توڑی، تو اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔ بیوی کے حقوق کی طرف سے بے اعتنائی برتنے کا یہ ٹھیک ٹھیک بدلہ ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک مذکورہ مدت کے گزر جانے پر طلاق پڑ جاتی ہے۔ قاضی یا حاکم کے فیصلہ کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور بعض فقہاء مدت گزر جانے پر حاکم کے سامنے معاملہ پیش کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ حاکم اسے دو میں سے کوئی ایک بات اختیار کرنے کا موقع دے گا۔ یا تو وہ اپنے ارادہ پر نظر ثانی کر کے اپنی بیوی کو رضا مند کر لے یا پھر طلاق دے دے۔ دو میں سے جو چیز اسے شیریں معلوم ہوا، اسے اختیار کر لے۔

بیوی سے قربت نہ کرنے کی اس قسم کو شرعی اصلاح میں ”إِبْلَاءٌ“ کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لِّلَّذِينَ يُؤْلَوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۚ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝﴾

(البقرة: ۲/۲۲۶ تا ۲۲۷)

”جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھیں ان کے لیے چار ماہ کی

مہلت ہے۔ اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا فیصلہ کر لیں تو اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

چار ماہ کی مہلت اس لیے دی گئی ہے تاکہ شوہر کو نظر ثانی کرنے اور ہوش سے کام لینے کا پورا موقع مل جائے۔ ایک عورت اپنے شوہر سے عادتاً زیادہ سے زیادہ اس عرصہ تک صبر کر سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ایک رات جب آپ سراغ رسانی کے لیے نکلے تو ایک عورت کی آواز سنی جس کا شوہر جہاد کے لیے چلا گیا تھا۔ اس کی عدم موجودگی سے متاثر ہو کر وہ بے تابانہ اشعار گنگنا رہی تھی:

”رات طویل ہو گئی اور ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ اور مجھے یہ تصور رلا رہا ہے کہ میرا خلیل میرے پاس موجود نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کھیلوں۔ قسم سے اگر اللہ کے عذاب کا ڈر نہ ہوتا تو اس چار پائی کے بازو حرکت میں آ جاتے۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ حال سن کر اپنی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ شوہر کی غیر موجودگی میں عورت کب تک صبر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: ”چار ماہ!“ اس وقت امیر المؤمنین نے یہ فیصلہ فرمایا: کسی شخص کو اس کی بیوی سے چار ماہ سے زیادہ دور نہ رکھا جائے۔“<sup>۱</sup>



① تفسیر ابن کثیر (ص: ۱۸۰) بحوالہ موطا امام مالک و محمد بن اسحاق۔ و انظر ايضاً فتوح البلدان۔ (ص: ۱۴۸)۔

## والدین اور اولاد کے باہمی تعلقات

### تحفظ نسب

اولاد باپ کا راز اس کی خصوصیات کی حامل زندگی میں اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مرنے کے بعد اس کے وجود کا تسلسل باقی رکھنے والی موت کے بعد اس کے لیے صدقہ جاریہ، اس کی یاد کا مظہر اس کے حسن و قبح اور امتیازی خصوصیات کی وارث اس کے دل کا نگرا اور جگر گوشہ ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے زنا کو حرام ٹھہرایا ہے اور نکاح کو فرض قرار دیا ہے تاکہ نسب کا تحفظ ہو اور نطفوں کا باہم اختلاط نہ ہو۔ نیز اولاد اپنے باپ کو اور باپ اپنی اولاد کو پہچان سکے۔ نکاح ہی وہ مسنون طریقہ ہے جس کی وجہ سے عورت مرد کے لیے مختص ہو جاتی ہے اور اس پر شوہر کی خیانت حرام ہو جاتی ہے۔ نکاح کی صورت میں جو بچہ بھی زوجیت کے بستر پر پیدا ہوتا ہے وہ شوہر کی اولاد کہلاتا ہے۔ اس انتساب (نسبت) کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی کہ باپ کو اعلان کرنا پڑے یا ماں کو دعویٰ کرنے کی ضرورت پیش آئے کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق

((الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ)) ❶

”بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا۔“

اپنے بیٹے کے نسب کا انکار کرنا جائز نہیں

بنابرین شوہر کے لیے جائز نہیں کہ اس کی بیوی نے اس کے بستر پر یعنی اس کے ساتھ صحیح ازدواجی رشتہ قائم ہونے کی صورت میں جس بچہ کو جنم دیا ہو اس کے نسب کا انکار

❶ بخاری، کتاب الحدود: باب للعاهر الحجر: ۶۸۱۸۔ مسلم، کتاب الرضاع: باب الولد للفراس: ۱۴۵۷۔

کرے۔ اس کا انکار کرنا بیوی دونوں بچہ کے حق میں سخت مضرت رساں اور باعثِ عار ہوگا۔ لہذا محض وہم و گمان یا افواہ کی بنا پر اس قسم کا قدم اٹھانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر ثبوت اور ناقابلِ انکار قرآن و شواہد کی بنا پر اسے یقین ہو جائے کہ بیوی نے اس کے ساتھ خیانت کی ہے تو ایسی صورت میں اسلامی شریعت بچہ کو پرورش کے لیے زبردستی ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرنا چاہتی جو اسے اپنا بچہ تسلیم نہیں کرتا اور نہ زبردستی اسے اس کا وارث ہی بنانا چاہتی ہے۔ غرضیکہ اسلامی شریعت اسے زندگی بھر کے لیے شک و شبہ میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتی۔ اس الجھن سے نکلنے کی جو شکل اس نے تجویز کی ہے۔ اسے ”لعان“ کہتے ہیں۔ لہذا جس کو اس بات پر وثوق یا غالب گمان ہو کہ اس کی بیوی نے اس کے بستر کو دوسرے کے نطفہ سے آلودہ کیا ہے اور بچہ کسی اور کے نطفہ سے ہے (لیکن اس بات پر کوئی شہادت نہ پیش کر سکتا ہو) تو ایسی صورت میں اسے اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کرنا چاہیے۔ قاضی ان کے درمیان (پورا کیس سننے کے بعد لعان کرائے گا، جس کی تفصیل قرآن کریم نے سورہ نور میں بیان کی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ٥ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ٦ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ٧ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ٨﴾ (النور: ٢٤/٩٦)

”جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (مشاہدہ کے) دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ایسے شخص کی شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ وہ اپنے الزام میں سچا ہے۔ اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے۔ اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ یہ مرد جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر (عورت پر) اللہ کا غضب ہو اگر وہ (مرد) اپنے الزام میں سچا ہے۔“

اس کے بعد ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے تفریق کر دی جائے گی اور بچہ کا الحاق ماں سے کر دیا جائے گا۔

تبنیت (لے یا لک بنانا) اسلام میں حرام ہے

جس طرح باپ کے لیے اپنی نسبی اولاد کا انکار کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح جو بچہ اس کی صلبی اولاد نہ ہو، اس کو بیٹا بنالینا بھی جائز نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب دوسری قوموں کی طرح اپنا نسب تبنیت کے ذریعہ جس شخص سے چاہتے ملاتے اور آدمی جس لڑکے کو چاہتا اپنا متبئی بیٹا بنالیتا۔ اور متبئی کے حقوق و فرائض بیٹوں ہی کی طرح ہوتے۔ یہ تبنیت اس صورت میں بھی اختیار کی جاتی جبکہ متبئی کا باپ معلوم اور اس کا نسب معروف ہوتا۔

اسلام کی جب آمد ہوئی تو عرب سماج میں تبنیت کا یہ طریقہ رائج تھا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دور جاہلیت میں متبئی بنایا تھا۔ ❶ لیکن اسلام نے اس کو ایک خلاف حقیقت جانا ہے یعنی جعلی طور پر ایک اجنبی شخص کو خاندان کا فرد بنادیا جاتا ہے اور وہ گھر کی عورتوں کے ساتھ اس طرح خلوت میں رہتا ہے گویا کہ وہ ان کا محرم ہے حالانکہ وہ ان کا محرم نہیں ہوتا اور یہ عورتیں اس کے لیے اجنبی ہوتی ہیں۔

جو شخص کسی کو متبئی بناتا ہے پھر وہ اس کو اپنا وارث بناتا ہے۔ ایسی صورت میں اصل قرابت دار وراثت کے مستحق ہونے کے باوجود اس سے محروم رہتے ہیں جس کی وجہ سے حقیقی رشتہ داروں کے دل میں منہ بولے بیٹے کے بارے میں کینہ و حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور لامحالہ اس کا نتیجہ فتنہ اور تعلقات کی خرابی کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان وجوہات و اسباب سے قرآن نے اس جاہلی نظام کو باطل اور قطعی حرام قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ ۖ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ اُدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ ۚ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَآلِيتُكُمْ ۖ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۴ تا ۵)

”اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا ہے۔ یہ تمہارے

❶ مستدرک حاکم (۲۱۳/۳) طبقات ابن سعد (۴۰۲۷/۳) الاصابة (۵۶۳/۱)

منہ سے نکلی ہوئی بات ہے، لیکن اللہ حق بات فرماتا ہے اور صحیح طریقہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اُن کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو کہ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ لیکن اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔“

قرآن کا یہ بیان کہ ”یہ تمہارے منہ سے نکلی ہوئی بات ہے“ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ خالی خولی بات ہے جس کے پیچھے کوئی خارجی حقیقت کارفرما نہیں ہے۔

فی الواقع زبان سے نکلی ہوئی بات نہ حقائق کو بدلتی ہے اور نہ واقعات و مشاہدات کو۔ محض اس سے اجنبی شخص رشتہ دار نہیں بن جاتا اور نہ منہ بولا بیٹا کسی طرح حقیقی بیٹا بن جاتا ہے۔ منہ سے نکلی بات متبئی کی رگوں میں گود لینے والے شخص کا خون نہیں دوڑا سکتی اور نہ گود لینے والے شخص کے دل میں شفقت پدری پیدا کر سکتی ہے۔ اسی طرح لڑکے کے دل میں پسری جذبات بھی نہیں پیدا کر سکتی اور نہ اس میں اس خاندان کی جسمانی، عقلی اور نفسیاتی خصوصیات پیدا کر سکتی ہے۔ اس نظام کے جملہ نقوش مثلاً وراثت، متبئی کی بیوی سے نکاح کی حرمت وغیرہ کو اسلام نے بالکل مٹا دیا۔ چنانچہ وراثت کے سلسلہ میں قرآن نے کسی ایسے تعلق کو جو نہ خون کا ہو نہ زوجیت کا ہو اور نہ ہی حقیقی قرابت کا ہو، کوئی اہمیت نہیں دی اور اس کو میراث میں حصہ دار نہیں بنایا۔

﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الانفال: ۷۵)

”اور خون کے رشتہ دار اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔“  
اور نکاح کے سلسلہ میں قرآن نے اعلان کیا کہ حقیقی بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں نہ کہ منہ بولے بیٹوں کی:

﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ (النساء: ۲۳)

”اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب (پشت) سے ہوں۔“  
لہذا گود میں لینے والے شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ متبئی کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے

نکاح کرے کیونکہ وہ حقیقتاً اجنبی شخص کی بیوی ہے اور جب متبقی نے اس کو طلاق دے دی تو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عملی شہادت کے ذریعہ تبینیت کا ابطال

یہ بات لوگوں کے لیے آسان نہ تھی کیونکہ تبینیت کا اجتماعی نظام عربوں کی زندگیوں میں گہری جڑیں گاڑ چکا تھا۔ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس کا ابطال نہ صرف قول سے بلکہ عمل سے بھی کیا جائے۔ اس اہم کام کو سرانجام دینے کے لیے نبی ﷺ کی ذات گرامی کا انتخاب عمل میں آیا، تاکہ ہر قسم کے شک و شبہ کا ازالہ ہو جائے اور مسلمان اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ کریں۔ اور انہیں یقین ہو جائے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ نے حلال ٹھہرایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جو زید بن محمد کہلاتے تھے، زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے جو نبی ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، نکاح کر لیا تھا۔ لیکن دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے اور زید اپنی بیوی کی شکایت نبی ﷺ سے کرنے لگے۔ نبی ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے اور اس کے بعد آپ ﷺ انہیں اپنی زوجیت میں لے لیں گے۔ لیکن بعض اوقات بشری کمزوری غالب آجاتی اور آپ ﷺ اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے، بلکہ زید کی شکایت سن کر کہتے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ اس موقع پر قرآن نازل ہوا اور اس نے اس قدیم نظام جاہلی کا بالکل خاتمہ کر دیا:

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لَكَ لَا يَكُونُ عَلَى السُّؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝﴾

(الاحزاب: ۳۷/۳۳)

”پھر جب زید نے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آتا ہی



چاہیے تھا۔“ ❶

### تبنیت بمعنی تربیت

یہ وہ تبنیت نہیں ہے جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ کہ تبنیت کا یہ طریقہ اختیار کر کے آدمی دوسرے کے لڑکے کو گود میں لے لیتا ہے اور اس کو اپنے نسب اور اپنے خاندان سے ملاتا ہے اور اس پر بیٹے کے احکام کا اطلاق کرتا ہے۔ مثلاً گھر کی عورتوں کے ساتھ اختلاط جائز، رشتوں کو اس پر حرام کر دینا اور میراث کا اس کو مستحق بنانا وغیرہ۔ لیکن تبنیت بمعنی تربیت ایک صورت ایسی بھی ہے جو مذکورہ قسم سے مختلف ہے۔ لوگ اس صورت کو بھی تبنیت خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ وہ تبنیت نہیں ہے جسے اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے۔ وہ یہ کہ آدمی کسی یتیم یا لاوارث بچہ کو اپنے پاس رکھ لے اور اس کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرے نیز اس کی پرورش اور تربیت اس طرح کرے گویا کہ وہ اس کا حقیقی بیٹا ہے۔ اس کو کھلانے پلانے کپڑے پہنانے اور تعلیم وغیرہ دینے کے معاملہ میں بالکل اپنے بیٹے ہی جیسا سلوک کرے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے اور نہ ہی بیٹے کے احکام کا اس پر اطلاق کرے۔ اگر ان حدود میں رہ کر معاملہ کیا جاتا ہے تو یہ ایک پسندیدہ بات ہوگی جس پر وہ اجر عظیم کا مستحق ہوگا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى وَفَرَجَ بَيْنَهُمَا)) ❷

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا، جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اور اس میں تھوڑی سی کشادگی پیدا کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی۔“

گمشدہ بچہ جو کسی کو مل جائے، یتیم ہی کے حکم میں ہے اور اس پر بدرجہ اولیٰ ابن السبیل یعنی مسافر کا اطلاق ہوتا ہے جس کا خیال (کفالت رکھنے کی اسلام نے ہدایت کی ہے۔

❶ بخاری، کتاب التفسیر، سورة الاحزاب: باب قوله (وتخفی فی نفسک.....) ح/ ۴۸۷۸

❷ ۷۴۲۰ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الاحزاب ح: ۳۲۰۷-۳۲۱۲

❸ بخاری، کتاب الطلاق: باب اللعان ح: ۵۳۰۴، ابوداؤد (۵۱۵۰)۔

لہذا جب کسی شخص کے ہاں اولاد نہ ہو اور وہ ایسے بچہ کو مالی فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ اپنی زندگی میں جس قدر چاہے ہبہ کر سکتا ہے اور اپنے فوت سے پہلے اپنے ترکہ (مال) میں سے ایک تہائی کی حد تک اس کے لیے وصیت بھی کر سکتا ہے۔  
حمل ٹھہرانے کا مصنوعی طریقہ

اسلام نے نسب کے تحفظ کا سامان بنیم کر کے اور تبیت کو حرام قرار دے کر خاندان کو غلط عناصر سے پاک رکھنا چاہا ہے۔ اس کے پیش نظر حمل ٹھہرانے کا مصنوعی طریقہ بھی حرام قرار پاتا ہے جبکہ حمل شوہر کے نطفہ کے علاوہ کسی اور کے نطفہ سے ٹھہرایا جائے۔ بلکہ ایسی صورت میں جیسا کہ استاذ محترم شیخ شلتوت نے کہا ہے، یہ قابلِ نفرت جرم ہے اور بہت بڑے گناہ کی بات ہے۔ بلکہ یہ زنا ہی کی ایک شکل ہے کیونکہ دونوں کی اصلیت ایک ہی ہے اور نتیجہ بھی ایک۔ یعنی کسی اجنبی شخص کا نطفہ رحمِ مادر میں رکھنا جبکہ دونوں کے درمیان شرعی زوجیت کا تعلق نہ ہو جس کی تائید طبعی قانون اور آسمانی شریعت کرتی ہے۔

جہاں تک اس جرم کی ظاہری شکل کا تعلق ہے، اس میں اگر قانونی سقم نہ ہوتا تو یہ زنا کے حکم میں ہوتا، جو اہلی قوانین کی رو سے ایک ایسا جرم ہے جس پر حد جاری کی جانی چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ حمل ٹھہرانے کی یہ شکل بدترین جرم ہے اور تبیت سے بھی بڑا منکر ہے کیونکہ اس طریقہ سے جو بچہ پیدا ہوگا اس میں دونوں قباحتیں جمع ہو جائیں گی ایک تو تبیت میں پائی جانے والی قباحت یعنی نسب میں غیر متعلق عنصر کو داخل کرنا اور دوسری خست یعنی زنا کا قالب اختیار کرنا جس کو نہ کوئی شریعت پسند کرتی ہے اور نہ کوئی قانون۔ یہ انسانیت کے معیار سے گری ہوئی ایک قبیح حرکت ہے اور اس سے انسان حیوانوں کے درجہ میں اتر آتا ہے جن کو سماجی روابط جیسی محترم چیزوں کا کوئی شعور نہیں ہے۔

باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے کو منسوب کرنا موجب لعنت ہے

اسلام میں جس طرح باپ کا اپنی اولاد کے نسب سے بلاوجہ انکار کرنا حرام ہے اسی طرح اولاد کا خود کو کسی دوسرے نسب کی طرف منسوب کرنا اور اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا باپ قرار دینا بھی حرام ہے۔ نبی ﷺ نے اس کا شمار بدترین منکرات (گناہوں)

میں کیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں آدمی خالق اور مخلوق دونوں کی لعنت کا مستحق بن جاتا ہے۔  
سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا)) ❶

”جس نے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کا دعویٰ کیا یا اپنے آقا کے علاوہ کسی اور آقا کا غلام ہونے کا دعویٰ کیا تو اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اللہ اس سے نہ توبہ قبول کرے گا اور نہ ہی کسی قسم کا فدیہ۔“

اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ)) ❷

”جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اس حال میں کہ وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا (حقیقی) باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔“

### اولاد کو قتل نہ کرو

اس طرح اسلام نے انساب کا تحفظ کرتے ہوئے اولاد اور والدین، دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق عائد کیے ہیں اور ان حقوق کے تحفظ کی غرض سے چند باتیں دونوں پر حرام کر دی ہیں۔ چنانچہ اولاد کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ ماں باپ کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں یا زندہ درگور کریں اولاد کو کسی طرح زندگی سے محروم کر دینے کا حق والدین کو

❶ بخاری، کتاب الفرائض: باب اثم من تبرأ من موالیه، ح: ۶۷۵۵۔ مسلم، کتاب الحج: باب فضل المدينة، ح: ۱۳۷۰۔ واللفظ لہ۔

❷ بخاری، کتاب الفرائض: باب من ادعى الى غير ابيه، ح: ۶۷۶۶۔ مسلم، کتاب الايمان: باب بيان حال ايمان من رغب عن ابيه وهو يعلم، ح: ۶۳۔

نہیں پہنچتا۔ زمانہ جاہلیت میں بعض عربوں کے ہاں اولاد زندہ درگور کرنے کا رواج بد تھا۔ اسلامی تعلیمات میں لڑکا اور لڑکی دونوں کی زندگیاں یکساں طور پر محترم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَزِدُّهُمْ وَإِلَيْكُمْ ۖ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً﴾ (الاسراء: ۱۷/۳۱)

”اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے قتل نہ کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔“

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۖ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۖ﴾ (التکویر: ۸۱/۹)

”اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟“

اس منکر کا داعیہ خواہ اقتصادی ہو یعنی مفلسی کا ڈر اور رزق کی تنگی یا کوئی غیر اقتصادی وجہ ہو مثلاً لڑکی کی پیدائش کو اپنے لیے باعث عار سمجھنا وغیرہ۔ اس وحشیانہ فعل کو بہر صورت اسلام نے شدید حرام ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ یہ فعل قتل، قطع رحمی اور کمزور نفس پر ظلم جیسے بہت زیادہ منکرات پر مشتمل ہے۔ حدیث نبوی ہے:

((سُئِلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ فَقَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ۔

قِيلَ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ)) ❶

نبی ﷺ سے کسی نے پوچھا: کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہ کہ تم اللہ کا ہمسر ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔“ پوچھا: اس کے

بعد کون سا؟ فرمایا: ”یہ کہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو اس اندیشہ سے کہ وہ تمہارے

کھانے میں شریک ہوگی۔“

نبی ﷺ نے عورتوں سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ اس جرم (قتل کرنے) کے

ارتکاب سے باز رہیں گی:

❶ بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة: باب قوله تعالى (فلا تجعلوا لله انداداً) (۴۴۸)

مسلم، کتاب الایمان: باب بیان کون الشریک اقبح الذنوب (ح: ۸۶)

﴿وَلَا يَفْتُلْنِ أَوْلَادَهُنَّ﴾ (الممتحنة: ۶۱/۱۲) ❶

”اور وہ نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔“

باپ کے اوپر بچہ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اس کا نام اچھا رکھے۔ ایسا نام نہ رکھے کہ جب وہ بڑا ہو تو اپنے نام سے اسے کوفت ہونے لگے۔ اسی طرح ایسا نام بھی نہ رکھے کہ غیر اللہ کا بندہ کہلائے جیسے عبدالنبی، عبدالمسیح وغیرہ۔ اولاد کا یہ حق بھی ہے کہ اس کی نگہداشت اور تربیت کی جائے اور اس پر خرچ کیا جائے۔ ان حقوق کی طرف سے بے اعتنائی و لاپرواہی برتتایا ان کو ضائع کرنا، جائز نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) ❷

”تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کے زیر نگینی افراد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔“

((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَفْقُوتُ)) ❸

”آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس پر جن کو کھلانے کی ذمہ داری ہے، ان کی طرف سے بے پروا ہو جائے۔“

عطا و بخشش کے معاملہ میں مساویانہ سلوک

باپ پر لازم ہے کہ بخشش کے معاملہ میں اپنی اولاد کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے تاکہ سب بچے اپنے باپ کے ساتھ نیک سلوک کر سکیں۔ بخشش کے معاملہ میں اپنی بعض اولاد کو بلا ضرورت یا کسی وجہ جواز کے بغیر ترجیح دینا، حرام ہے کیونکہ اس سے باہمی اشتعال پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں بغض و عداوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ یہ ہدایت جس طرح

❶ بخاری، کتاب التفسیر، سورة الممتحنة، ح/ ۴۸۹۱-۴۸۹۵۔ مسلم، کتاب الامارۃ: باب کیفیۃ بیعة النساء، ح/ ۱۸۶۶۔

❷ بخاری، کتاب الجمعة: باب الجمعة فی القرى والمدن، ح ۸۹۳ مسلم، کتاب الامارۃ: باب فضیلة الامر العادل، ح ۱۸۳۲۹

❸ ابوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی صلة الرحم، ح: ۱۶۹۲، واللفظ لہ۔ وهو عند مسلم فی کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقة علی العیال، ح: ۹۹۶، بلفظ آخر۔ وقد تقدم ۳۰۳۔

باپ کے لیے ہے اسی طرح ماں کے لیے بھی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((اعْدِلُوا بَيْنَ آبْنَائِكُمْ، اِعْدِلُوا بَيْنَ ابْنَائِكُمْ، اِعْدِلُوا بَيْنَ ابْنَائِكُمْ)) ❶

”اپنے بیٹوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرو، اپنے بیٹوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرو، اپنے بیٹوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرو۔“

امرواقع یہ ہے کہ صحابی رسول سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی نے خاص طور سے اپنے لڑکے نعمان بن بشیر کے لیے مالی عطیہ کا مطالبہ کیا اور اس بخشش کی توثیق کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنانے کے لیے کہا۔ سیدنا بشیر بن سعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی چاہتی ہے کہ میں اس کے بیٹے کو اپنا غلام بہہ کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے اور بھائی ہیں؟“ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: ((فَكُلُّهُمْ أَعْطِيَتْ مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَهُ؟ قَالَ لَا۔ قَالَ فَلَيْسَ يَصْلُحَ هَذَا وَإِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلَى الْحَقِّ)) ❷

”کیا تو نے اسی طرح سب کو بہہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر یہ بات درست نہیں ہے اور میں سوائے حق کے کسی اور چیز پر گواہ نہیں بنتا۔“

دوسری روایت میں ہے:

((لَا تَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ، إِنَّ لِبَيْنِكَ عَلَيْكَ مِنَ الْحَقِّ أَنْ تَعْدَلَ بَيْنَهُمْ كَمَا لَكَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ أَنْ يَبْرُوكَ)) ❸

”مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔ تمہارے بیٹوں کا تم پر حق ہے کہ ان کے ساتھ یکساں سلوک

❶ مسند احمد (۴/ ۲۷۸، ۲۷۵) ابوداؤد کتاب البیوع: باب فی الرجل یفضل بعض ولد فی التحل ح ۳۵۴۴ نسائی کتاب النحل ح: ۳۷۱۷ وهو متفق علیہ بلفظ ”اعدلوا بین اولادکم“ دون التکرار انظر الاحادیث الآتیہ۔

❷ مسلم کتاب الہبات: باب کراہیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الہبۃ ح: ۱۶۲۳۔ وهو عند البخاری فی کتاب الہبۃ: باب الہبۃ للولد ح: ۲۵۷۶، ۲۵۸۷، ۲۶۵۰ بلفظ مختلف۔

❸ ابوداؤد کتاب البیوع: باب فی الرجل یفضل بعض ولده فی التحل ح: ۳۵۴۲ رواہ مسلم فی کتاب الہبات: باب کراہیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الہبۃ ح: ۱۸، ۱۷، ۱۶۲۳ معناه۔

کرد جس طرح تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں۔“

تیسری روایت میں ہے:

((اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا فِيْ اَوْلَادِكُمْ)) ①

”تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے معاملہ میں عدل اختیار کرو۔“

امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ (اُن سے سوال کیا گیا) کیا کسی سبب کی بنا پر اپنی اولاد میں سے کسی کو ترجیح دینا جائز ہے؟ جیسے کسی لڑکے کے معذور یا حاجتمند ہونے کی بنا پر اسے ترجیح دینا۔ ”معنی“ میں ہے:

”اگر اولاد میں سے کسی کو کسی خاص وجہ سے ترجیح دی جائے مثلاً حاجتمند معذور نابینا یا کثیر العیال ہونے یا مصروفیت علم وغیرہ کی بنا پر ترجیح دی یا کسی لڑکے کو فسق اور بدعت وغیرہ میں مبتلا ہونے یا معصیت کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے بخشش سے محروم رکھا تو ایسی صورت میں امام احمد جواز کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاں تک بعض اولاد کے لیے وقف کر دینے کا تعلق ہے ضرورۃً ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر بلا ضرورت بعض اولاد کو بعض کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے تو میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں۔ رہا عطا و بخشش کا معاملہ تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔“ ②

میراث کے معاملہ میں قانون الہی کی پابندی

”اسی طرح میراث کے معاملہ میں اپنی کسی اولاد کو یا اپنی لڑکیوں کو یا اپنی غیر محبوب بیوی کی اولاد کو، میراث سے محروم کر دینا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے رشتہ دار کا میراث کے مستحق رشتہ دار کو کسی حیلہ کے ذریعہ محروم کر دینا روا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میراث کا نظام اپنے عمل، عدل اور حکمت و علم کی بنا پر مرتب فرمایا اور ہر حق دار کو اس کا حق عطا کیا ہے اور لوگوں کو قانون الہی اور شریعت کی پابندی کرنے کی ہدایت کی ہے، لہذا جو شخص اس نظام وراثت کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے رب کو الزام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میراث کے مسائل نہایت

① المغنی۔ ج ۵، ص ۶۰۔

② بخاری، کتاب الہبة: باب الاشهاد فی الہبة، ح/ ۲۵۸۷، مسلم، حوالہ سابق۔ ح: ۱۳/ ۱۶۲۳۔

تفصیل کے ساتھ مختلف تین آیتوں میں بیان فرمائے ہیں اور پہلی آیت کے خاتمہ پر فرمایا ہے:

﴿أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ

اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝﴾ (النساء: ۴/۱۱)

”تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹوں میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ فریضہ من جانب اللہ ہے۔ بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے۔“

دوسری آیت کے خاتمہ پر ارشاد فرمایا:

﴿عَيَّرَ مُضَآءٍ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾ (النساء: ۴/۱۲-۱۳)

”بغیر کسی کو ضرر پہنچائے۔ یہ اللہ کی طرف سے وصیت ہے اور اللہ علم و حلم والا ہے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے اللہ انہیں ایسے باغوں (جنتوں) میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں رواں ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے گا اسے ایسی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔“

اور تیسری آیت کے اختتام پر واضح فرمایا:

﴿يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾

(النساء: ۴/۱۷۶)

”اللہ وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ تم بھٹکو نہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔“

لہذا جو شخص میراث کے معاملہ میں شریعت کی مخالفت کرتا ہے وہ اللہ کے واضح کردہ حق (وراثت) سے منحرف ہو کر گمراہی میں جا پڑا ہے اور حدود الہی سے تجاوز کرتا ہے۔ ایسی



صورت میں اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اس وعید کا انتظار کرے:

﴿نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (النساء: ۴/۴)

”آگ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔“

والدین کے ساتھ بدسلوکی گناہ کبیرہ ہے

اولاد پر والدین کا یہ حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے، ان کی اطاعت کرے اور ان کا ہر حال میں احترام کرے۔ یہ حق درحقیقت فطرت کی آواز ہے اور اس کو بہترین طریقہ کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔ خاص طور سے ماں کے حق کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ماں نے حمل، زچگی، دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے سلسلہ میں جو مصیبتیں جھیلی ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا

وَحَمَلُهُ وَفَصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف: ۱۵/۴۶)

”ہم نے انسان کو (سخت) تاکید کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر اس کو جنم دیا۔ اس کا حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔“

ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا:

((مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ أُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ

أُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أَبُوكَ)) ❶

”لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ

نے فرمایا: ”تمہاری ماں۔“ اس نے کہا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: ”تمہاری

ماں۔“ اس نے کہا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: ”تمہاری ماں۔“ اس نے کہا: اس

کے بعد کون؟ فرمایا: ”تمہارا باپ۔“

❶ بخاری، کتاب الادب: باب من احق الناس بحسن الصحبة، ح/ ۵۹۷۱، مسلم، کتاب

البر والصلة: باب بر الوالدین، ح/ ۲۵۴۸۔

آپ ﷺ نے والدین کے ساتھ بدسلوکی کو کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ یعنی شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ یہی ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے:

((أَلَا أُنبِئُكُمْ بِكَبِيرِ الْكِبَائِرِ ثَلَاثًا. قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: الْأَشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَكِنًا فَجَلَسَ فَقَالَ: أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ شَهَادَةُ وَالزُّورِ)) ❶

”کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ کون سے ہیں؟“ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ صحابہ نے عرض کیا: ضرور بتائیے اے اللہ کے رسول! فرمایا: ”کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا“ والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ ﷺ ایک لگائے ہوئے تھے کہ اٹھ بیٹھے اور فرمایا: سنو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی۔“

نیز فرمایا:

((كُلُّ الذُّنُوبِ يُؤَخِّرُ اللَّهُ مِنْهَا مَا شَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ إِلَّا عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ فَإِنَّ اللَّهَ يُعَجِّلُهُ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ)) ❷

”اللہ جن گناہوں کو چاہتا ہے قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیتا ہے سوائے والدین کے ساتھ قطع تعلق کے“ کہ اللہ اس کا بدلہ موت سے پہلے اس زندگی ہی میں دے دیتا ہے۔“

والدین جب بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی آپ ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے، کیونکہ اس وقت وہ کمزور ہو چکے ہوتے ہیں اور نسبتاً جوانی کے ان کا زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے ہدایت کی ہے:

❶ بخاری، کتاب الادب، باب حقوق الوالدین من الکبائر، ح/ ۵۹۷۷۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر و اکبرها، ح/ ۸۷۔

❷ مستدرک حاکم (۱۵۶/۴) و اسنادہ ضعیف فیہ بکار بن عبدالعزیز و هو ضعیف قالہ الذہبی۔

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَبُلُغَنَّ  
عِنْدَكَ الْبِكْرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَوْ لَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ  
لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝﴾ (الاسراء: ۲۳-۲۴)

”تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو نہ انہیں اف کہو اور نہ ہی جھڑکو۔ بلکہ ان سے شریفانہ (لہجہ میں) بات کہو۔ اور ان کے لیے رحمہلی کے ساتھ پستی کے بازو جھکائے رہو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا تھا۔“

والدین کو گالیاں دلوانا کبار میں سے ہے

والدین کو لعنت ملامت کرنا، یعنی اس کا سبب بننا، نہ صرف حرام بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔  
ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكِبَايِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ فَاسْتَغْرَبَ الْقَوْمُ  
أَنْ يَلْعَنَ رَجُلٌ عَاقِلٌ مُؤْمِنٌ وَالِدَيْهِ وَهُمَا سَبَبُ حَيَاتِهِ، فَقَالُوا  
وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ يَسُبُّ الرَّجُلُ فَيَسُبُّ أَبَاهُ  
وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ)) ❶

کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو (خود) لعنت ملامت کرے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایک عقلمند مؤمن آدمی کس طرح اپنے والدین کو لعنت ملامت کر سکتا ہے جبکہ اسے زندگی ان ہی کے ذریعہ ملی ہے! چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ آدمی اپنے والدین کو کس طرح لعنت ملامت کر سکتا ہے؟

❶ بخاری، کتاب الادب: باب لا یسب الرجل والدیہ ح: ۵۹۷۳۔ مسلم، کتاب الایمان: باب الکبائر و اکبرها، ح: ۹۰۔

فرمایا ”آدمی کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ جواب میں اس کے باپ کو گالی دیتا ہے وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے اور یہ جواب میں اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔“  
تو اندازہ کیجئے اس شخص کے گناہ کا کیا انجام ہوگا جو اپنے ماں باپ کو خود دُوبد گالی دیتا ہے!  
والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جانا

چونکہ اسلام والدین کی رضا مندی کا بے حد خواہاں ہے اس لیے اس نے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد (جیسے اہم فریضہ) کے لیے نکلنا جبکہ جہاد تطوع کے طور پر ہو یعنی فرض عین نہ ہو حرام ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس کا نعم البدل نہ رات بھر کی عبادت ہو سکتی ہے اور نہ دن بھر کا روزہ۔ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ أَحَىٰ  
وَالِدَاكَ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ)) ①

ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے جہاد کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”تمہارے والدین حیات میں ہیں؟“  
اس نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تو پھر ان ہی میں جہاد کرو۔“

یعنی والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ نیک سلوک کو میدان جہاد بنالو۔  
اسی طرح ایک شخص کو جو ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تھا،  
آپ نے فرمایا:

((اَقْتَبَتْنِي الْاَجْرَ مِنَ اللَّهِ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَارْجِعْ اِلَى وَالِدَيْكَ  
فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا)) ②

”کیا تم اللہ سے اجر کے طالب ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: ”تو اپنے والدین کے پاس واپس چلے جاؤ اور ان کی اچھی طرح خدمت کرو۔“

① بخاری، کتاب الجہاد: باب الجہاد باذن الابوين، ح: ۳۰۰۴۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ: باب بر الوالدین، ۲۵۴۹۔  
② مسلم، حوالہ سابق ح ۶/۲۵۴۹۔

ایک اور شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں ہجرت پر آپ ﷺ سے بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اور والدین کو اس حال میں چھوڑ آیا ہوں کہ وہ رورہے تھے۔ فرمایا:

((ارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَاصْحِحْهُمَا كَمَا أَبَكَيْتَهُمَا)) ❶

”اپنے والدین کے پاس واپس چلے جاؤ اور جس طرح انہیں رُلا یا ہے اسی طرح انہیں ہنساؤ۔“

اسی طرح یمن سے ایک شخص ہجرت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ والدین کی اجازت سے آیا ہے۔ اس نے جب نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَاسْتَأْذِنْهُمَا فَإِنْ أَذْنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَلَا فِرَّهُمَا)) ❷

”ان کے پاس واپس چلے جاؤ اور ان سے اجازت طلب کرو۔ اگر وہ اجازت دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کی خدمت میں لگے رہو۔“

### مشرک والدین

والدین کے معاملہ میں اسلام نے نہایت اعلیٰ تعلیم دی ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کو بہر صورت حرام ٹھہرایا ہے۔ یہاں تک کہ اگر والدین مشرک و کافر ہی کیوں نہ ہوں اور شرک کے داعی بن کر اپنے بیٹے کو دین اسلام سے پھیرنے کے لیے دباؤ ڈالیں، تب بھی ان کے ساتھ کسی طرح بھی بدسلوکی کرنا روا نہیں ہے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿إِنْ أَشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِتِيَ الْبَصِيرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۚ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝﴾ (لقمان: ۱۴-۱۵)

❶ ابوداؤد، کتاب الجہاد: باب فی الرجل یغزو وابیواہ کارہان، ح/ ۲۵۲۸۔ نسائی، کتاب البیعة:

باب البیعة علی الهجرة، ح/ ۴۱۶۸۔ ابن ماجہ، کتاب الجہاد: باب الرجل یغزو ولہ ابوان، ح/ ۲۷۸۲۔

❷ ابوداؤد، کتاب الجہاد: باب فی الرجل یغزو وابیواہ کارہان، ح/ ۲۵۳۰

”میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی علمی دلیل نہیں ہے تو ان کی بات نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر۔ اور اتباع کرو اس شخص کے راستہ کی کہ جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو؟“

مذکورہ آیات میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ شرک کے معاملہ میں اپنے والدین کی اطاعت نہ کریں کہ خالق کی معصیت کے معاملہ میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، اور شرک سے بڑھ کر معصیت اور کیا ہو سکتی ہے؟ البتہ دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس طور سے کہ کوئی مسلمان ایمان کے معاملہ میں ان کی رائے سے متاثر نہ ہو بلکہ مومنین صالحین کی راہ کی اتباع کرے اور اس کے والدین کے درمیان دین کا جو اختلاف ہے اس کا فیصلہ احکم الحاکمین پر چھوڑ دے اس دن کے لیے جب نہ باپ بیٹے کے کچھ کام آسکے گا اور نہ بیٹا باپ کے۔

رواداری کی اس اعلیٰ تعلیم کی مثال آپ کو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتی!





پیشہ و روایات کے حلال و حرام کے  
معیار کی وضاحت کے حوالہ کے طور پر



اعتقاد و تقلید

معاملات

کھیل اور تفریح

اجتماعی روابط

غیر مسلموں سے تعلقات

دورِ حاضر میں حلال و حرام کے تقاضے

## اعتماد و تقلید

صحیح اسلامی عقیدہ کسی بھی معاشرہ کی اساس ہوتا ہے اور توحید اس عقیدہ کا جوہر اور پورے دین کی روح ہوتی ہے۔ صحیح عقیدہ اور توحید خالص کا تحفظ وہ اولین مقصد ہے جس کو اسلام نے اپنی تشریع و تعلیم میں ہر جگہ پیش نظر رکھا ہے۔ ساتھ ہی ان جاہلی عقائد و بدعات کی مخالفت بھی ضروری ہے جن کو بت پرستوں نے رائج کر رکھا ہے تاکہ مسلم معاشرہ کو شرک کی آلائشوں اور گمراہی کے اثرات سے پاک رکھا جاسکے۔

### سنن الہی کا احترام

اولین عقیدہ جس کو اسلام اپنے فرزندوں کے دلوں میں راسخ کرتا ہے یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کا نظام جس کی زمین کے اوپر اور جس کے آسمان کے نیچے انسان زندگی بسر کرتا ہے کوئی انکل پچو کی چیز نہیں ہے جو بغیر رہنمائی کے چل رہا ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی مخلوق کی خواہش کے مطابق چلے کیونکہ خواہشات باہم متناقض ہوتی ہیں:

﴿وَلَوْ أَتَّبَعَ الْخَلْقُ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾

(المؤمنون: ۲۳/۷۱)

”اگر حق اُن کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور جو ان میں ہیں، سب درہم برہم ہو جاتے۔“

امروا قیوں ہے کہ یہ کائنات قوانین قدرت اور سنن الہی سے مربوط و منسلک ہے جن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں جیسا کہ قرآن نے متعدد مقامات پر واضح کیا ہے:

﴿وَكُنْ تَعْدِلْ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝﴾ (الفاطر: ۳۵/۴۳)

”تم اللہ کی سنت (طریقہ) میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔“

کتاب و سنت کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان ان سنتوں کا احترام کریں اور اسباب کے ذریعہ



نتائج کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو نتائج کے ساتھ مربوط کر رکھا ہے۔ اور ان مزعومہ خفیہ اسباب کی طرف مطلق توجہ نہ کریں جن کو عبادت گاہوں کے مجاور پیشہ ورانہ مکرو فریب اور مذہب کی دوکان چلانے والے مقصد براری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

اوہام و خرافات کے خلاف جنگ

جب نبی ﷺ بعثت ہوئی تو سوسائٹی میں فریب کاروں (شعبہ بازوں) کا ایک گروہ موجود تھا جنہیں کاہن یا نجومی کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ غیب کی سابقہ یا آئندہ ہونے والی باتیں جنات کے ذریعہ جاننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس دجل و فریب کے خلاف جس کو علم و ہدایت اور کتاب الہی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے اعلان جنگ کیا اور ان فریب کاروں اللہ کا کلام سنایا:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (النمل: ۲۷/۶۵)

”کہو اللہ کے سوا زمین اور آسمانوں میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔“

درحقیقت غیب کا علم نہ فرشتے رکھتے ہیں نہ جن اور نہ انسان۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کا یہ فرمان سنایا:

﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْبَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الاعراف: ۷/۱۸۸)

”اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بڑے فوائد جمع کر لیتا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچتا۔ میں تو بس خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔“

اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے جنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا:

﴿أَنْ لَّوْكَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا كُنْتُمْ فِي الْعَذَابِ الْمُبِينِ﴾

(النبأ: ۲۴/۱۴)

”اگر وہ غیب کے جا۔ نہ والے ہوتے تو اس رسوا کن عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔“

لہذا جو شخص اس بارت کا دعویدار ہو کہ حقیقتاً اسے غیب کا علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کو، لوگوں اور حقیقت میں خود کو فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو خیال کر رہا تھا کہ آپ ﷺ بھی علم غیب کے دعویدار ہوں گے، اس لیے ان لوگوں نے اپنے ہاتھ میں کوئی چیز چھپائی اور آپ ﷺ سے پوچھا: بتلائیے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے واضح طور سے فرمایا: ”میں کاہن نہیں ہوں، کاہن، کہانت اور کہانت کرنے والے سب آگ میں ہوں گے۔“ ❶

کاہنوں کی تصدیق کرنا کفر ہے

اسلام نے کاہنوں اور دجالوں کی مخالفت ہی نہیں کی، بلکہ ان لوگوں کو بھی برابر گناہ میں شریک ٹھہرایا جو ان کے پاس جا کر سوالات کرتے اور ان کے اوہام اور گمراہ کن باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا)) ❷

”جو شخص نجومی کے پاس گیا اور سوالات کئے، پھر اس کی باتوں کی تصدیق کی اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی۔“

نیز فرمایا:

((مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ)) ❸

”جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ ہدایت سے کفر کیا۔“

کفر اس وجہ سے کہ نبی ﷺ پر ہدایت نازل کی گئی ہے کہ غیب اللہ وحدہ ہی کے لیے

❶ اخرجه ابو نعیم فی دلائل النبوة (۷۸۱ ح: ۱۹۰) کما فی المنثور (۷۷۶) وزاد السيوطی و السلفی فی الطیوريات و قال فی (۳۳۴-۵) الحکیم الترمذی (۴۲۱۱) بدون السند عن ابن عباس ولفظه ”انما يفعل هذا بالکاهن والکهانة ولتکن فی النار“ و فی اسنادہ ابی نعیم: الحکم بن ظهير هو متروک رمی بالرفض والتهمة ابن معین (التقريب: ص: ۷۹).

❷ مسلم، کتاب السلام: باب تحریم الکهانة واتیان الکهان، ح: ۲۲۳۰.

❸ مسند البزار (کشف: ۳۰۴۵) ونحوه فی مسند احمد (۲/ ۴۲۹)۔ ابوداود (۳۹۰۴) ترمذی (۱۳۵) ابن ماجه (۶۳۹).

ہے حتیٰ کہ محمد (ﷺ) کو بھی غیب کا علم نہیں ہے (مگر جو بذریعہ بتا دیا جائے) اور کسی اور کو تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہے۔

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ  
إِنِّي مَلَائِكَةٌ إِنِ اتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ (الانعام: ۵۰/۶)

”کہو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ ہی تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر کی جاتی ہے۔“

قرآن کی اس صریح اور واضح ترین حقیقت کو جاننے کے باوجود اگر ایک مسلمان اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ، بعوذ باللہ بعض لوگ پردہ غیب کو ہٹا کر تقدیر کو براہ راست دیکھ سکتے ہیں اور غیب کے راز ہائے سر بستہ معلوم کر سکتے ہیں تو وہ اس ہدایت کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ جو رسول اللہ (ﷺ) پر نازل ہوئی ہے۔

پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنا

پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنا، جس مصلحت سے حرام کر دیا گیا ہے اس کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

پانے یعنی قسمت کے تیر جن کو عرب زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال معلوم کرنے کی غرض سے استعمال کرتے تھے کہ ایک تیر پر یہ عبارت کندہ ہوتی..... ”میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔“..... اور دوسرے پر ہوتی..... ”میرے رب نے مجھے منع کیا۔“ اور تیسرا تیر سادہ ہوتا۔ جب سفر یا شادی وغیرہ کا ارادہ کر لیتے تو بتوں کے پاس جا کر پانسوں کے ذریعہ قسمت کا لکھا معلوم کرنا چاہتے۔ اگر حکم دینے والا تیر نکل آتا تو اس کام کے لیے قدم اٹھاتے اور اگر ممانعت والا تیر نکل آتا تو رک جاتے اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو پھر۔ سے قرعہ اندازی کرتے یہاں تک کہ امر یا نہی والا تیر نکل آتا۔

ہماری سوسائٹی میں اس سے ملتی جلتی چیزیں یہ ہیں: رُل، کوڑیاں، کتاب کھول کر فال نکالنا، تاش کے پتے اور فنجان (پیالی) پڑھنا، اس قسم کی تمام چیزیں اسلام میں حرام اور منکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْوَاجِ عَلَيْكُمْ فَسُقُ﴾ (المائدة: ۳/۵)

”اور یہ کہ تم پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرو کہ یہ فسق ہے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَنْ يَنَالَ الدَّرَجَاتِ الْعُلَى مَنْ تَكْهَنَ أَوْ اسْتَقْسَمَ أَوْ رَجَعَ مِنْ سَفَرٍ تَطْيَرًا)) ❶

”وہ شخص بلند درجات کو نہیں پہنچ سکتا جو کہانت کرے یا پانسوں کے ذریعہ قسمت کا حال معلوم کرے یا بدشگونی کی وجہ سے سفر سے واپس لوٹ آئے۔“

جادو

اسلام جادو کا بھی سخت مخالف ہے۔ جو لوگ جادو سیکھتے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ (البقرة: ۱۰۲/۲)

”مگر وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو ان کے حق میں مفید نہیں بلکہ مضر تھی۔“

نبی ﷺ نے جادو کا شمار مہلک اور کبیرہ گناہوں میں کیا ہے ❷ جو افراد ہی کو نہیں بلکہ قوموں کو بھی ہلاک کر دیتا ہے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں تباہی کا سبب بنتا ہے۔ بعض فقہاء نے سحر کو کفر یا موجب کفر قرار دیا ہے۔ اور بعض فقہاء کے نزدیک جادو گر کا قتل واجب ہے تاکہ سماج کو اس کے شر سے پاک کیا جاسکے۔

قرآن کریم نے جادو گروں کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے:

﴿وَمَنْ شَرَّ النَّفْثِ فِي الْعُقَدِ﴾ (الفلق: ۴/۱۱۳)

”اور پناہ مانگتا ہوں میں گرہوں میں پھونکنے والوں (نفوس) کے شر سے۔“

❶ طبرانی فی الاوسط (ح: ۲۶۸۴) بیہقی فی شعب الایمان (۱۰۷۳۹)

❷ بخاری کتاب الطب: باب الشرك والسحر من الموفیات ح: ۵۷۶۴۔ مسلم کتاب الایمان:

باب الکبائر و اکبرها ح/ ۸۹۔

گر ہوں میں پھونکنا، جادو کے طریقوں اور اس کی علامات میں سے ہے۔

حدیث میں ہے:

((مَنْ نَفَثَ فِي عُقْدَةٍ فَقَدْ سَحَرَ وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ)) ❶

”جس نے گرہ میں پھونکا اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا وہ شرک کا مرتکب ہوا۔“

اسلام نے جس طرح نجومی کے پاس غیب اور راز کی باتیں معلوم کرنے کی غرض سے جانا حرام ٹھہرایا ہے اسی طرح جادو سیکھنے یا جادوگروں کے پاس کسی مرض کے علاج یا کسی مشکل کو حل کرنے کے لیے، جانا بھی حرام قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنی (مکمل) برأت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطَيِّرَ لَهُ أَوْ تَكْهَنَ أَوْ تُكْهَنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ)) ❷

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو برا شگون لے یا جس کے لیے برا شگون لیا جائے یا جو

کہانت کرے یا جس کے لیے کہانت کی جائے یا جو جادو کرے یا جو جادو کرائے۔“

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے جوشی، ساحر یا کاہن کے پاس جا کر سوالات کیے اور اس کی باتوں کو سچ مانا، اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ ہدایت سے کفر کیا۔ ❸

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُدٌّ مِنْ خَمْرٍ وَلَا مُؤْمِنٌ بِسِحْرِ وَلَا قَاطِعُ رَجِيمٍ)) ❹

”جنت میں عادی شرابی داخل نہ ہوگا اور نہ جادو پر اعتقاد رکھنے والا اور نہ ہی

❶ نسائی، کتاب تحریم الام: باب الحکم فی السحرة: ح: ۴۰۸۴۔ واسنادہ ضعیف۔

❷ مسند البزار (۳۵۷۸)

❸ طبرانی فی الکبیر (۱۰/۷۶ ح/ ۱۰۰۰۵) و فی الاوسط (۱۴۷۶) مسند البزار (۲۰۶۷) مسند ابی یعلیٰ (۵۴۰۸)۔

❹ صحیح ابن حبان (موارد۔ ۱۳۸۱)۔ (الاحسان/ ۷/ ۶۴۸) مسند احمد (۴/ ۳۹۹) مستدرک حاکم (۴/ ۱۴۶)

قطع رحمی کرنے والا۔“

یہ حرمت صرف جادو گر ہی کی حد تک نہیں ہے بلکہ اس میں جادو پر اعتقاد رکھنے والے اس کی حوصلہ افزائی کرنے والے اور جادو گر کی باتوں کو صحیح سمجھنے والے بھی شامل ہیں۔ اور یہ حرمت اس صورت میں مزید بڑھ جاتی ہے جبکہ جادو کا استعمال ایسے اغراض کے لیے ہو جو فی نفسہ حرام ہیں مثلاً میاں بیوی کے درمیان تفریق پیدا کرنے یا کسی کو جسمانی نقصان پہنچانے وغیرہ کے لیے ہو۔

تعویذ باندھنا

اسی قسم کی ایک چیز تعویذ اور منکے وغیرہ بھی ہیں جو بیماری سے شفاء یابی یا تحفظ کے اعتقاد سے باندھے جاتے ہیں۔ بیسویں صدی میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے دروازہ پر گھوڑے کا نعل لگاتے ہیں۔ اور آج دنیا کے مختلف گوشوں میں گمراہ کرنے والوں کی بھی کمی نہیں جو عوام کی جہالت اور بد عقیدگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں تعویذ لکھ لکھ کر دیتے ہیں۔ ان تعویذوں میں لکیریں اور طلسم ہوتے ہیں اور گنڈوں پر قسمیں کھا کر اور منتر پڑھ کر پھونکتے ہیں اور اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ تعویذ گنڈا باندھنے والوں پر کبھی جنوں کا اثر نہیں ہوگا اور وہ آسیب، نظر بد اور حسد وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔

جہاں تک انسانی تحفظ اور علاج کا تعلق ہے تو اس کے کچھ معروف طریقے ہیں جن کو اسلام نے جائز ٹھہرایا ہے لیکن ان معروف طریقوں کو چھوڑ کر گمراہ دجالوں کے طریقوں کو اختیار کرنا، اسلام کے نزدیک سخت منکر (گناہ) ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((تَدَاوُوا فَإِنَّ الَّذِي خَلَقَ الدَّاءَ خَلَقَ الدَّوَاءَ)) ❶

”علاج کرو کیونکہ جس نے بیماری پیدا کی ہے اسی نے دواء بھی پیدا کی ہے۔“

نیز فرمایا:

((أَنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَدْوِيَّتِكُمْ خَيْرٌ فَفِي هَذِهِ الثَّلَاثَةِ: شُرْبَةُ

عَسَلٍ أَوْ شَرْطَقَةٍ مُحَجَّمٍ أَوْ كَيْفَ بِنَارٍ)) ❷

❶ مسند احمد (۱۵۶/۳)۔

❷ بخاری، کتاب الطب: باب الدواء بالعسل، ح: ۵۶۸۳۔ مسلم، کتاب السلام: باب لكل داء دواء، ح: ۲۲۰۵۔

”تمہاری ان دواؤں میں مفید تین چیزیں ہیں، شہید پینا، کچھنے لگوانا اور آگ سے داغ دینا۔“

ان تین چیزوں کی اسپرٹ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ان پر قیاس کرتے ہوئے موجودہ دور کے علاج کے یہ طریقے جائز قرار پاتے ہیں:

دوا پینا۔ آپریشن کے ذریعہ علاج۔ داغ کے ذریعہ علاج جس میں الیکٹرک شاک کے ذریعہ علاج کرنا بھی شامل ہے۔

رہا علاج یا تحفظ کے لیے تعویذ اور منکے وغیرہ باندھنا، یا طلسمی منتر پڑھنا، تو یہ جہالت اور گمراہی ہے جو سنن الہی کے خلاف اور توحید کے منافی ہے۔ سیدنا عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ دس افراد پر مشتمل ایک قافلہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان میں سے نو افراد سے بیعت کی لیکن ایک شخص سے بیعت نہیں کی۔ اُن کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ فِي عَصْذِهِ تَمِيمَةً، فَقَطَعَ الرَّجُلُ التَّمِيمَةَ فَبَايَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ مَنْ عَلَّقَ فَقَدْ أَشْرَكَ)) ❶

”اس کے بازو میں تعویذ بندا ہے۔ جب اس شخص نے تعویذ کاٹ ڈالا تو آپ ﷺ نے بیعت کی اور فرمایا: ”جس نے تعویذ باندھا اس نے شرک کیا۔“

دوسری حدیث میں ہے:

((مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا آتَمَ اللَّهُ لَهُ، وَمَنْ عَلَّقَ وَدَعَا فَلَا أَوْدَعَ اللَّهُ لَهُ)) ❷

”جس نے تعویذ باندھا اللہ اس کو کامیاب نہ کرے اور جس نے منکے باندھے اللہ اسے سکون نصیب نہ کرے۔“

سیدنا عمران بن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے بازو میں پیتل کا

❶ مسند احمد (۱۵۶/۴)۔ مستدرک حاکم (۲۱۹/۴)۔ طبرانی فی الکبیر (۱۷/۸۸۵)۔

❷ مسند احمد (۱۵۴/۴)۔ مستدرک حاکم (۲۱۶/۴)۔ مسند ابی یعلیٰ (۹۸/۲)۔ واسنادہ ضعیف۔

کڑا دیکھا تو فرمایا: ”فسوس تم پر یہ کیا ہے؟“ اس نے کہا: یہ کمزوری کو دور کرنے کے لیے پہنا ہے۔ فرمایا: ”یہ تمہاری کمزوری میں مزید اضافہ کرے گا۔ اسے نکال کر پھینک دو ورنہ اگر تمہاری موت اسی حالت میں ہوگی تو تم ہرگز فلاح نہ پاسکو گے۔“ ❶

ان واضح تعلیمات نے اصحاب رسول ﷺ پر اس قدر گہرا اثر ڈالا تھا کہ وہ اس قسم کی گمراہیوں سے بہت دور رہے اور ان بے حقیقت چیزوں کو انہوں نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ عیسیٰ بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن حکیم کے پاس گیا، وہاں حمزہ موجود تھے۔ میں نے کہا: ”آپ تعویذ نہیں باندھتے؟“ انہوں نے کہا: اس سے اللہ کی پناہ! اور ایک دوسری روایت میں ہے ”موت اس سے قریب تر ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ عَلَّقَ شَيْئًا وَكُلَّ إِلَيْهِ)) ❷

”جو شخص (اپنے گلے میں) کوئی چیز لٹکائی اس کو اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا۔“ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کے گلے میں گنڈا بندھا ہوا دیکھا تو اسے کھینچ کر کاٹ ڈالا اور فرمایا: ”آل عبد اللہ شرک سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔“ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إِنَّ الرُّفَى وَالتَّمَائِمَ وَالتَّوَلَّةَ شِرْكٌ)) ❸

”منتر، تعویذ اور تولہ سب شرک ہیں۔“

”تولہ“ ایک قسم کا جادو ہی ہے۔ اور اس طریقہ کو عورتیں اپنے شوہروں کی نظروں میں محبوب بننے کے لیے اختیار کرتی ہیں۔ علماء کہتے ہیں: ممنوع منتر وہ ہیں جو عربی میں نہ ہوں بلکہ کسی اور زبان میں ہوں اور زبان کی مغائر (اختلاف) کی وجہ سے ان کے معنی معلوم نہ ہوں۔ ایسے منتروں میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ جادو یا کفر کے قسم کی کوئی بات ہو۔

❶ مسند احمد (۴/۴۴۵) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۷/۶۲۸)۔ ابن ماجہ، کتاب الطب: باب تعليق التمام ح/۳۴۳۱۔ واستادہ ضعیف۔

❷ ترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی کراهیة التعليق، ح: ۲۰۷۲۔

❸ صحیح ابن حبان (الاحسان: ۶۳۰۷) مستدرک حاکم: (۴/۲۱۷، ۲۱۸-۴۱۸) وهو عند ابی داود و ابن ماجہ ی سننهما، وانظر الحديث الآتی۔



لیکن اگر اس کے معنی سمجھ میں آجائیں اور اس میں اللہ کا ذکر ہو تو وہ مستحب ہے۔ ایسے منتر اللہ سے دعا اور اس سے امید کے مترادف ہوتے ہیں ان کی حیثیت علاج یا دواء کی نہیں ہوتی۔ البتہ اہل جاہلیت کے منتر جادو، شرک اور طلسم سے مرکب ہوتے تھے اور معنی مفہوم سے یکسر خالی ہوتے تھے۔

روایت میں ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو ان جاہلی منتروں سے منع کیا تو اس نے یہ واقعہ سنایا: ”ایک روز میں باہر نکلی تو مجھے فلاں شخص نے دیکھ لیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ جب میں منتر پڑھتی ہوں تو آنسو رک جاتے ہیں اور جب منتر پڑھنا ترک کرتی ہوں تو آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔“ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”وہ شیطان ہے جب تم اس کی بات مانتی ہو تو وہ تمہیں چھوڑ دیتا ہے اور جب اس کی بات نہیں مانتی ہو تو وہ اپنی انگلی تمہاری آنکھوں میں چبھوتا ہے لیکن اگر تم وہی کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور امید ہے کہ تمہیں شفاء حاصل ہوگی۔ اپنی آنکھوں میں پانی چھڑکو اور یہ کلمات کہو:

((أَذْهَبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ، اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا)) ❶

”اے تمام انسانوں کے رب! تکلیف کو دور فرما! اور شفا یاب کر! کہ تو ہی شفاء دینے والا ہے، کوئی شفاء نہیں بجز تیری شفاء کے، ایسی شفاء عطا فرما کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے۔“

### بدشگونی

بدشگونی، کسی جگہ وقت یا اشخاص وغیرہ سے لی جاتی ہے۔ یہ ان اوہام میں سے ہے جن کا رواج قدیم جاہلی زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم نے اُن سے کہا تھا:

((قَالُوا طَلَبْنَا بِكَ وَبِئْسَ مَعَكَ)) (النمل: ۲۷/۴۷)

”ہمارے خیال میں تو تم اور تمہارے ساتھی شگون بد ہیں۔“

❶ ابو داود، کتاب الطب، باب فی تعلیق التمام، ح: ۳۸۸۳، ابن ماجہ، کتاب الطب، باب تعلیق التمام، ح: ۳۵۳۰۔

اور فرعون اور اس کی قوم پر جب کوئی مصیبت آتی تو بدشگونی لیتے چنانچہ فرمایا:

﴿يَطْيَرُوا بِمُؤْنِي وَمَنْ مَعَهُ﴾ (الاعراف: ۷/ ۱۳۱)

”وہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔“

اکثر کفار جو گمراہی میں مبتلا رہے ہیں کسی مصیبت کے نازل ہو جانے پر یہی کہتے رہے ہیں:

﴿إِنَّا لَطَّيْرُ نَا يَكْمُ﴾ (یس: ۳۶/ ۱۸)

”ہم تمہیں اپنے لیے شگون بد سمجھتے ہیں۔“

اور ہمیشہ اس کا جواب انبیاء علیہم السلام یہ دیتے رہے:

﴿طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ﴾ (یس: ۳۶/ ۱۹)

”تمہاری بدشگونی تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔“

یعنی تمہاری مصیبت کا سبب تمہارے ساتھ لگا ہوا ہے اور وہ تمہارا کفر و عناد اور تمہاری سرکشی ہے۔

بدشگونی کے بارے میں قدیم زمانہ جاہلیت میں عربوں کے عقائد مختلف تھے لیکن اسلام

نے ان کو باطل قرار دے کر لوگوں کو عقلیت (Rationality) کی راہ پر لگایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطْيَرُ أَوْ تُطْيِرُ لَهُ أَوْ تُكْهِنُ لَهُ أَوْ سَحَرُ أَوْ سُحِرَ لَهُ)) ❶

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو برا شگون لے یا جس کے لیے برا شگون لیا جائے یا

جس کے لیے کہانت کی جائے یا جو جادو کرے یا جو جادو کرائے۔“

نیز فرمایا:

((الْعِيَافَةُ وَالطَّيْرَةُ وَالطَّرْقُ مِنَ الْجِبْتِ)) ❷

”زل، پرندہ سے برا شگون لینا اور کنکریاں مار کر برا شگون لینا جبت (وہم

پرستی) کے قبیل سے ہے۔“

یہ بدشگونی، نہ علم کی بنیاد پر ہوتی ہے اور نہ ہی واقعات کی بنیاد پر بلکہ محض ضعف اعتقاد

❶ مسند البزار (۳۵۷۸)۔ طبرانی الکبیر (۱۸/ ۱۶۲)۔

❷ ابو داؤد کتاب الطب (الکھانة): باب فی الخط وزجر الطیر: ۳۹۰۷۔

اور وہم پرستی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ورنہ اس کے کیا معنی کہ ایک عقلمند آدمی سچ سچ یہ خیال کرنے لگے کہ فلاں شخص یا فلاں جگہ منحوس ہے؟ یا وہ کسی پرندے کی آواز سن کر یا آنکھوں کی حرکت دیکھ کر یا کوئی کلمہ سن کر گھبراہٹ محسوس کرنے لگے؟

اصل بات یہ ہے کہ اگر انسان کے عقیدہ توحید میں کمزوری ہو تو وہ اسے بدشگونی پر آمادہ کرتی ہے۔ لہذا انسان کو اس کمزوری کے آگے سپر نہیں ڈالنا چاہیے۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے: ”تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے کسی کا بچنا مشکل ہے: بدگمانی، بدشگونی اور حسد‘ لہذا جب بدگمانی پیدا ہو جائے تو اس پر یقین نہ کرو۔ اور جب بدشگونی تردد پیدا کرے تو راستہ سے واپس نہ لو۔ اور جب حسد کا احساس ہونے لگے تو ویسا نہ چاہو۔“ ①

اس احتیاط پر عمل کرنے کی صورت میں ان تینوں باتوں کی حقیقت میں دل گزرنے والے خیالات اور وسوسے سے زیادہ کچھ حقیقت نہ ہوگی اور ان باتوں کا کوئی اثر عمل پر مرتب نہ ہوگا۔ ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”بدشگونی شرک ہے۔“ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں: ”ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کے دل میں بدشگونی کے خیالات نہ پیدا ہوتے ہوں لیکن اللہ پر توکل کرنے سے اس قسم کے خیالات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔“ ②

### جاہلیت کی تقلید کے خلاف جہاد

اسلام نے جس طرح قدیم جاہلی اعتقادات و اوہام کے خلاف جنگ کی کیونکہ یہ

① فتح الباری (۲۱۳/۱۰) بالفاظ متقاربة وقال الحافظ اخرجه عبد الرزاق مرسلًا - وعند عبد الرزاق (۱۰/۴۰۳ ح: ۱۹۵۰۴) بلفظ مختلف واخرجه البيهقي في الشعب (۲/۶۳ ح: ۱۱۷۲) من رواية عبد الرزاق به وقال هذا منقطع - وله شاهد من حديث ابى هريرة عند البيهقي (۱۱۷۳) واخرجه الطبراني ۲۵۸/۳ عن حارثة بن نعمان۔

② ابو داؤد کتاب الطب: باب فی الطیرۃ ح: ۳۹۱۰۔ ترمذی کتاب السیر: باب ماجاء فی الطیرۃ: ح: ۱۶۱۴۔ ابن ماجہ کتاب الطب: باب من کان یعجبه الفال ویکره الطیرۃ ح: ۳۵۳۸۔

چیزیں عقل، اخلاق، انسانی برتاؤ کے لیے نہایت خطرناک ہیں، اسی طرح اس نے جاہلیت کی تقلید کے خلاف بھی جہاد کیا، جو عصبیت، فخر و غرور اور قبائلی نخوت پر قائم تھی۔  
اسلام میں عصبیت نہیں

اس سلسلہ میں اسلام نے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ عصبیت کی تمام صورتوں کو دفن کر دیا اور عصبیت کے جذبات کو پیدا کرنا اور اس کی طرف بلانا حرام ٹھہرایا۔  
 ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصِيَّةٍ)) ❶

”جو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو عصبیت پر لڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو عصبیت پر مرے وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔“

اسلام رنگ، قوم اور خطہ زمین کی بنیاد پر انسان اور انسان کے درمیان امتیاز کرنے کا قائل نہیں ہے۔ اور اس کے نزدیک یہ بات جائز نہیں ہے کہ مسلمان کوئی، قومی اور ملکی تعصب سے کام لیں، حق اور باطل، انصاف اور ظلم دونوں صورتوں میں اپنی قوم کی حمایت کریں۔ سیدنا و ائمہ بن اسحاق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْعَصِيَّةُ؟ قَالَ: أَنْ تُعِينَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ)) ❷

”میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! عصبیت کیا ہے؟ فرمایا: ”یہ کہ تم اپنی قوم کی ظلم کے معاملہ میں بھی مدد کرو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ (النساء: ۱۳۵)

❶ ابو داؤد، کتاب الادب: باب فی العصبیۃ، ح: ۵۱۲۱۔ واسنادہ ضعیف۔

❷ ابو داؤد، کتاب الادب: باب فی العصبیۃ، ح: ۵۱۱۹۔ واسنادہ ضعیف۔

”اے ایمان لانے والو! انصاف کے علمبردار رہو اور اللہ کی خاطر (جی) گواہی دینے والے بنو اگرچہ کہ اس شہادت کی زدمہاری اپنی ذات یا تمہارے والدین اور تمہارے رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔“

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ ۤأَلَّا تَعْدِلُوۡا﴾ (المائدة: ۵ / ۸)

”کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((أَنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ! هَذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُومًا فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذَلِكَ نَصْرُكَ)) ❶

”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔“ صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! مظلوم ہونے کی صورت میں تو ہم مدد کریں گے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کس طرح مدد کریں؟ فرمایا: ”اپنے بھائی کو ظلم سے روکنا درحقیقت اس کی مدد کرنا ہے۔“

اس سے واضح ہوا ہے کہ جو دعوت مسلمانوں کو ان کے درمیان ملکی اور گروہی عصبیت پیدا کرنے کی غرض سے دی جائے مثلاً: وطن پرستی یا قوم پرستی کی دعوت تو وہ قدیم جاہلیت کی دعوت ہے۔ جس سے اسلام اس کا رسول اور اس کی کتاب بری الذمہ ہے۔ اسلام، کوئی دوسرا عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ ولایت کے تعلقات قائم کرنے کا قائل و فاعل نہیں ہے اور نہ کفر و ایمان کے علاوہ کسی اور بنیاد پر لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز کا قائل ہے۔ اسلام کا دشمن اور کافر مسلمانوں کا بھی دشمن ہے، خواہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾

(المجادلة: ۵۸ / ۲۲)

❶ بخاری، کتاب المظالم: باب عن اخاك ظالما او مظلوما، ح: ۶۹۵۲، ۲۴۴۴۔

”تم بھی نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں“ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ محبت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔“  
**رنگ و نسب کی کوئی اہمیت نہیں**

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ”سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے غصہ میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں بلال رضی اللہ عنہ سے کہا ”اے سیاہ فام کی اولاد!“ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”تم نے ان کی ماں کو برا بھلا کہا؟ تمہارے اندر جاہلیت کی خو ابھی باقی ہے۔“  
 سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اپنے کو دیکھو کیونکہ سرخ یا سیاہ رنگ کے لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے البتہ تقویٰ کی بنا پر تم فضیلت حاصل کر سکتے ہو۔“  
 اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّكُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ)) ①

”تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔“

اس طرح اسلام نے اس بات کو حرام ٹھہرایا کہ کوئی مسلمان جاہلی خواہشات کے پیچھے پڑ کر حسب و نسب پر ناز کرنے لگے اور اپنے باپ دادا کی بڑائیاں ہانکنے لگے۔  
 نسب اور خاندان کی کیا حیثیت جبکہ سب کی اصل ایک ہے؟ اور اگر بالفرض نسب کی حیثیت تسلیم کر لی جائے تو اس باپ یا اس باپ سے پیدا ہونے میں انسان کی اپنی کیا فضیلت ہے؟ یا اُس کا اس میں کیا قصور ہے؟

① بخاری: کتاب الایمان: باب المعاصی من امر الجاہلیۃ: ح: ۳۰، ۶۰۵۰۔ مسلم: کتاب

الایمان: باب اطعام المملوک مما یأکل، ح: ۶۶۱ و لیس عندھا ذکر بلال رضی اللہ عنہ۔

② مسند احمد (۵/۱۵۸)۔

③ مجمع الزوائد (۸/۸۶) بحوالہ البزار (۲۰۴۴، ۳۵۸۳) وطبرانی فی الاوسط (۴۷۴۶)۔

خود نبی ﷺ نے آباء و اجداد پر فخر کرنے والوں کو نہایت سخت انداز میں متنبہ فرمایا ہے۔  
 ”لوگ اپنے باپ داداؤں پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔ ان باپ داداؤں پر جو مر کر  
 جہنم کا کونکہ بن گئے ہیں، ورنہ وہ گندگی کے کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں  
 گے۔ اللہ نے قدیم جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کے طریقہ کو مٹا دیا  
 ہے۔ اب یا تو آدمی متقی مؤمن ہوگا یا بد بخت فاجر۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور  
 آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔“ ❶

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے بہت بڑا سبق ہے جو اپنے قدیم اجداد اور عربی و  
 عجمی جاہلیت کے علمبردار فرعون و کسریٰ پر ناز کرتے ہیں حالانکہ ان کی حقیقت ارشاد نبوی  
 ﷺ کے مطابق جہنم کے کونکہ سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

جیہ الوداع کہ جس خاص موقع پر ہزار ہا افراد نہایت توجہ کے ساتھ اسلام کا پیغام سن  
 رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں چند اصولی باتوں کا اعلان فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ  
 وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لَأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لَأَسْوَدَ  
 عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ - إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ)) ❷

”لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے۔ سنو کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں  
 ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت ہے نہ گورا کالے پر فضیلت رکھتا ہے نہ  
 ہی کالا گورے پر بجز تقویٰ کے۔ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے  
 جو تم میں زیادہ متقی ہے۔“

نوحہ کرنا

کسی کی موت پر نوحہ کرنا و اوایلا مچانا، جزع و فزع کرنا اور اظہار غم میں غلو کرنا، جاہلیت

❶ مسند احمد (۲/ ۳۶۱، ۵۲۴) ابو داؤد کتاب الادب: باب فی التفاحر بالا حساب ح: ۵۱۱۶

ترمذی فی اواخر الكتاب ح: / ۳۹۵، ۳۹۵۶ بیہقی فی السنن الکبریٰ (۱۰/ ۲۳۲)

❷ بیہقی فی ”شعب الایمان“ (۴/ ۲۸۹) ح: ۵۱۳۷، ابن جابر واللفظ له وقال فی هذا الاسناد

بعض من یجعل احمد فی ”المسند“ (۵/ ۴۱۱) وابو نعیم فی ”الحلیة“ (۳/ ۱۰۰)

کے طور طریقوں کی تقلید ہے، جس کا اسلام سخت مخالف ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ موت درحقیقت اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہونے کا نام ہے نہ کہ بالکل فنا اور معدوم ہو جانے کا، اور یاد رہے جزع فزع کرنے سے نہ مردہ زندہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی قضائے الہی ٹل سکتی ہے۔ لہذا ایک مومن کو موت کا اسی طرح سامنا کرنا چاہیے جس طرح کہ وہ دوسری مصیبتوں کا صبر و احتساب کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ اسے اس بات سے عبرت حاصل کرنا چاہیے اور آخرت میں ابدی ملاقات کی امید رکھنا چاہیے، نیز اس کی زبان پر یہ کلمات ہونے چاہئیں:

﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (البقرة: ۱۵۶/۲)

”ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔“

اگر وہ اہل جاہلیت کا سا طریقہ اختیار کرتا ہے تو یہ ایک فعل منکر اور حرام کا ارتکاب ہوگا۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) ❶

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو اپنا منہ پیٹے، دامن پھاڑے اور جاہلیت کی پکار بلند کرے۔“

مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اظہار غم کے لیے ماتمی لباس پہنے یا زینت ترک کرنے یا معمول کے لباس اور ہیئت میں تبدیلی کرے۔ البتہ بیوی پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک منائے۔ کہ یہ حق زوجیت کے ایفاء کا تقاضا ہے اور اس میں اس مقدس رشتہ کا احترام ہے جس نے دونوں کو جمع کیا۔ لہذا اسے چاہیے کہ زینت کا اظہار نہ کرے اور عدت کے زمانہ میں پیغام دینے والوں کی نگاہوں میں کھب جانے کا باعث نہ بنے۔ لیکن اگر میت شوہر کے علاوہ کوئی اور ہو مثلاً باپ، بیٹا، بھائی تو ایسی صورت میں عورت

❶ بخاری، کتاب الجنائز: باب ليس منامن شق الجيوب، ح: ۱۲۹۴۔ مسلم، کتاب الایمان: باب

تحريم ضرب الخدود، ح: ۱۰۳۔



کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری نے زینب بنت ابی سلمہ سے روایت بیان کی ہے وہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ جب ان کے والد ابوسفیان کا انتقال ہو گیا اور جب زینب بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو دونوں میں سے ہر ایک نے خوشبو منگوا کر لگائی اور کہا: قسم اللہ کی! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا:

((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوَمِّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَجِدَ عَلَى مِيتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا)) ❶

”جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک اسے کرنا چاہیے۔“

یہ سوگ بیوی پر واجب ہے جس کے سلسلہ میں اسے کبھی تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری بیٹی کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں۔“ ❷

آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کناں ہے کہ دورانِ عدت زیبائش و آرائش حرام ہے البتہ بغیر جزع و فزع کے اظہار اور بغیر چیخ و پکار کے رونا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بلکہ ایک فطری امر ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعض عورتوں کے رونے کی آواز سنی جو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر رو رہی تھیں۔ کچھ لوگوں نے انہیں روکنا چاہا لیکن آپ نے فرمایا: ”انہیں ابوسلیمان پر رونے دو بشرطیکہ وہ سر پر مٹی نہ ڈالیں یا چیخ چیخ کر نہ روئیں۔“ ❸

❶ بخاری، کتاب الطلاق: باب تحد المتوفى عنها اربعة اشهر وعشرا، ح: ۵۳۳۵، ۵۳۳۴۔ مسلم، کتاب الطلاق: باب وجوب الاحداد في عدة الوفاة، ح: ۱۴۸۶، ۱۴۸۷۔

❷ بخاری، حوالہ سابق: ح: ۵۳۳۶، مسلم، حوالہ سابق: ح: ۱۴۸۸۔

❸ علقہ البخاری فی کتاب الجنائز: باب ما يكره من النياحة على الميت قبل ح: ۱۲۹۱۔ ووصلہ فی التاريخ الصغير (۱/۴۶) وفي نسخة صفحة (۲۶) واخرجه الحاكم (۳/۲۹۷)۔ البيهقي (۴/۷۱)

## معاملات

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اس طور سے فرمائی ہے کہ افراد ایک دوسرے کے ضرورت مند ہیں۔ کوئی شخص بھی خود ملکتی اور دوسروں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کسی کے پاس ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن سے وہ خود بے نیاز ہوتا ہے لیکن دیگر لوگ اُس کے محتاج ہوتے ہیں اور جن چیزوں سے دوسرے لوگ بے نیاز ہوتے ہیں ان کا وہ ضرورت مند ہوتا ہے۔ ان تمدنی ضروریات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ اموال تجارت اور منفعت بخش چیزوں کا بیع و شراء کے ذریعہ تبادلہ کریں تاکہ زندگی استوار ہو اور معاملات مفید اور نتیجہ بخش طریقہ پر انجام پاسکیں۔

جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تو عربوں میں بیع و شراء اور مبادلہ کی مختلف شکلیں رائج تھیں۔ ان میں سے جو شکلیں شرعی اصول سے ہم آہنگ تھیں ان کو آپ ﷺ نے برقرار رکھا اور جو شکلیں ہم آہنگ نہ تھیں ان سے منع فرما دیا۔ یہ ممانعت چند اسباب کی بنا پر تھی۔ مثلاً معصیت کے کام میں تعاون، دھوکہ دہی، ناجائز نفع اندوزی، معاملہ کے کسی فریق کے ساتھ ظلم و زیادتی وغیرہ۔

### حرام چیزوں کی بیع بھی حرام ہے

(۱) اشیائے ممنوعہ سے فائدہ اٹھانا معصیت کے قبیل سے ہے اس لیے اس کی خرید و فروخت اور تجارت کرنا بھی حرام ہے۔ مثلاً خنزیر، شراب، خورد و نوش کی حرام چیزیں، بت، صلیب، مجسمے وغیرہ۔ اگر ان چیزوں کی خرید و فروخت اور ان کی تجارت کو جائز قرار دیا جاتا تو معصیت کے ان کاموں کو فروغ حاصل ہوتا، لوگوں کو ان چیزوں کے قریب جانے کا موقع ملتا، ان کا حصول آسان ہو جاتا اور لوگوں کے اندر ان کی رغبت پیدا ہو جاتی۔ لیکن چونکہ ان کی خرید و فروخت اور ان کا حصول حرام کر دیا گیا ہے اس

لیے وہ ان چیزوں سے گریز کر سکتے ہیں۔ اب نہ ان چیزوں کی طرف توجہ مبذول ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان کی یاد تازہ رہ سکتی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخَنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ)) ❶

”اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے۔“

نیز فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ إِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهُ)) ❷

”اللہ جب کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔“

دھوکہ کی بیع ممنوع ہے

(ب) ہر وہ معاملہ بیع جس میں مال کے مجہول ہونے یا دھوکہ کی صورت پیدا ہو جانے یا ایک فریق کے دوسرے فریق کو گھانا دینے کی بنا پر نزاع (اختلاف) کے لیے دواڑ پیدا ہوتی ہو، سود ذریعہ کے طور پر ممنوع ہے، مثلاً نرکی صلب میں یا اونٹنی کے بطن میں جو بچہ ہو اس کا سودا کرنا یا اڑتے ہوئے پرندے یا پانی کے اندر کی مچھلیوں اور اس قسم کی ہر مجہول چیز کی خرید و فروخت۔

نبی ﷺ کے زمانہ میں پھلوں کو کھیتوں اور باغوں میں ان کے پختہ ہونے سے پہلے ہی فروخت کر دیا جاتا تھا۔ اور معاملہ طے ہو جانے کے بعد کبھی ایسا ہوتا کہ آفتِ سماوی کی وجہ سے پھل تباہ ہو جاتے اور ایسی صورت میں بائع اور مشتری کے درمیان نزاع (اختلاف) پیدا ہو جاتا۔ بائع کہتا میں سودا مکمل کر چکا ہوں۔ اور خریدار کہتا تو نے پھل کا سودا کیا ہے اور پھل ہی غائب ہیں اس لیے آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ پھلوں کو ان کی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے

❶ بخاری، کتاب البیوع، باب بیع المیتة والاصنام، ح/ ۲۲۳۶۔ مسلم، کتاب المساقاة، باب

تحريم بيع الخمر والميتة، ح: ۱۵۸۱۔

❷ مسند احمد (۱/ ۲۹۳-۳۲۲) ابو داؤد، کتاب البیوع، باب فی ثمن الخمر والميتة، ح: ۳۴۸۸۔

فروخت نہ کیا جائے ❶ الا یہ کہ معاملہ فوری طور سے پھل توڑنے کی شرط پر کیا جائے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے خوشوں کی بیع کی بھی ممانعت فرمائی یہاں تک کہ وہ سفید ہو جائیں اور آفت کا خطرہ باقی نہ رہے۔ ❷ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے یہ بھی سوچا کہ جب اللہ نے پھلوں کی پیداوار کو روک دیا ہو تو تمہارے لیے اپنے بھائی کا مال لینا کس طرح جائز ہوگا؟“ ❸ ہر مجہول چیز کی بیع ممنوع نہیں ہے کیونکہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی حقیقی حالت کا پتہ ہی نہیں چل سکتا مثلاً اگر کوئی شخص مکان خریدتا ہے تو اس کی بنیاد اور دیواروں کے اندر کا حال اسے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جو چیز ممنوع ہے وہ کسی چیز کا صریح مجہول ہونا ہے جس کے باعث نزاع یا باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

اگر کوئی چیز معمولی درجہ میں مجہول ہو تو اس کی بیع کرنا حرام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ان چیزوں کی بیع جو زمین کے اندر ہوتی ہیں جیسے مولیٰ گاجر، پیاز وغیرہ اسی طرح کلتری اور خربوزے کے کھیتوں کی بیع جو امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے مطابق جائز ہے۔ امام موصوف ان تمام چیزوں کی خرید و فروخت کو جائز کہتے ہیں جو بہ تقاضائے ضرورت ہوں اور جن میں مجہول ہونے کا پہلو بہت معمولی ہو۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بیع کے سلسلہ میں امام مالک کے اصول دوسرے فقہاء کے اصولوں کے مقابلہ

میں بہتر ہیں، کیونکہ ان کا مسلک سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے مسلک سے ماخوذ ہے

جو بیع کے مسائل میں سب سے بڑے فقیہ مانے جاتے تھے۔“ ❶

اور امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے۔

❶ بخاری، کتاب البیوع: باب بیع الثمار قبل ان یدو صلاحھا، ح: ۲۱۹۳۔ مسلم، کتاب البیوع:

باب النہی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا، ح: ۱۵۳۴

❷ مسلم، حوالہ سابق، ح: ۱۵۳۵۔

❸ بخاری، کتاب البیوع: باب اذا باع الثمار قبل ان یدو صلاحھا، ح: ۲۱۹۸۔ مسلم، کتاب

المساقاۃ: باب وضع الجوانح، ح: ۱۵۵۵۔

❹ القواعد ص ۱۱۸۔

## قیمتوں سے کھیلنا

(ج) اسلام نے بازار کو آزاد چھوڑنا پسند کیا ہے کہ طبعی قوانین اپنا کام کرتے رہیں۔ بازار میں اشیاء کی آمد اور ان کی مانگ کی مناسبت سے قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہے گا یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں عہد رسالت میں جب قیمتیں چڑھ گئیں اور لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے لیے اشیاء کے نرخ مقرر کر دیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَإِنِّي لَا رَجُوءَ أَنْ أَلْقَى اللَّهَ وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ))<sup>①</sup>

”اللہ ہی قیمتوں کا مقرر کرنے والا ہے۔ گرانی اور ارزانی وہی پیدا کرتا ہے اور رزق دینے والا بھی وہی ہے۔ میں اللہ سے اس حال میں ملنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص بھی خون یا مال کے سلسلہ میں مجھ سے کوئی مطالبہ نہ کرے۔“

پیغمبر اسلام نے اس حدیث کے ذریعہ اعلان فرمایا کہ افراد کی آزادی میں بلا ضرورت مداخلت کرنا ظلم ہے، لیکن اگر بازار میں غیر طبعی عوامل داخل ہو جائیں مثلاً ذخیرہ اندوزی اور قیمتوں سے کھیلنا تو ایسی صورت میں اجتماعی مصلحت کو افراد کی آزادی کے مقابلہ میں مقدم سمجھنا چاہیے اور ایسی صورت میں نرخ مقرر کرنا سماج کی ضرورت کا تقاضا ہے تاکہ ناجائز نفع اندوزی کرنے والے حریصوں سے سماج کو بچایا جاسکے۔<sup>②</sup>

مذکورہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نرخ مقرر کرنا ہر حال میں ممنوع ہے خواہ رفع حرج اور صریح ظلم سے روکنے کے لیے کیوں نہ کیے جائیں، بلکہ محقق علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نرخ مقرر کرنا بعض حالات میں تو حرام اور ظلم ہے، لیکن بعض حالات میں

① مسند احمد (۳/۱۵۶/۲۸۶) ابوداؤد، کتاب الاجارۃ: باب فی التسعین ح ۱۳۱۴، ترمذی، کتاب البیوع: باب ماجاء فی التسعیر ح ۱۳۱۴۔ ابن ماجہ، کتاب التجارات: باب من کرہ ان یسعر ح ۲۲۰۰۔ سنن الدارمی (۲/۱۲۴۹)۔

② ہمارے زمانہ میں جس کی لالچی اُس کی بھینس والا معاملہ ہو چکا ہے، کیونکہ اشیاء خوردنی وافر ہوتے ہوئے بھی ذخیرہ اندوز قینہ، تیر بڑھتی کی غرض سے صاحب حل و عقد خود ملکی معیشت پر گنہگار کی طرح قابض ہیں جب چاہتے اور جیسے چاہتے کرتے ہیں کوئی اجتماعی پالیسی نہیں۔ (واسی اللہ المشتکی) (۱) اردہ

منصفانہ اور جائز کام ہے۔ لہذا اگر ناروا طریقہ پر ظلم و زیادتی کر کے لوگوں کو ایسی قیمت پر چیزیں فروخت کرنے کے لیے مجبور کر دیا جائے جس سے وہ راضی نہیں ہیں یا مباحات سے انہیں روکا جائے تو یہ حرام ہوگا۔ اور اگر لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کی غرض سے نرخ مقرر کیے جائیں مثلاً مروجہ قیمت (Standard Price) کے مطابق معاوضہ لے کر فروخت کرنے کے لیے انہیں مجبور کر دیا جائے یا معروف معاوضہ سے زیادہ معاوضہ وصول کرنے سے انہیں روکا جائے تو ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوگا۔

پہلی صورت کے بارے میں مذکورہ حدیث وارد ہوئی ہے۔ لہذا جب لوگ عرفی طریقہ پر بغیر ظلم و زیادتی کے مال فروخت کرتے ہوں اور اشیاء کی قلت یا آبادی میں اضافہ کی وجہ سے قیمتیں چڑھ جائیں تو معاملہ اللہ کے حوالہ کرنا چاہیے۔ ایسی صورت میں لوگوں کو مجبور کرنا کہ وہ مقررہ قیمت پر چیزیں فروخت کریں، ایک ناحق قسم کی زیادتی ہوگی۔

دوسری صورت یعنی لوگوں کے ضرورت مند ہونے کے باوجود تاجر حضرات اشیاء فروخت نہ کریں اور عرفی و سماجی قیمت سے زیادہ کا مطالبہ کریں تو ایسی صورت میں مروجہ نرخ کے مطابق اشیاء فروخت کرنا واجب اور نرخ مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مروجہ نرخ کو ان پر لازم کر دیا جائے۔ ایسے موقع پر قیمتوں کے تعین کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس عدل کو لازم کر دیا ہے اس پر کاربند ہونے کے لیے تاجروں کو مجبور کر دیا جائے۔<sup>①</sup>

ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے

اگرچہ اسلام افراد سماج کو بیع و شراء اور فطری مقایضہ کی آزادی دیتا ہے، لیکن اس بات سے اسے شدید انکار ہے کہ لوگ خود غرضی اور لالچ میں مبتلا ہو کر اپنی دولت میں بے تحاشا اضافہ کرتے چلے جائیں، خواہ غذائی اجناس اور قوم کی دیگر اشیائے ضرورت ہی کے ذریعہ کیوں نہ دولت سمیٹی جاسکے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کی سختی کے ساتھ ممانہ یہ فرمائی ہے:

((مَنِ احْتَكَرَ الطَّعَامَ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَدْ))<sup>②</sup>

① ملاحظہ ہو: رسالۃ الحسبۃ از ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ۔ اور الطرق الحکمیۃ از ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ۔ ص ۲۱۴۔

② مسند احمد (۲/۳۳)۔ مستدرک حاکم (۲/۱۱)۔

”جس نے چالیس دن تک غلہ کو روکے رکھا اس سے اللہ بری الذمہ ہے۔“

اور فرمایا:

((لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِيٌّ)) ❶

”ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے۔“

آپ ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کرنے والے شخص کی نفیات اس طرح بیان کی ہیں:

((بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ إِنْ سَمِعَ بِرَخْصٍ سَاءَةٍ وَإِنْ سَمِعَ بَغْلَاءٍ فَرِحَ)) ❷

”بہت برا ہے وہ بندہ جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔ جب ارزانی ہوتی ہے تو برا محسوس کرنے لگتا ہے اور جب گرانی ہوتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے۔“

نیز فرمایا:

((الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ)) ❸

”بازار میں مال درآمد کرنے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔“

اصل میں تاجر کے نفع کمانے کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ وہ اشیائے تجارت جمع کر رکھے تاکہ وہ اُسے مہنگے داموں فروخت کر سکے یعنی جب چیزیں بازار سے غائب ہو جائیں تو شدید ضرورت مند لوگ منہ مانگے دام دے کر خریدنے کے لیے مجبور ہو جائیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تاجر بازار میں لے آئے اور تھوڑے نفع کے ساتھ اسے فروخت کر دے۔ پھر دوسرا مال لائے اور تھوڑے نفع کے ساتھ اسے بھی فروخت کر

❶ مسلم، کتاب المساقاۃ: باب تحريم الاحتكار في الاقوات، ح: ۱۶۰۵۔

❷ مجمع الزوائد (۱۰۱/۴) بحوالہ طبرانی فی الکبیر (۹۵/۲۰) ورواہ ایضاً فی سند الشامیین

(۴۱۲) وابن عدی فی الکامل (۵۳۰/۲) واسنادہ ضعیف۔

❸ ابن ماجہ، کتاب التجارات: باب الحکرة والجلب، ح: ۲۱۵۳۔ مستدرک حاکم (۱۱/۲)۔

سنن الدارمی (۲/۲۴۹) واسنادہ ضعیف۔

دے۔ اس طرح اپنا کاروبار جاری رکھے۔ اس منافع میں تمدنی مصلحت بھی ہے اور برکت بھی، اور ایسا تاجر رزق بھی پاتا ہے جس کی خوشخبری نبی ﷺ نے دی ہے۔

ذخیرہ اندوزی اور قیمتوں کے ساتھ کھیلنے سے متعلق ایک اہم حدیث سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت ہے۔ جب وہ بیمار ہوئے تو ان کی عیادت کے لیے اموی حاکم عبید اللہ بن زیاد تشریف لائے تو سیدنا معقل رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ”جس نے مسلمانوں کے لیے گرانی پیدا کرنے کی غرض سے قیمتوں میں

مداخلت کی تو اللہ پر یہ حق ہے کہ قیامت کے دن اسے آگ پر بٹھائے۔“ ①

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں علماء نے یہ حکم مستحب کیا ہے کہ ذخیرہ اندوزی کی حرمت دو باتوں کے ساتھ مشروط ہے: ایک یہ کہ کسی ایسی جگہ یا ایسے حالات میں ذخیرہ کیا جائے جبکہ وہاں کے باشندوں کو اس سے تکلیف پہنچے۔ دوسرے اس سے مقصود قیمتیں چڑھانا ہوتا کہ خوب نفع کمایا جاسکے۔

بازار کی آزادی میں مصنوعی مداخلت

ذخیرہ اندوزی سے متعلق ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ شہر میں رہنے والا شہری، دیہاتی کا مال فروخت کرے۔ نبی ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باہر کا کوئی شخص ضرورت کی اشیاء بازار بھاؤ سے فروخت کے لیے لائے، لیکن اس کے پاس کوئی شہری پہنچ کر یہ کہے کہ مال میرے حوالہ کر دو کہ میں بعد میں اسے زیادہ قیمت پر فروخت کروں۔ کیونکہ اگر دیہاتی خود فروخت کرتا تو چیز سستے میں فروخت ہو جاتی اور وہ خود بھی نفع کماتا اور دوسرے لوگ بھی فائدے میں رہتے۔

اُس زمانہ میں اس خرابی کا بہت زیادہ رواج تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نَهَيْتَنَا أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَوْ كَانَ أَخَاهُ لَا بِيَهُ وَامَّةً)) ②

① مسند احمد (۲۷/۵)۔ مستدرک حاکم (۱۲/۲-۱۳) طبرانی فی الکبیر (۴۷۹/۲۰) و اسنادہ ضعیف.

② مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۷/۱۴) واللفظ لہ۔ بخاری 'کتاب البیوع' باب یشتري حاضر لباد بالسمرة' ج: ۲۱۶۱۔ مختصر 'مسلم' کتاب البیوع: باب تحريم بيع الحاضر للبادی' ج: ۱۰۲۳۔ بلفظ ..... وان كان اخاه او اباه۔



”ہمیں اس بات سے منع کیا گیا تھا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت کرے خواہ وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔“

معلوم ہوا کہ مصلحت عامہ ذاتی یا فرد واحد کے مفاد پر فوقیت رکھتی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ دَعَا النَّاسَ يَرْزُقُ اللَّهُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ)) ❶

”کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ ان کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق دے گا۔“

اس سے تجارت کے سلسلہ میں ایک اہم اصول سمجھ آتا ہے اور وہ یہ کہ بازار، قیمتوں اور مبادلہ کو بغیر کسی مداخلت کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ فطری مقابلہ اور طبعی عوامل کے ذریعہ قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ”لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ“ کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا: ”اس کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کوئی دلال نہ ہو۔“ ❷ دلال کو عام طور سے اپنی اجرت کی فکر ہوتی ہے اور وہ اس قسم کے معاملات میں مصلحت عامہ کو بھول جاتا ہے۔

دلالی کرنا جائز ہے

دلالی اگر دوسرے کاموں کے سلسلہ میں کی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ دلال بائع اور مشتری کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور دونوں یا کسی ایک فریق کے لیے سہولت پیدا کر دیتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں درآمد و برآمد کے سلسلہ میں اور تھوک فروش اور خوردہ فروش تاجروں کے درمیان واسطہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ واسطہ دلال ہوتے ہیں جو بہت اہم پارٹ ادا کرتے ہیں۔ ان کو اپنی طے شدہ اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ وہ نقدی

❶ مسلم کتاب البيوع: باب تحريم بيع الحاضر للبادي ح: ۱۵۲۲۔

❷ بخاری کتاب البيوع: باب النهي عن تلقى الركبان ح: ۲۱۶۳۔ مسلم کتاب البيوع: باب

تحريم بيع الحاضر للبادي ح: ۱۵۲۱۔

شکل میں ہو یا منافع میں سے مناسب کمیشن کی شکل میں یا کسی ایسی شکل میں جس پر دونوں فریق متفق ہو جائیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ابن سیرین، عطاء، ابراہیم اور حسن بصری کے نزدیک دلال کی اجرت میں کوئی حرج نہیں ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ”یہ کہتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ کمیشن فروخت کر اور اس سے زیادہ جو کچھ وصول ہو وہ تیرے لیے ہے۔“ اور ابن سیرین کہتے ہیں ”اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اسے فلاں قیمت پر فروخت کر اور جو منافع ہوگا، وہ تجھے ملے گا یا میرے اور تیرے درمیان مشترک ہوگا۔“

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ.)) ❶

(مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔)

ناجائز نفع اندوزی اور دھوکہ دہی حرام ہے

خارجی اور مصنوعی مداخلت کے سلسلہ کی ایک چیز ”نجش“ ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ❷ اور ”نجش“ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تشریح کے مطابق یہ ہے کہ تمہارا ارادہ مال خریدنے کا نہ ہو، لیکن تم قیمت سے زیادہ بولی بولو، تاکہ دوسرا شخص زیادہ قیمت دے کر مال خرید لے۔ ❸ یہ طریقہ عام طور سے دوسروں کو دھوکہ دینے کی غرض سے اختیار کیا جاتا ہے۔

تجارت کے معاملات کو نفع اندوزی سے اور قیمتوں کو دھوکہ وغیرہ کی آلاشوں سے پاک رکھنے کی غرض سے نبی ﷺ نے منڈی میں مال آنے سے پہلے اس کو باہر ہی باہر خریدنے

❶ بخاری، کتاب الاجارۃ: باب اجر السمسرة تعلیقاً قبل ح: ۲۲۷۴، وهذه الآثار اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف - (۵۷۸/۶۵) واما الحديث فاخرجہ الدارقطني فی السنن (۳۰۱) والحاكم فی المستدرک (۴۹/۲) واسناده ضعيف ولكن له شاهد اخرجہ احمد (۳۶۶/۲) وابوداود، كتاب القضاء: باب فی الصلح، ح: ۳۵۹۴۔ والترمذی۔ كتاب الاحکام: باب (۱۷)، ح: ۱۳۵۲۔

❷ بخاری، کتاب البيوع: باب النجش، ح: ۲۱۴۲

❸ مسلم، کتاب البيوع: باب تحريم بيع الرجل على بيع اخيه، ح/ ۱۵۱۶۔

سے منع فرمایا ہے <sup>۱</sup> ورنہ منڈی میں مال کی آمد ٹھیک طور پر نہیں ہو سکے گی اور اس کے نتیجے میں مناسب نرخ مقرر نہ ہو سکیں گے، کیونکہ نرخ کا تعین مال کی منڈی میں آمد اور اس کی مانگ کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ مذکورہ صورت ایسی ہے کہ بائع کو بازار کے نرخ کا علم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے بازار میں مال آجانے پر بائع کو سابق سودا فسخ (بالکل ختم) کرنے کا اختیار دیا ہے۔ <sup>۲</sup>

جس نے ہمارے ساتھ دھوکہ دہی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے

اسلام نے فریب اور دھوکہ کی تمام صورتوں کو حرام ٹھہرایا ہے، خواہ وہ بیع و شراء سے متعلق ہوں یا دوسرے انسانی معاملات سے متعلق۔ اسلام کا مطالبہ ہے کہ مسلمان ہر معاملہ میں سچائی اختیار کریں۔ دین کی مخلصانہ پیروی ہر دنیوی مفاد کے مقابلہ میں زیادہ قیمتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَّا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَّتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا)) <sup>۳</sup>

”بائع اور مشتری دونوں کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہے، جب تک وہ دونوں جدا نہیں ہو جاتے۔ اگر دونوں سچائی سے کام لیں اور عیب بیان کریں (پوری وضاحت کے ساتھ مال دیں) تو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے۔ اور اگر جھوٹ بولیں اور عیب چھپائیں تو سودے کی برکت اٹھا دی جاتی ہے۔“

((وَمَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِرَجُلٍ يَبِيعُ طَعَامًا فَأَعْجَبَهُ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهِ فَرَأَى بَلَدًا فَقَالَ مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ فَقَالَ فَهَلَّا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ

۱ مسلم، کتاب البيوع: باب تحريم تلقى الجلب، ح/ ۱۵۱۷

۲ مسلم، کتاب البيوع: باب تحريم تلقى الجلب، ح/ ۱۵۱۹۔

۳ بخاری، کتاب البيوع: باب اذا بين البيعان ولم يكتما وصحاح، ح/ ۲۰۷۹۔ مسلم، کتاب البيوع:

باب الصدق في البيع والبيان، ح/ ۱۵۳۲۔

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا)) ❶

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک غلہ فروش کے پاس سے ہوا۔ آپ ﷺ کو غلہ اچھا معلوم ہوا، لیکن جب ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی۔ فرمایا: ”کیا بات ہے؟“ اس نے کہا: بارش کی وجہ سے نمی پیدا ہو گئی ہے۔ فرمایا: ”پھر اس کو غلہ کے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے؟ جو ہمارے ساتھ دھوکہ بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

مسلمانوں کے اسلاف کرام معاملہ کرتے وقت مال کا عیب بیان کر دیتے تھے، بچ بولتے اور جھوٹ سے پرہیز کرتے، خلوص کا ثبوت دیتے اور دھوکہ دہی سے کلی اجتناب کرتے۔ چنانچہ امام ابن سیرین کا واقع ہے کہ جب انہوں نے ایک بکری فروخت کی تو خریدار سے کہا: ”میں اس کا عیب بیان کر کے بری الذمہ ہوتا ہوں۔ یہ بکری پاؤں سے چارہ ادھر ادھر پھیلا دیتی ہے۔“ اسی طرح حسن بن صالح کا قصہ ہے کہ انہوں نے ایک لونڈی فروخت کی تو خریدنے والے سے کہا: ”اس لونڈی نے ایک بار خون تھوکا تھا۔“

بہ کثرت قسمیں کھانا

حرمت اس صورت میں دو چند شدید ہو جاتی ہے جبکہ دھوکہ دہی کے ساتھ جھوٹی قسم بھی کھائی جائے۔ نبی ﷺ نے تاجروں کو بکثرت قسمیں کھانے سے اور خاص طور سے جھوٹی قسمیں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((الْحَلْفُ مَنْفَقَةٌ لِلْسَّلْعَةِ مُمَحِقَةٌ)) ❷

”قسم کھانے سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن برکت اٹھ جاتی ہے۔“

کاروبار میں بہ کثرت قسمیں کھانا، اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ ایسی صورت میں غلط بیانی

❶ مسلم، کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ ”من غشنا فلیس منا“ ح: ۱۰۲۔ ترمذی، کتاب البیوع:

باب ماجاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع، ح: ۱۳۱۵۔

❷ بخاری، کتاب البیوع: باب (یمحق اللہ الربا ویربى الصدقات) ح: ۲۰۸۷۔ مسلم، کتاب

المساقاۃ: باب النهی عن الحلف فی البیع، ح: ۱۶۰۶۔

کا زیادہ احتمال ہے، نیز اس کے نتیجہ میں دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی زائل ہو جاتی ہے۔  
ناپ تول میں کمی کرنا

دھوکہ دہی کی ایک قسم ناپ تول میں کمی کرنا بھی ہے۔ قرآن نے معاملہ کے اس پہلو کا بڑے پر زور انداز سے ذکر کیا ہے:

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْهَيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا تَكِلِفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

(الانعام: ۱۵۲/۶)

”اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم کسی نفس پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔“

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۵/۱۷)

”اور جب تم ناپ تول بھر کر دو اور صحیح ترازو سے تولو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوب تر ہے۔“

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۚ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۖ وَ إِذَا كَالَهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۚ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۚ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۚ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ﴾

(المطففين: ۸۳/۶ تا ۱)

”تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ یہ جب لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹانا دیتے ہیں۔ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ انہیں ایک بڑے دن اٹھایا جائے گا؟ جس دن کہ لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔“

عدل حقیقی کا تصور تو مشکل ہے، البتہ ایک مسلمان کی یہ ذمہ داری ضرور بنتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ عدل کرے۔ اسی لیے قرآن میں ناپ تول کے بارے میں پورے انصاف سے کام لینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (الانعام: ۱۵۲)

”ہم کسی نفس پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔“

ایک ایسی قوم کا قصہ بھی قرآن میں بیان کیا گیا ہے جس نے معاملات کے سلسلہ میں ظالمانہ روش اختیار کی اور لوگوں کو گھانا دینے لگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عدل اور اصلاح کی راہ پر لگانے کے لیے رسول بھیجا۔ یہ قوم سیدنا شعیب علیہ السلام کی تھی جس کو دعوت دیتے ہوئے اور انجام بد سے آگاہ کرتے ہوئے سیدنا شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۝ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۝

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝﴾

”ناپ پورا دو اور گھانا دینے والے نہ بنو۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی

چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔“ (الشعراء: ۲۶/۱۸۳ تا ۱۸۱)

یہ واقع ایک مثال کی حیثیت سے ہے (درس عبرت) جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیے اور اسے اپنے تعلقات اور اپنے تمام معاملات میں کن باتوں کا پابند ہونا چاہیے۔ مسلمان کا یہ کام نہیں کہ دو مختلف پیمانوں سے ناپے اور دو مختلف ترازوؤں سے تولے۔ کہ لینے کے پیمانے اور ہوں اور دینے کے اور۔ لیتے وقت بھرپور وزن کر کے لے اور دوسروں کو دے تو گھانا دے۔

چوری کا مال خریدنا چور کے ساتھ مشارکت ہے

اسلام نے جرم کی مخالفت اور جرم کے ارتکاب کو مشکل بنانے کی غرض سے ایسی چیز کا خریدنا بھی حرام ٹھہرایا ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ غصب شدہ یا چوری کا مال ہے یا اصل مالک سے ناروا طریقہ پر حاصل کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں غاصب چور اور زیادتی کرنے والے شخص کے ساتھ غصب چوری اور زیادتی کے معاملہ میں تعاون ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اشْتَرَى سَرَقَةً وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهَا سَرَقَةٌ فَقَدْ اشْتَرَكَ فِي إِثْمِهَا

وَعَارِهَا)) ❶

❶ مستدرک حاکم (۲/ ۳۵) السنن الکبری للبیہقی (۵/ ۳۳۵-۳۳۶) واسنادہ ضعیف .

”جس نے چوری کا مال خریدا یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے، وہ اس (چور) کے گناہ اور برائی میں شریک ہوا۔“

مسروقہ مال پر لمبی مدت گزر جانے سے گناہ زائل نہیں ہوتا، کیونکہ اسلام میں وقت کی طوالت حرام کو حلال نہیں بناتی اور نہ معاملہ پرانا (قدیم) ہو جانے سے ہی اصل مالک کا حق ساقط ہوتا ہے۔ بعض انسانی قوانین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔

### سود کی حرمت

اسلام نے تجارت کے ذریعہ مال کو نفع بخش بنانا (بڑھوتری کے لیے تجارت کرنا) جائز قرار دیا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء: ۲۹/۴)

”اے ایمان لانے والو! ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، مگر یہ

کہ کوئی مال باہمی رضا مندی سے تجارت کے ذریعہ حاصل ہو جائے۔“

اور تجارت کی غرض سے سفر کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ تعریف کی ہے۔ لیکن اسلام نے سود کے ذریعہ مال کو نفع بخش بنانے کا ہر طریقہ ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ سود کی ہر مقدار خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، حرام ٹھہرائی ہے۔ اور یہودیوں کی خوب مذمت کی ہے کہ وہ بد باطن لوگ ممانعت کے باوجود سود کھاتے رہے۔ سورہ بقرہ کی درج ذیل آیتیں قرآن کے آخری نازل شدہ حصہ سے تعلق رکھتی ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتِغُوا فَلَکُمْ رِءُوسُ أَمْوَالِکُمْ ۚ لَا تُظْلَمُونَ وَلَا تَظْلَمُونَ ﴿۲۷۸﴾ (البقرہ: ۲۷۸-۲۷۹)

”اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو! اگر واقعی تم مومن ہو، لیکن اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اگر تم توبہ کر لو تو اصل زر لینے کا

تمہیں حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“

رسول اللہ ﷺ نے سود اور سود خواروں دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور واضح کر دیا کہ سود سماج کے لیے نہایت خطرناک اور مہلک مرض ہے: ”جب کسی بستی میں سود اور زنا کا ظہور ہو جاتا ہے تو لوگ اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔“ ❶

آسمانی مذاہب میں اسلام پہلا دین نہیں ہے کہ جس نے سود کو حرام ٹھہرایا ہو بلکہ یہودی مذہب میں بھی سود حرام تھا، چنانچہ عہد قدیم میں ہے:

”جب تیرا بھائی محتاج ہو، تو اس کی مدد کر اس سے فائدہ اور نفع طلب نہ کر۔“ ❷

اور نصرانی مذہب کے بارے میں انجیل لوقا میں ہے:

”بھلائی کے کام کرو اور قرض دو اس کی واپسی کا انتظار کیے بغیر ایسی صورت میں

تمہارا اجر بڑا ہوگا۔“ ❸

افسوسناک بات یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم میں تحریف کر کے ”اپنے بھائی“ کا مفہوم خاص طور سے ”یہودی“ لے لیا گیا۔ چنانچہ کتاب ”سفر تثنية الاشتراء“ میں ہے:

”تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا۔“ ❹

### حرمت سود کی مصلحت

اسلام نے سود کو سخت شدید حرام قرار دینے میں انسان کے اخلاقی، اجتماعی اور اقتصادی مصالح کا لحاظ و خیال کیا ہے۔ علمائے اسلام نے اس کی معقول وجوہ بیان کی ہیں اور جدید تحقیقات نے بھی ان مصلحتوں کو مزید واضح کر دیا ہے۔ امام رازی نے اس مسئلہ پر جو روشنی ڈالی ہے اس کو بیان کرنے پر ہم اکتفاء کریں گے: ”اولاً: سود اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان کا مال بلا عوض حاصل کیا جائے، جو شخص ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ فروخت کرتا ہے اس کو بلا عوض ایک درہم زیادہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کا مال ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہے اور بڑی حرمت والی چیز ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

❶ مستدرک حاکم (۱۱۸/۴) معجم الكبير للطبرانی (۱۰/۴۶۰)۔

❷ خروج: ۲۲: ۲۴۔ ❸ لوقا: ۶: ۲۵۔ ❹ استثناء: ۲۳: ۲۰۔



”انسان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔“<sup>①</sup>

لہذا بغیر معاوضہ کے مال حاصل کرنا، حرام ہونا ہی چاہیے۔

ثالثاً: سود پر اعتماد کرنے کے نتیجہ میں لوگ محنت کے ذریعہ کمانے سے جی چرانے لگیں گے۔ کیونکہ صاحب مال کے لیے سودی لین دین کے ذریعہ زائد مال حاصل کرنا خواہ نقد ہو یا ادھار، آسان ہوگا۔ ایسی صورت میں وہ کسب و تجارت اور دشوار کاموں کے لیے کیوں محنت مشقت کرنے لگے؟ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ عوام کا مفاد متاثر ہو جائے گا۔ اصل میں دنیا کا مفاد تجارت، صنعت و حرفت اور تعمیری کاموں ہی سے وابستہ ہے۔

(اور اس میں شک نہیں کہ یہ مصلحت اقتصادی نقطہ نظر سے بالکل صحیح ہے۔)

ثالثاً: اس سود خوری کے نتیجہ میں قرض دینے کا جو معروف طریقہ لوگوں کے درمیان رائج ہے، وہ ختم ہو جائے گا کیونکہ سود کو حرام قرار دینے کی صورت میں تو طبیعت اس بات کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے کہ ایک درہم قرض دے کر ایک درہم ہی واپس لیا جائے۔ لیکن اگر سود کو جائز قرار دیا جائے تو حاجتمند کی ضرورت اسے اس بات پر آمادہ کرے گی کہ وہ ایک درہم لے کر دو درہم واپس کر دے۔ اس کے نتیجہ میں انسانی ہمدردی اور احسان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (یہ علت اخلاقی نقطہ نظر سے تسلیم شدہ ہے۔)

رابعاً: قرض خواہ عام طور سے غنی اور قرض دار محتاج ہوتا ہے۔ لہذا سودی لین دین جائز قرار دینے کی صورت میں غنی محتاج اور کمزور سے زائد مال حاصل کرے گا۔

(اس صورت کو رحمت الہی کس طرح جائز قرار دیتی؟ (اس میں اجتماعی پہلو مد نظر ہے) غرضیکہ سود طاقتور کے مفاد کی خاطر غریب کا خون چوس لینے کا نام ہے اس سے دولت مند کی دولت میں اور غریب کی غریبی میں مزید سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مالدار ہو جاتا ہے۔ یہ چیز معاشرہ میں باہم کینہ اور بغض پیدا کرتی ہے اور سماج کے درمیان باہمی کشمکش کی آگ بھڑکاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں انتہا پسندانہ انقلاب کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تاریخ نے قریبی زمانہ ہی میں ثابت کر دکھایا

① ابو نعیم فی ”الحلیۃ للاولیاء“ (۷/ ۳۳۴) دار قطنی (۳/ ۲۶) مجمع الزوائد (۴/ ۱۷۲)

ہے کہ سود اور سود خور سیاست، حکومت، مقامی اور قومی امن کے لیے کس قدر خطرناک ہیں۔  
سود دینے والا اور لکھنے والا

سود کھانے والا قرض خواہ اور صاحب مال ہوتا ہے۔ وہ قرض دار کو روپیہ دیتا ہے تاکہ اصل زر پر فائدہ حاصل کر کے لوٹائے۔ ایسے شخص کے عند اللہ اور عند الناس ملعون ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن اسلام نے اس جرم کو صرف سود خور تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ سود کھلانے والے کو بھی گناہ میں برابر شریک قرار دیا ہے۔ اور سود کی دستاویز لکھنے والے اور اس کے گواہوں کو بھی گناہ میں حصہ دار ٹھہرایا ہے۔

حدیث میں ہے:

((لَعَنَ اللَّهُ أَكْلَ الرِّبَا وَمُؤْكَلَهُ وَشَاهِدِيهِ وَكَاتِبَهُ)) ❶

”اللہ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس پر گواہ بننے والے اور کاتب، سب پر لعنت فرمائی ہے۔“

البتہ اگر شدید ضرورت سودی معاملہ کرنے کی متقاضی ہو تو ایسی صورت میں سود کھانے والا ہی گنہگار ہوگا:

- ❶ بشرطیکہ ضرورت حقیقی ہو۔ مجرد اپنی حاجت یا ترقی کے کاموں میں توسع پیش نظر نہ ہو۔ ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس سے بے نیاز نہ ہو سکتا ہو الا یہ کہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ مثلاً غذا، کپڑا اور علاج جو ناگزیر ہے۔
- ❷ یہ رخصت بس اس حد تک ہے کہ اپنی ضرورت کو پورا کیا جائے مثلاً اگر نو (۹) روپے سے کام چلتا ہو تو دس روپے قرض نہ لیے جائیں۔

❶ مسند احمد (۱/۳۹۳-۴۰۲) ابو داؤد، کتاب البیوع: باب فی آکل الربا وموكله، ح: ۳۳۳۳۔  
ترمذی، کتاب البیوع: باب ماجاء فی اكل الربا، ح/ ۱۲۰۶، نسائی، کتاب الزینة۔ باب الموتشحات  
ح: ۱۰۱۰۔ ابن ماجہ، کتاب التجارات: باب التغلیظ فی الربا، ح: ۲۲۷۷ عن عبد الله بن مسعود  
رضی اللہ عنہ۔ واللفظ لاحمد ورواه اصحاب السنن بلفظ ”لعن رسول اللہ ﷺ.....“ وبهذا  
اللفظ اخرجه مسلم عنه فی کتاب المساقاة: باب لعن آكل الربا وموكله، ح: ۱۵۹۷ مختصراً وعن  
جابر بن عبد اللہ (ح/ ۱۵۹۸)

﴿۳﴾ سودی لین دین سے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے اور مسلمان بھائیوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کی مدد کریں۔ لیکن اگر ضرورت مند شخص سودی قرض کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ نہ پائے تو سودی قرض لے سکتا ہے بشرطیکہ اس کو نہ چاہنے والا ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا۔ ایسی صورت میں اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

﴿۴﴾ اگر مجبوراً اسے یہ صورت اختیار کرنی پڑے تو وہ بہ کراہت یہ کام کر دے لیکن اس پر ناراضی کا اظہار کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوسری صورت پیدا فرمادے۔<sup>①</sup>

نبی ﷺ قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے

مسلمان کو اس بات سے واقف ہونا چاہیے کہ اسلام سماجی زندگی میں اعتدال پیدا کرنے اور معیشت میں میانہ روی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے:

﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الانعام: ۱۴۱)

”اور اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

﴿وَلَا تُبْذِرْ دِينَكَ لِتَبْذِيرَ ۙ إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾

(الاسراء: ۱۷/۲۶-۲۷)

”اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔“

قرآن نے مومنوں سے (اللہ کی راہ میں) اتفاق کا جو مطالبہ کیا ہے وہ اللہ کے بخشے ہوئے پورے مال کا نہیں بلکہ اس کے کچھ حصہ کو خرچ کرنے کا مطالبہ ہے۔ جو شخص اپنی کمائی کا ایک حصہ خرچ کرے گا وہ شاید کبھی محتاج نہ ہوگا۔ اس اعتدال اور میانہ روی کا تقاضا ہے کہ مسلمان کو قرض کی ضرورت پیش نہ آئے۔ نبی ﷺ نے قرض کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ قرض شب و روز کی پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔ آپ ﷺ قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے:

① شرعی مجبوری کا معنی یہ ہے کہ اس کی جان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو اور فقط جان بچانے کے لیے سود کی رقم کا لقمہ اسے دیا جائے، اس سے زائد کچھ نہیں۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ)

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ)) ❶

”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قرض کے غلبہ اور آدمیوں کے قہر سے۔“

اور دعا کرتے:

((أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالذَّيْنِ، فَقَالَ رَجُلٌ اتَّعِدْ الْكُفْرَ

بِالدَّيْنِ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ نَعَمْ)) ❷

”میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کفر اور قرض سے۔ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے

رسول ﷺ! کیا کفر اور قرض برابر ہیں؟ فرمایا: ”جی ہاں۔“

نماز میں اکثر آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَائِمِ وَالْمَغْرَمِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّكَ تَسْتَعِيدُ

مِنَ الْمَغْرَمِ كَثِيرًا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا عَرِمَ حَدَّثَ

فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ)) ❸

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے۔ کسی نے پوچھا: اے اللہ

کے رسول ﷺ! کیا بات ہے آپ ﷺ اکثر قرض سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرمایا:

”آدمی جب مقرض ہو جاتا ہے تو اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ جب بات کرتا

ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔“

مذکورہ حدیث اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ قرض دار ہونا اخلاق کے لیے کس قدر

نقصان دہ ہے۔ آپ ﷺ ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس کے ذمہ قرض ہوتا

❶ ابوداؤد، کتاب الوتر: باب فی الاستعاذۃ، ح/ ۱۵۵۵۔ واسنادہ ضعیف۔ ویغنی عنہ مارواه البخاری فی کتاب الدعوات: باب التعوذ من غلبۃ الرجال، ح: ۶۳۶۳ عن انس رضی اللہ عنہما لفظہ ”اللہم انی اعوذ بک من الهم والحزن والعجزو الکسل والبخل والعین وضلع الدین وغلبۃ الرجال (غایۃ المرام، ح: ۳۴۷) وعند النسائی (۵۴۹) غلبۃ الدین وغلبۃ العدو“ عن ابن عمرو رضی اللہ عنہما۔

❷ نسائی، کتاب الاستعاذۃ: باب الاستعاذۃ من الدین، ح: ۵۴۷۵، ۵۴۷۶۔ مستدرک حاکم مستدرک حاکم (۵۳۲/۱) مسند احمد (۳۸/۳) واسنادہ ضعیف۔

❸ بخاری کتاب الاذان: باب الدعاء: باب ما يستعاذ منه فی الصلاة، ح: ۵۸۹۔

اور قرض کی ادائیگی کے بقدر (وراثت) ترکہ میں مال نہ چھوڑتا۔ ❶ آپ ﷺ کا یہ طریقہ لوگوں کو قرض کا خوف دلانے کے لیے تھا لیکن جب اللہ نے آپ ﷺ کو اموال غنیمت عطا فرمائے تو آپ ﷺ نے ایسے قرضوں کی ادائیگی کا خود اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَنَا أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تَوَقَّى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دِينًا فَعَلَىٰ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ)) ❷

”میں ایمان داروں سے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریبی ہوں۔ تو ان میں سے جو شخص فوت ہو جائے اور پیچھے قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میں کروں گا اور جو مال چھوڑ جائے تو وہ وارثوں کو ملے گا۔“

نیز آپ ﷺ نے قرض کے معاملے میں تاکیداً مزید فرمایا:

((يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا الدَّيْنَ)) ❸

”شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے بجز قرض کے۔“

ان ہدایات کے پیش نظر ایک مسلمان کو شدید ضرورت کے بغیر کسی طرح بھی قرض نہیں

لینا چاہیے۔ اور جب ملے تو ہمیشہ ادائیگی ہی کی نیت رکھنا چاہیے۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ آذَانَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ آدَاءَ هَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَهَا يُرِيدُ اتِّلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ)) ❹

”جس نے لوگوں کا مال قرض کے طور پر لیا اور اس کو ادا کرنا چاہا (اُس کا ارادہ

تھا) تو اس کا قرض اللہ ادا فرمائے گا، اور جس نے تلف کرنے کے ارادہ سے لیا

تو اس کو اللہ تلف فرمائے گا۔“

❶ بخاری، کتاب الکفالة: باب الدين، ح/ ۲۲۹۸، مسلم، کتاب الفرائض: باب من ترك مالا فلورثته، ح/ ۱۶۱۹۔

❷ اخرجه الشيخان وهو طرف من حديث السابق۔ یہ اضافہ اصل کتاب میں نہیں ہے موقع کی مناسبت سے میں نے درج کر دیا ہے۔ (کاشف)

❸ مسلم، کتاب الامارة/ باب من قتل في سبيل الله كفر خطايا، الا الدين، ح/ ۱۸۸۶۔

❹ بخاری، کتاب الاستقراض: باب من اخذ اموال الناس يريد اداها، ح/ ۲۳۸۷۔

پس جب مسلمان مجبوری کے بغیر جائز نوعیت کا قرض نہیں لے سکتا تو سودی قرض کس طرح لے سکتا ہے؟

### زیادہ قیمت پر ادھار بیع

یہاں یہ بیان کرنا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی چیز نقد خریدنا جائز ہے اسی طرح باہمی رضا مندی سے ادھار خریدنا بھی جائز ہے۔ نبی ﷺ نے ایک یہودی کے پاس آہنی زرہ رہن رکھ کر اپنے گھر والوں کے لیے ادھار غلہ خریدا تھا۔<sup>①</sup> لیکن اگر بائع ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھا دے جیسا کہ بہت سے تاجر قیمت بڑھا کر قسط وار ادائیگی کی شرط پر فروخت کرتے ہیں تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ صورت حرام ہے اس بنا پر کہ ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے جو زائد رقم وصول کی جاتی ہے وہ ایک طرح کا سود ہے۔<sup>②</sup> مگر جمہور علماء اس کی اجازت دیتے ہیں کیونکہ یہ اصلاً مباح ہے اور اس کی حرمت کے سلسلہ میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے اور نہ اس میں سود سے کوئی مکمل یگانگت پائی جاتی ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ مختلف وجوہ سے بائع قیمت میں اضافہ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ قیمت کھلی نفع اندوزی اور صریح زیادتی کی حد تک نہ پہنچ جائے ورنہ ایسا کرنا حرام ہوگا۔ امام شوکانی کہتے ہیں:

”شافعیہ حنفیہ زید بن علی موید باللہ اور جمہور کے نزدیک یہ صورت جواز کے

عام دلائل کی بنا پر جائز ہے۔ اور بظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔“<sup>③</sup>

### بیع سلم

اس کے برعکس جواز کی صورت یہ ہے کہ طے شدہ رقم پیشگی بائع کے حوالہ کر دی جائے

① بخاری، کتاب الرهن: من رهن درعدہ/ ۲۵۰۹۔ مسلم، کتاب المساقاۃ: باب الرهن، ح/

۱۶۰۳۔

② یہی بات دلائل کی رو سے قوی ہے اس کی تفصیل کے لیے راقم کی کتاب ”احکام و مسائل“ ملاحظہ ہو اور حافظ عبدالمنان نور پوریؒ کی کتاب ”احکام و مسائل“ بھی۔ (مبشر احمد ربانی)

③ نیل الاوطار، ج ۵، ص ۱۵۳۔

تاکہ مقررہ مدت کے گزر جانے پر اس کے عوض مال حاصل کیا جاسکے۔ فقہی اصطلاح میں اسے ”بیع سلم“ کہتے ہیں۔ مدینہ میں اس کا عام رواج تھا، لیکن نبی ﷺ نے اس کی اصلاح فرمائی اور شرعی تقاضوں کے پیش نظر اسے چند شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(( مَنْ أَسْلَفَ فَلْيَسْلَفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزَنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ )) ❶

”جو شخص پیشگی رقم دے کر معاملہ طے کرنا چاہے وہ ناپ، وزن اور مدت متعین کر لے۔“

ایسی صورت میں نزاع پیدا نہ ہو سکے گا اور دھوکہ کا احتمال بھی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ مخصوص درختوں کے پھلوں کا پیشگی سودا کیا جائے ❷ کیونکہ اس میں بھی دھوکہ کا اندیشہ ہوتا ہے، ممکن ہے کسی آفت کی وجہ سے ان درختوں پر پھل ہی نہ آگے۔ معاملہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ مخصوص درخت یا مخصوص زمین کی پیداوار کی قید نہ لگائی جائے، بلکہ صرف پیمانہ اور وزن کی تعیین کر کے معاملہ طے کر لیا جائے۔ لیکن اگر درخت یا زمین کے مالک سے صریح طور پر ناجائز فائدہ اٹھایا جائے، یعنی ضرورت اسے سودا قبول کرنے پر مجبور کر دے تو اغلب یہ ہے کہ یہ حرام ہوگا۔

### محنت اور سرمایہ کا تعاون

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق انسانوں کو اپنی بخششوں سے نوازا ہے۔ چنانچہ کتنے ہی لوگوں کے اندر کاروبار تجارت کی اہلیت اور صلاحیت موجود ہوتی ہے لیکن ان کے پاس دولت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس کچھ دوسرے لوگوں کے پاس

❶ بخاری، کتاب السلم: باب السلم فی کیل معلوم، ح: ۲۲۳۹، ۲۲۴۰۔ مسلم، کتاب المساقاة: باب السلم، ح: ۱۶۰۴۔

❷ بخاری، کتاب السلم: باب السلم الی من لیس عنده اصل، ح: ۲۲۴۶، ۲۲۴۷۔ مسلم، کتاب البیوع: باب النہی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها، ح: ۱۵۳۷، ۱۵۳۸۔



دولت ہوتی ہے لیکن کاروباری صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہے وہ اپنا مال صاحب صلاحیت کے حوالہ کیوں نہیں کرتا کہ وہ محنت کے ذریعہ اس کو نفع بخش بنائے اور صاحب مال اپنے مال کے عوض منافع میں حصہ دار ہو اس طرح دونوں فائدہ حاصل کر سکتے ہیں؟

اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اسلامی شریعت نے سرمایہ اور صلاحیت یا مال اور محنت کے درمیان تعاون سے ہرگز نہیں روکا ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں عدل کی بنیاد پر اور صحیح نہج پر تعاون کی صورت پیدا کی ہے۔ چنانچہ اگر صاحب مال اپنے ساتھی کے ساتھ شراکت کا معاملہ کرنا چاہتا ہو تو اسے شراکت کی ذمہ داری اس کے جملہ نتائج کے ساتھ قبول کرنی چاہیے۔ اسی بنا پر اسلامی شریعت نے اس قسم کے معاملہ میں جسے فقہاء ”مضاربت“ یا ”قراض“ کہتے ہیں یہ شرط عائد کی ہے کہ معاملہ کرنے والے دونوں فریق نفع اور نقصان میں شریک ہوں اور اس کا تناسب وہ آپس میں طے کر لیں۔ مثلاً نصف یا ایک تہائی یا ایک چوتھائی ایک فریق کے لیے اور بقیہ حصہ دوسرے فریق کے لیے۔ اس طرح معاملہ طے ہو جانے کے بعد کاروبار میں نفع ہونے کی صورت میں معاہدہ کے مطابق وہ منافع تقسیم کر لیں گے۔ اور خسارہ ہونے کی صورت میں خسارہ منافع میں سے منہا کر لیا جائے گا۔ لیکن اگر منافع سے زیادہ خسارہ سرمایہ میں سے منہا کر لیا جائے گا، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ صاحب مال کو اپنے سرمایہ سے خسارہ برداشت کرنا چاہیے کیونکہ اس کے شریک کار کو بھی اپنی محنت اور کوشش کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

یہ ہے اس معاملہ میں اسلام کا قانون۔ رہی یہ صورت کہ صاحب مال کے لیے نفع کی حد بندی کی جائے اور اس کی ضمانت دی جائے کہ خواہ نفع ہو یا نقصان، اسے مقررہ منافع ملتا ہی رہے گا تو یہ بات صریحاً عدل کے خلاف ہے اور صلاحیت و محنت کے مقابلہ میں سرمایہ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کے مترادف ہے۔ نیز یہ ان قوانین حیات کے بھی خلاف ہے جو انسان کے لیے نفع کا بھی سامان کرتے ہیں اور نقصان کا بھی۔ اور اس سے اس رجحان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ کمائی یقینی طور پر حاصل ہو اور اس کے لیے نہ محنت کرنے



کی ضرورت ہو اور نہ خطرہ مول لینا پڑے۔ یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے خبیث سود ہی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن معقل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ثابت رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت (بٹائی پر زمین کا کاروبار) سے منع فرمایا ہے اور کرائے پر کام کرنے کی اجازت دی ہے۔ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسلم ہی کے لیے (صفحہ ۲۲/۵ ج ۵) میں حظلہ بن قیس کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدنا رافع بن تقدم رضی اللہ عنہ سے زمین کرائے پر دینے کے بارے میں دریافت کیا تو رافع نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سونے یا چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینے کے بارے میں کیا خیال ہے سیدنا رافع نے فرمایا: ”اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جہاں کھیتی کو سیرابی اچھی ملتی وہاں سے اجرت پر کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ ہوتا یوں کھیتی کا ایک حصہ ہلاک ہو جاتا ہے یہ حصہ سلامت رہتا یا ایک حصہ سلامت رہتا دوسرا ہلاک ہو جاتا، تو اس سے منع کر دیا گیا، مگر جب کھیتی کی ضمانت معلوم ہو یعنی ساری کھیتی سے جتنی بھی پیداوار ہو، اس کا حصہ (دوسرا یا تیسرا) مقرر کر لیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ہم زمین بٹائی پر لیا دیا کرتے تھے اس میں ہم زمین کا حصہ متعین کر لیتے کہ یہ میرا حصہ ہوگا اور یہ فلاں کا ہوگا۔ بعض اوقات ایک حصہ زمین پیداوار لاتا اور دوسرا حصہ نہ لاتا تو اس طرح نقصان ہو جاتا تھا، تو ہمیں اس سے روک دیا گیا۔ ہاں اگر چاندی وغیرہ سے (یعنی ٹھیکہ پر) ہو تو تو پھر ممانعت نہ تھی۔

میں کہتا ہوں: ”کہ یہ حدیث واضح دلالت کرتی ہے کہ زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے کیونکہ سیدنا رافع رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ زمین کو اجرت پر کھیتی باڑی کے لیے لینا کوئی حرج والی بات نہیں اور یہ کہنا کہ سونے اور چاندی کے عوض زمین کی کھیتی باڑی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں اور پھر مؤلف کے اس قول کے درمیان موازنہ کرنا کہ زمین کو نقدی یا کرائے پر دینا کے تحت بحث کرتے ہوئے جو وہ کہیں گے کہ زمین کو نقدی پر کرائے کے لیے نہ دینا ہی منقول و معقول کے مطابق ہے۔ پھر آپ کے سامنے واضح ہوگا کہ درست موقف و

فکر کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

نبی ﷺ نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا ہے ❶ یعنی اس طرح معاملہ کرنا کہ ایک فریق کو زمین کے مخصوص حصہ کا غلہ ملے یا اس کے لیے غلہ کی مقدار متعین کر لی جائے کیونکہ یہ معاملہ سود اور جوئے سے مشابہت رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقدار سے زیادہ پیداوار نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ سرے سے پیداوار ہی نہ ہو۔ ایسی صورت میں ایک فریق پوری طرح فائدے میں رہے گا اور دوسرا فریق پوری طرح گھائے میں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت غیر منصفانہ ہے۔

مزارعت کی یہ فاسد شرط، میں سمجھتا ہوں فقہاء کے اس اجماع کی بنیاد پر ہے کہ مضاربیت کے معاملہ میں نفع و نقصان کا لحاظ کیے بغیر ایک فریق کے لیے قطعی منافع کی شرط نہیں ہونی چاہیے جس علت کی بنا پر مضاربیت کا معاملہ فاسد قرار پاتا ہے اسی طرح مزارعت (بٹائی) کا معاملہ بھی فاسد قرار پاتا ہے۔ چنانچہ فقہاء کہتے ہیں: ”اگر ایک فریق مقررہ روپے کے نفع کی شرط عائد کرتا ہے اور کاروبار میں نیچے اتنا ہی نفع حاصل ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورا نفع ایک ہی فریق لے جائے گا بلکہ امکان اس بات کا ہے کہ سرے سے نفع ہی نہ ہو۔ اور اگر زیادہ نفع حاصل ہوا تو جس نے مقررہ درہم کے نفع حاصل کرنے کی شرط پر معاملہ کیا ہے وہ گھائے ہی میں رہے گا۔“ (المغنی۔ ج ۵، ص ۳۴)

مذکورہ علت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے تمام معاملات محکم واضح اور عدل پر مبنی ہیں۔

سرمایہ لگانے والوں کا اشتراک

جس طرح انفرادی طور پر اپنی مرضی سے اپنے مال کو کسی مباح کام میں لگانا اور اس سے فائدہ اٹھانا، نیز اپنا مال کسی تجربہ کار اور باصلاحیت شخص کے حوالہ کر کے اس کے ساتھ مضاربیت کا معاملہ کرنا جائز ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ سرمایہ لگانے والے اصحاب کسی صنعتی یا تجارتی فرم یا کسی اور کاروبار میں باہم اشتراک کر لیں۔ ویسے بھی بہت سے کاروبار

مسلم، کتاب البیوع، باب فی المزارعة، ح ۱۵۴۹۔

اور اسکیمیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے لیے بہت سے ہاتھوں، دانشوروں اور کافی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ ضرورت باہمی تعاون اور اشتراک ہی کے ذریعہ پوری ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدة: ۲/۵)

”نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو۔“

اور ہر وہ عمل جو افراد یا معاشرہ کی بھلائی کا باعث یا شر کو دفع کرنے والا ہو، وہ نیکی اور تقویٰ کا کام ہے، بشرطیکہ اس کو نیک نیتی کے ساتھ انجام دیا جائے۔

اسلام اشتراک کو نہ صرف جائز بلکہ باعث برکت قرار دیتا ہے اور دنیا میں معونت الہی اور آخرت میں اجر کا وعدہ کرتا ہے، بشرطیکہ جواز کے دائرہ میں رہ کر سوڈ دھوکہ بازی، ظلم، لالچ اور خیانت سے پوری طرح اجتناب کرتے ہوئے شراکت کا کاروبار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کاروباری شرکاء کے بارے میں فرمایا ہے:

((يَدُ اللَّهِ عَلَى الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ رَفَعَهَا عَنْهُمَا)) ❶

”اللہ کا ہاتھ اشتراک کرنے والوں پر ہے، بشرطیکہ وہ ایک دوسرے کی خیانت نہ کریں۔ لیکن اگر کوئی شریک اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت کا معاملہ کرتا ہے تو اللہ اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔“

اللہ کے ہاتھ سے مراد اس کی توفیق، اعانت اور برکت ہے۔

نبی ﷺ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے:

((أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا وَجَاءَ الشَّيْطَانُ)) ❷

”دو اشتراک کرنے والوں کے ساتھ تیسرا میں ہوتا ہوں، جب تک کہ ایک شریک

❶ سنن الدارقطني (۳/۳۵) واسنادہ ضعیف۔

❷ ابوداؤد، کتاب البیوع: باب فی الشریکۃ، ح: ۳۳۸۳۔ مستدرک حاکم (۲/۵۲) اسنادہ ضعیف۔

دوسرے کی خیانت نہیں کرتا، لیکن جب کوئی خیانت کرتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں اور شیطان وہاں پہنچ جاتا ہے۔“

### بیمہ کمپنیاں

کاروبار کی ایک جدید صورت بیمہ کمپنیاں ہیں۔ بیمہ کی مختلف شکلیں ہیں۔ مثلاً لائف انشورنس (بیمہ زندگی) حادثات کا بیمہ وغیرہ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور کیا اسلام اس کو برقرار رکھنا چاہتا ہے؟

اس کا جواب دینے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم ان کمپنیوں کی نوعیت معلوم کر لیں۔ اور یہ جان لیں کہ بیمہ کرانے والے کا بیمہ کمپنی سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر کیا بیمہ کرانے والے کی حیثیت بیمہ کے ادارہ کے نزدیک ایک شریک کی ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہر بیمہ کرانے والے شخص کو جیسا کہ اسلام کی تعلیم ہے نفع و نقصان میں شریک ہو جانا چاہیے۔ حوادث کے بیمہ میں، بیمہ کرانے والا ایک مقررہ رقم سالانہ ادا کرتا ہے اور جس کاروبار کا بیمہ کرایا گیا ہوتا ہے اگر کسی حادثہ کی زد میں نہ آئے تو اس پوری رقم پر کمپنی قابض ہو جاتی اور اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں کرتی۔ البتہ حادثہ کی زد میں آنے کی صورت میں طے شدہ رقم معاوضہ کے طور پر ادا کرتی ہے۔ یہ صورت کاروبار اور اشتراک کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

بیمہ زندگی کی صورت یہ ہے کہ اگر دو ہزار پونڈ کا بیمہ کرایا جائے اور پہلی قسط ادا کرنے پر موت واقع ہو جائے تو بیمہ کرانے والا پورے دو ہزار پونڈ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی حیثیت کاروباری شریک کی ہوتی تو صرف اپنی قسط کی رقم اور اس کی نسبت سے منافع کا مستحق ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بیمہ کرانے والا کمپنی کے قواعد کی پابندی نہ کرے اور اقساط کی ادائیگی سے قاصر رہے تو ادا شدہ رقم یا اس کے بعض حصہ سے اسے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط بالکل فاسد ہے۔

رہا یہ کہنا کہ دونوں فریق اپنی رضا مندی سے یہ معاملہ کرتے ہیں اور وہ خود اپنے مفاد

کو اچھی طرح جانتے ہیں تو اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ اسی طرح سود کھانے اور کھلانے والے فریق بھی تو باہم رضامندی سے معاملہ طے کرتے ہیں۔ اور دو جو کھیلنے والے بھی تو آپس کی رضامندی سے جو کھیلتے ہیں۔ ایسی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ وہ اپنا معاملہ واضح طور سے عدل کی بنیاد پر قائم نہیں کرتے کہ جس میں دھوکہ اور ظلم و زیادتی کا شائبہ تک نہ ہو۔ اور یہ نہ ہو کہ ایک فریق کو نفع کی ضمانت حاصل ہو اور دوسرے فریق کا نفع غیر یقینی ہو۔ اصل بنیادی چیز عدل ہے جس کو تمام معاملات میں اس طرح ملحوظ رکھنا چاہیے کہ نہ اپنے کو نقصان پہنچے اور نہ دوسروں کو۔

کیا بیمہ کمپنیاں امداد باہمی کے ادارے ہیں؟

بیمہ کرانے والے اور بیمہ کمپنی کے درمیان جب تعلق کی نوعیت شرکت کی نہیں ہے تو پھر اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور کیا یہ ادارے امداد باہمی کے ادارے ہیں جنہیں عطیہ دہندگان کے اشتراک سے چلایا جاتا ہو اور وہ ایک دوسرے کی مدد کی غرض سے مالی اشتراک کرتے ہوں؟

لیکن اس مقصد کے پیش نظر کہ تعاون کی صحیح صورت اختیار کی جائے اور مصیبت زدگان کی مدد کی جائے جو مال بھی جمع کیا جائے اس کے سلسلہ میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

① فرد مقررہ چندہ بھائی چارگی کی خاطر عطیہ کے طور پر ادا کرے اور اس فنڈ میں سے

حسب ضرورت حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔

② فنڈ سے استفادہ کے صرف جائز ذرائع اختیار کیے جائیں۔

③ کسی شخص کا اس بنا پر عطیہ دینا جائز نہیں کہ حادثہ کی صورت میں اسے ایک معین رقم

بطور معاوضہ ملے گی، بلکہ ادارہ کے فنڈ میں سے اسے حسب گنجائش اتنا دیا جائے کہ نقصان کی مکمل یا کسی حد تک تلافی ہو سکے۔

④ عطیہ، بخشش ہے اور اس کو واپس لینا حرام ہے۔ لہذا جب کوئی حادثہ پیش آجائے تو

اس معاملہ میں شرعی احکام کو ملحوظ رکھا جائے۔

ان شرائط کا انطباق صرف چند انجمنوں اور اداروں پر ہوتا ہے جو اس غرض سے قائم ہوئے ہیں جن کو افراد عطیہ کے طور پر اپنا ماہانہ اشتراک پیش کرتے ہیں جس کو واپس لینے کا انہیں کوئی بھی اختیار نہیں ہوتا اور نہ یہ شرط ہوتی ہے کہ حادثہ کی صورت میں انہیں معین رقم مل جانی چاہیے۔ رہ گئیں کاروباری بیمہ کمپنیاں اور خاص طور سے بیمہ زندگی کے ادارے تو ان پر ان شرائط کا کسی طرح انطباق نہیں ہوتا:

❶ بیمہ کرانے والے عطیہ کی نیت سے (اقساط) ادا نہیں کرتے بلکہ اس بات کا شاید خیال بھی ان کے دل میں نہیں آتا۔

❷ بیمہ کمپنیاں اپنا سرمایہ حرام سودی کاموں میں لگا کر نفع کماتی ہیں۔ اور ایک مسلمان کے لیے سودی کام میں اشتراک جائز نہیں ہے۔ اس بات پر رخصت پسند اور تشدد پسند، سب ہی متفق ہیں۔

❸ بیمہ کرانے والا معاہدہ کی مدت ختم ہو جانے پر تمام اقساط کی رقم واپس لے لیتا ہے اور اسے مزید رقم بھی ملتی ہے (وہ کس لیے) جو سود نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح یہ بات بھی تعاون کی اسپرٹ کے خلاف ہے کہ کسی مالدار شخص کو جو قدرت رکھتا ہو عاجز محتاج کے مقابلہ میں زیادہ رقم دی جائے۔ یہ بات ضرورت ہے کہ صاحب حیثیت آدمی بڑی رقم کا بیمہ کراتا ہے اس لیے وفات یا حادثہ کی صورت میں اسے زیادہ حصہ ملتا ہے۔ لیکن تعاون کی اسپرٹ اس بات کی متقاضی ہے کہ محتاج کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا جائے۔

❹ جو شخص بیمہ کا معاہدہ ختم کرنا چاہے اسے ادا شدہ رقم کے بڑے حصہ کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس نقصان کے لیے شرعاً کوئی جواز کی وجہ نہیں ہے۔

### اصلاحات

ان تمام باتوں کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ حادثات کے بیمہ میں اصلاح کر کے اسے اسلامی معاملات سے قریب لایا جاسکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عطیہ، معاوضہ کی شرط پر دینے کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بیمہ کرانے والا کمپنی کو مالی عطیہ اس شرط پر دے کہ حادثہ کی

صورت میں کمپنی اس کو معاوضہ دے گی جس سے اس کی اعانت ہو اور اس کی مصیبت میں تخفیف ہو سکے۔ معاملہ کی یہ صورت بعض مسالک میں جائز ہے۔

اگر بیمہ کے معاملہ میں یہ اصلاح کر لی جائے اور بیمہ کمپنی کے معاملات سود سے پاک ہوں تو میرا رجحان جواز کی طرف ہے۔ رہا بیمہ زندگی تو میری رائے میں اس کی صورت شرعی معاملات سے بہت زیادہ بعد رکھتی ہے۔

### اسلام کا انشورنس سسٹم

ہم نے دیکھ لیا کہ اسلام موجودہ صورت میں بیمہ کمپنیوں کا مخالف ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام نفس بیمہ ہی کا مخالف ہے۔ نہیں بلکہ اسلام اس موجودہ بیمہ کے طریقہ اور ذریعہ کا مخالف ہے۔ اگر بیمہ کے لیے دوسرے طریقے اختیار کیے جائیں جو اسلامی معاملات کے منافی نہ ہوں، تو اسلام اس کا خیر مقدم کرے گا۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اسلامی نظام نے اسلام کے فرزندوں اور اس کی حکومت کے زیر سایہ رہنے والوں کو اجتماعی تکفل کے ذریعہ یا حکومت اور بیت المال کے ذریعہ بیمہ کی ضمانت دے دی ہے۔ اسلام کا بیت المال عوامی بیمہ کمپنی کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اس کے اقتدار کے زیر سایہ رہنا چاہتا ہو۔

اسلامی شریعت حادثات اور مصائب میں افراد کی معاونت کرنے کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ جب کوئی شخص مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو وہ صاحب امر کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کر سکتا ہے تاکہ وہ اس کی تلافی کا سامان کر سکے۔ اسی طرح مرنے کے بعد وارثوں کے لیے بھی ضمانت دی گئی ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُسْلِمٍ مِنْ نَفْسِهِ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ وَمَنْ

تَرَكَ دِينًا أَوْ ضِيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ)) ❶

❶ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الاحزاب: باب (النبی اولى بالمؤمنین من انفسهم، ح: ۴۷۸۶، مسلم، کتاب الفرائض: باب من ترک مالا فلورثته، ح: ۱۶۱۹ باختلاف سیر، ابو داود، کتاب الخراج: باب فی اوزاق الذریۃ، ح: ۲۹۵۴ ابن ماجہ (۲۴۱۶) نحوه من حدیث جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔

”میں ہر مسلمان سے اس کے نفس سے زیادہ قریبی تعلق رکھتا ہوں جو مسلمان مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔ اور جو قرض یا چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے تو قرض کی ادائیگی اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔“

مزید برآں اسلام نے اپنے فرزندوں کے بیمہ کاری کے لیے جو سب سے بڑی چیز مشروع کی وہ زکوٰۃ کے مصارف میں غارمین (مقروضوں) کا حصہ ہے۔ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ غارم وہ شخص ہے جس کا گھر جل گیا ہو یا جس کے مال یا کاروبار کو سیلاب بہا لے گیا ہو وغیرہ۔ اور بعض فقہاء اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ زکوٰۃ کی آمدنی سے ایسے شخص کو اتنا مال دیا جائے کہ اس کی سابقہ مالی پوزیشن بحال ہو جائے خواہ اسے ہزاروں کی رقم دینا پڑے۔

زرعی زمین سے فائدہ اٹھانا

مسلمان جب زرعی زمین کا شرعی طریقہ پر مالک ہو تو اسے زمین کی کاشت کرنے یا درخت لگا کر اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بغیر زراعت کے زمین کو بیکار چھوڑنا، اسلام کے نزدیک ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں نعمت الہی کی ناقدری ہوگی۔ نیز یہ مال کا ضیاع بھی ہے۔ جبکہ نبی ﷺ نے مال کو ضائع سے منع فرمایا ہے۔ ❶ زمین کا مالک اس سے فائدہ اٹھانے کے مندرجہ ذیل مختلف طریقے اختیار کر سکتا ہے۔

زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے طریقے

❶ خود زراعت کرے یا درخت لگائے اور اس کی آب پاشی اور نگہداشت کا اہتمام کرے یہاں تک کہ وہ برگ و بار لائے۔ یہ ایک پسندیدہ کام ہے۔ اور جو انسان پرندے اور حیوانات اس کھیتی سے فائدہ اٹھائیں گے اس کا ثواب اسے ملے گا۔ اور یہ بھی واقع ہے کہ بڑے بڑے صحابہ خود زراعت کی خدمت انجام دیتے تھے۔

❶ بخاری، کتاب الرقاق: باب ما یکرہ من قیل وقال، ح: ۶۴۷۳۔ مسلم، کتاب الاقضية: باب النہی عن کثرة المسائل، ح: ۵۹۳/۱۴۔



## دوسرا طریقہ

❖ خود زراعت نہ کر سکتا ہو تو اپنی زمین ایسے شخص کو عاریۃً دے دے جو اپنے آلاتِ مزدوروں، بیج اور جانوروں کے ذریعہ کاشت کر سکتا ہو اور اس سے وہ (مالک اراضی) کچھ نہ لے۔ اس طرح عاریۃً زمین دینا اسلام میں مطلوب مستحب ہے اور دوسرے بھائی کی خیر خواہی بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ)) ❶

”جس کے پاس زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو (بلا اجرت کاشت کے لیے) دے دے۔“

بعض سلف کا مسلک مذکورہ حدیث کے پیشِ نظر یہ ہے کہ زمین سے استفادہ کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ زمین کا مالک خود زراعت کرے اور دوسری یہ کہ بلا معاوضہ کسی شخص کو زراعت کے لیے دیدے۔ اس صورت میں زمین تو اپنے مالک ہی کی رہے گی لیکن اس کی (کل) پیداوار کاشت کرنے والے کو ملے گی۔

امام ابن حزم نے اوزاعی کی طرف منسوب کر کے یہ روایت بیان کی ہے کہ عطاء مکیول، مجاہد اور حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ زمین کو درہم و دینار کے عوض کاشت کے لیے دینا درست نہیں ہے اور نہ ہی کسی اور قسم کا معاملہ کرنا درست ہے، بجز اس کے کہ زمین کا مالک خود کاشت کرے یا دوسرے شخص کو کاشت کے لیے بلا معاوضہ دیدے۔

اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان احادیث میں زمین کو بلا معاوضہ کاشت کے لیے دینے کی جو ہدایت کی گئی ہے وہ وجوب کا حکم نہیں رکھتی، بلکہ مندوب اور مستحب ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے عمرو بن دینار سے روایت بیان کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے طاؤس سے پوچھا اگر میں مخابرۃ (بٹائی) ترک کر دوں تو کیسا رہے گا؟ کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے کہا: سب سے بڑے عالم سیدنا

❶ بخاری، کتاب الحرث: باب ما کان من اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم / ح / ۲۳۴۱۔ مسلم،

کتاب البیوع: باب کراء الارض / ح / ۱۵۴۴۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ بات بتلائی ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی ممانعت نہیں کی بلکہ اس طرح فرمایا ہے:

((لَا أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا خَرَجًا مَعْلُومًا)) ❶

”تمہارا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ زمین دے دینا اس سے بہتر ہے کہ تم اس سے (کچھ) محصول وصول کرو۔“ (یعنی بلا معاوضہ دینا کچھ وصول کرنے سے بہتر ہے)

### مزارعت (بیائی)

❖ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ زمین کا مالک اپنی زمین کسی ایسے شخص کو دے دے جو اپنے آلات بیج اور جانوروں کے ذریعہ اس کی کاشت اس شرط پر کرے کہ زمین کی پیداوار کا مقررہ حصہ جس پر وہ دونوں باہم متفق ہوں مثلاً نصف یا ایک تہائی حصہ اس کو ملے گا۔ زمیندار کا کاشتکار کو بیج، آلات اور جانور فراہم کرنا بھی جائز ہے۔ اس طریقہ کو مزارعت، مساقاة اور مغایرة کہتے ہیں۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ نصف پیداوار پر معاملہ کیا تھا۔ ❷

جوفقہاء کرام اس قسم کی مزارعت کو سمجھتے کہتے ہیں وہ اس مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ صحیح اور مشہور بات ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات تک عمل درآمد فرمایا۔

آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور ان کے بعد والے بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے رہے۔ اور مدینہ کا تو کوئی گھرا یا نہیں تھا جس کے لوگوں نے اس طریقہ پر عمل نہ کیا

❶ بخاری، کتاب الحرث: باب (۱۰) ح: ۲۳۳۰۔ مسلم، کتاب البیوع: باب الارض تمنع ح: ۱۵۵۰۔

❷ بخاری، کتاب الحرث: باب المزارعة بالسطر ونحوہ ح: ۲۳۲۸۔ مسلم، کتاب المساقاة: باب المساقاة ح: ۱۵۵۱۔

ہو۔ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات بھی آپ ﷺ کے بعد اس طریقہ پر معاملہ کرتی رہیں۔ ایسے ثابت شدہ معاملہ کو منسوخ قرار دینے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

(المغنی - ج ۵ ص ۳۸۴)

### فاسد مزارعت

مزارعت (بٹائی) کی ایک قسم وہ ہے جو عہد رسالت میں رائج تھی اور جس سے آپ ﷺ نے صحابہ کو منع فرمایا۔ کیونکہ اس میں ایک طرح کی مجبوت پائی جاتی تھی اور دھوکہ دہی کا پہلو بھی جس کی وجہ سے نزاع پیدا ہو سکتا تھا۔ نیز یہ طریقہ صریحاً عدل کی روح کے خلاف تھا۔ چنانچہ زمیندار کاشتکاروں سے اس شرط پر معاملہ کرتے تھے کہ وہ زمین کے معینہ حصہ مثلاً: ایک چوتھائی حصہ کی پیداوار کے حقدار ہوں گے یا غلہ کی مقررہ مقدار ان کو ملے گی اور باقی حصہ یا تو کاشتکار کو پورا ملے گا یا دونوں میں تقسیم ہوگا۔ مثلاً نصف نصف۔

نبی ﷺ کی رائے میں عدل کا تقاضا یہ تھا کہ جملہ پیداوار میں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، دونوں فریق شریک ہوں۔ اور یہ صورت صحیح نہیں تھی کہ ایک فریق کا حصہ متعین ہو اور وہ تنہا فائدہ میں رہے اور دوسرا نقصان اٹھائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے زمین کے دوسرے حصہ میں پیداوار ہی نہ ہو۔ ایسی صورت میں ضروری تھا کہ دونوں کو پیداوار میں طے شدہ تناسب کے مطابق حصہ ملے۔

امام بخاری نے رافع بن خدیج سے روایت بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے جن کے پاس زمین تھی وہ اکثر مزارعت کا معاملہ کرتے تھے۔ وہ زمین کو اس طرح کرایہ پر دیتے کہ اس کے ایک گوشہ کی پیداوار زمین کے مالک کے لیے مخصوص ہوتی، لیکن کبھی زمین کے مخصوص حصہ میں پیداوار نہ ہوتی بلکہ بقیہ زمین میں ہوتی۔ اور کبھی مخصوص حصہ میں ہوتی اور بقیہ زمین میں نہ ہوتی۔ اسی لیے ہمیں اس طرح معاملہ کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ❶

بخاری کی ایک دوسری حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”تم اپنے کھیتوں کو کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہم بٹائی پر دیتے ہیں۔ یعنی

❶ بخاری، کتاب الحرت: باب (۷) ح / ۲۳۲۷۔

ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر یا کھجور اور جو کی مقررہ مقدار پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔<sup>①</sup>

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ معاشرہ میں مکمل عدل قائم کرنے کے بے حد خواہشمند تھے اور افراد معاشرہ کو ان تمام باتوں سے دور رکھنا چاہتے تھے جو نزاع کا باعث بن سکتی ہوں۔ زمین کے مالک اور کسان دونوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کریں اور نرمی برتیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ ”نبی ﷺ نے مزارعت (بٹائی) کو حرام نہیں کیا ہے بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔“<sup>②</sup>

اسی لیے جب طاؤس سے کہا گیا کہ ”اے ابو عبد الرحمن! اگر آپ اس مخابرة (بٹائی) کو ترک کر دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے! تو انہوں نے جواب دیا: میں ان کی مدد کرتا ہوں اور انہیں دیتا ہوں۔“<sup>③</sup> ان کو محض روزی روٹی کمانے کی فکر نہیں تھی کہ خواہ محنت مزدوری کرنے والے بھوکے مرجائیں انہیں ان کی پروانہ ہو بلکہ وہ ان کی مدد کرتے تھے اور انہیں عطا کرتے تھے۔ یہ تھا حقیقی مسلم معاشرہ۔ بعض اوقات زمیندار زمین کو بغیر زراعت کیے بے کار چھوڑ دینا پسند کرتے، لیکن کسی کاشت کرنے والے کو تھوڑے معاوضہ پر دینے کے لیے آمادہ نہ ہوتے۔ اسی لیے عمر بن عبد العزیز نے امراء کو ہدایت کی تھی کہ زمین کو پیداوار کے چوتھائی یا پانچویں دسویں حصہ کی شرط پر دے دیں اور اس کو غیر آباد نہ چھوڑیں۔

زمین کو نقد کرایہ پر دینا

◆ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ زمین کاشت کرنے والے کو اس شرط پر دی جائے کہ وہ مالک

① بخاری، کتاب الحرث: باب ماکان اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم/ح/ ۲۳۳۹، مسلم، کتاب البیوع: باب کراء الارض بالطعام/ح/ ۱۵۴۸۔

② ترمذی: کتاب الاحکام: باب (۴۲) من المزارعة، ح: ۱۳۸۵۔

③ ابن ماجہ، کتاب الرہون، باب الرخصة فی المزارعة بالثلث، و الربع، ح: ۲۴۶۲۔ وقد اخرجہ البخاری ایضاً فی کتاب الحرث: باب (۱۰) ح: ۲۳۳۰۔

زمین کو نقد کی صورت میں طے شدہ کرایہ ادا کرے گا۔

اس طریقہ کار کو بہت سے مشہور فقہاء جائز کہتے ہیں لیکن دیگر فقہاء منع کرتے ہیں۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ نبی ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ یہ روایت نبی ﷺ دو بزرگ بدری صحابہ اور رافع بن خدیج، جابر، ابوسعید، ابو ہریرہ، ابن عمرؓ سب نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے بالکل منع فرمایا ہے۔ ①، ②

کرایہ پر دینے سے مستثنیٰ صورت صرف مزارعت (بٹائی) کی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں اہل خیبر کے ساتھ مزارعت کا معاملہ کیا تھا اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی مزارعت کا معاملہ ہوتا رہا۔

جس شخص کی نظر اس مسئلہ کے تشریحی پہلو پر ہے وہ ابن حزم کے اس بیان سے اتفاق کرے گا کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ اپنے کھیت کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کو زمین کرایہ پر دینے سے منع فرما دیا جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ لہذا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ منسوخ شدہ چیز یعنی کرایہ پر دینا مباح ہے، وہ سراسر غلط بات کہتا ہے اور اسے ہرگز صحیح ثابت نہیں کر سکتا۔ بجز اس بات کے کہ پیداوار کا طے شدہ

① ملاحظہ ہو: المحلی۔ ج ۸، ص ۲۱۲۔

میں کہتا ہوں:..... یہ احادیث اگرچہ ان میں سے بعض ممانعت میں مطلق ہیں، مگر بعض دوسری پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ مزارعت کی ممانعت اس وقت کے ساتھ پابند ہے جب خراب شرطوں میں سے کوئی شرط پائی جائے جو خرابی اور نزاع کا باعث بنیں۔ جیسا کہ سیدنا رافعؓ والی مجموعی روایات کو متبع کرنے سے پتہ چلتا ہے اور جیسا کہ مؤلف نے خود اس فصل میں مزارعت فاسدہ کی تشریح کی ہے۔ اس پر دلالت والی یہ بات بھی ہے کہ مزارعت کی ممانعت والی احادیث کے راوی سیدنا رافعؓ نے خود صراحت سے بیان کیا ہے۔ کہ درہم دو دینار مقرر کر کے زمین کو کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ سیدنا ثابتؓ سے نبی ﷺ کی جانب مرفوع حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع کیا ہے اور کرائے پر زمین دینے کی اجازت دی ہے۔ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں (جیسا کہ حدیث نمبر ۳۶۳ کے تحت گزر چکا ہے) اس میں ابن حزم کے اس قول کی کہ زمین کرائے پر دینا حرام ہے۔ صریح تردید موجود ہے۔

② تمام روایات کے لیے دیکھئے: بخاری، کتاب الحرث: باب ما کان اصحاب النبی ﷺ یو اسی بعضهم: ح ۲۳۳۹، ۲۳۴۵۔ و مسلم، کتاب البیوع: باب کراء الارض، ح / ۸۶، ۱۵۳۶، ۱۵۴۷۔ دو بزرگ بدری صحابہ سے مراد رافع بن خدیجؓ کے دو چچا، ظہیر بن رافع اور ایک دوسرے ہیں۔

حصہ دینا روا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کرایہ پر دینے کی ممانعت کے بعد خیبر میں بٹائی کا معاملہ کیا اور اپنی وفات تک اس پر عمل درآمد فرمایا۔<sup>①</sup>

سلف میں سے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ طاؤس رضی اللہ عنہ جو یمن کے فقیہ اور جلیل القدر تابعی تھے، سونے چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا مکروہ خیال کرتے تھے۔ لیکن بٹائی یعنی ایک تہائی یا ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر زمین دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ جب کہ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ نبی ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے تو انہوں نے کہا: ”ہمارے پاس سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تھے جنہیں نبی ﷺ نے یمن بھیجا تھا۔ انہوں نے زمین کو ایک تہائی اور ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر (بٹائی پر) دیا تھا۔ اس وقت سے ہم یہ معاملہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔“<sup>②</sup> گویا سیدنا طاؤس کے نزدیک ممانعت جس چیز کی ہے، وہ یہی ہے کہ کرایہ سونے چاندی (نقدی) کی شکل میں لیا جائے۔ رہی بٹائی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محمد بن سیرین، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ البتہ تابعین سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ زمین کو کرایہ پر دینے کی ہر صورت ممنوع ہے خواہ نقد کی صورت میں ہو یا بٹائی کی صورت میں، لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کا موقف کمزور اور مرجوح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے بٹائی کا معاملہ کیا تھا جس سے بٹائی کا جواز ثابت ہوتا ہے اور زمانہ سابق میں مسلمانوں کے لیے اسی کے مطابق عملاً قانون سازی کی جاتی رہی ہے۔ البتہ زمین کو نقدی کی صورت میں کرایہ پر دینے کی ممانعت صحیح حدیث سے ثابت ہے اور یہ بات معقول بھی ہے۔

قیاس بھی متقاضی ہے کہ زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے  
اسلام کے اصول اور صحیح و صریح نصوص کے پیش نظر قیاس بھی مندرجہ ذیل وجوہ کی بن پر اس بات کا متقاضی ہے کہ خالی زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں

① المحلی۔ ج ۸، ص ۲۲۴۔

② ابن ماجہ، کتاب الرہون: باب الرخصة فی المزارعة بالثلث والربع، ج: ۲۴۶۲، ۲۴۶۳، نحوہ۔

ہونی چاہیے:

(۱) کیونکہ نبی ﷺ نے پیداوار کے متعینہ حصہ مثلاً ایک قطار (خزانہ، ڈھیر) یا دو قطار کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ اور صرف بٹائی کی صورت کو جائز قرار دیا ہے۔ یعنی پیداوار کا متناسب حصہ مثلاً چوتھائی، تہائی یا نصف یا ہماری تعبیر کے مطابق فی صد تناسب (Percentage) مقرر کر کے معاملہ کیا جائے تاکہ پیداوار کے حصول کی صورت میں دونوں شرکاء فائدے میں رہیں اور کسی آفت (آسانی یا زمینی) کی وجہ سے نقصان کی صورت میں دونوں شرکاء نقصان میں بھی شریک رہیں۔ اس کے برخلاف ایک فریق کے حصہ کی تعیین کرنا تاکہ وہ قطعی طور پر فائدہ میں رہے اور دوسرے فریق کو اس غیر یقینی صورت کے حوالہ کرنا کہ اس کے حصہ میں شاید پسینہ بہانے کے سوا کچھ نہ آئے، سود اور جوئے کے معاملہ سے کس قدر مشابہ ہے !!!

اس کے پیش نظر جب ہم زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کے مسئلہ پر غور و فکر کرتے ہیں تو اس میں اور مزارعت کی مذکورہ ممنوع شکل میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ زمین کے مالک کو کرایہ کی صورت میں اپنا نقد حصہ یقینی طور سے ملتا ہے، لیکن مستاجر (کرایہ لینے والا) اپنی محنت و مشقت کو داؤ پر لگاتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ کچھ کمائے گا یا گھائے میں رہے گا۔ اور پیداوار ہوگی بھی یا نہیں؟

(ب) مزید برآں جو شخص زمین کے علاوہ کرایہ پر کوئی اور چیز مکان، گاڑی وغیرہ دیتا ہے۔ وہ اس کا مالک ہوتا ہے اور کرایہ کا استحقاق اسے اس بنا پر حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسے فائدہ اٹھانے کے قابل بنا کر مستاجر کے حوالہ کرتا ہے۔ اور اس کو استعمال میں لانے سے جو گھس (Depreciation) ہوتی رہتی ہے اس کے معاوضہ کا اسے حق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن زمین کو کرایہ پر دینے کے لیے کسی قسم کی تیاری نہیں کرنا پڑتی۔ زمین میں اگانے کی صلاحیت تو زمیندار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور زراعت کے کام میں لانے سے زمین کی گھس نہیں ہوتی، نہ اسے آلات کی طرح زنگ لگتا ہے اور نہ وہ عمارتوں کی طرح بوسیدہ ہی ہوتی ہے۔



(ج) یہ بھی حقیقت ہے کہ جب انسان کوئی مکان کرایہ پر لیتا ہے تو رہائش کے ذریعہ اس سے براہ راست فائدہ اٹھاتا ہے اور درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب کوئی مشین کرایہ پر لیتا ہے تو اس سے بھی اسی طرح فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن زمین کا سے براہ راست استفادہ نہیں کرتا اور نہ اس کا فائدہ اٹھانا یقینی ہوتا ہے۔ زمین کا معاملہ مکان کی طرح نہیں ہے کہ وہ یقینی طور سے فائدہ اٹھا سکے بلکہ جب وہ زمین کرایہ پر لیتا ہے تو فائدہ کی امید پر لیتا ہے اور کوشش و محنت کر کے کبھی فائدہ اٹھا پاتا ہے اور کبھی نہیں اٹھاتا۔ لہذا زمین کے کرایہ کو مکان وغیرہ کے کرایہ پر قیاس کرنا بھی کسی طور پر صحیح نہیں ہے۔

(د) صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے پھلوں کو ان کے پختہ ہونے سے پہلے کھیتوں اور باغوں میں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ ”جب اللہ نے پھلوں سے محروم کر دیا ہو تو تم اپنے بھائی کا مال کس طرح اپنے لیے جائز کر سکتے ہو؟“ ❶

یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ پھلوں کے پختہ ہونے کا آغاز ہو گیا ہو لیکن ابھی ان کے صحیح سالم ہونے کی طرف سے اطمینان نہ کیا جاسکتا ہو۔ ممکن ہے وہ کسی آفت کی زد میں آجائیں اور پھل پک نہ سکیں۔ لہذا خالی زمین جس کو کدال تک نہ لگایا گیا ہو اور نہ اس میں بیج ڈالے گئے ہوں، کرایہ پر دینا کیونکر ممنوع نہ ہوگا؟ اصل میں صحیح اور عادلانہ شکل مزارعت ہی ہے جس میں معاملہ کے دونوں فریق نفع میں بھی شریک ہوتے ہیں اور نقصان میں بھی۔ (اس موضوع پر ملاحظہ ہو ابن حزم المحلی۔ ج ۸، ابن تیمیہ کی ”القواعد النورانیة“ اور ابوالاعلیٰ مودودی کی ”ملکیت الارض فی الاسلام“)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ مزارعت ہی شریعت کے اصول اور طریقہ عدل سے مطابقت رکھنے والی چیز ہے۔ اور کرایہ کے مقابلہ میں مزارعت (بٹائی) کا

❶ بخاری، کتاب البیوع: باب اذا باع الثمار قبل ان یدو صلاحھا، ح / ۲۱۹۸، ۲۱۹۹۔ مسلم، کتاب المساقاة: باب وضع الجوائح، ح / ۱۵۳۵، ۱۵۵۵۔



معاملہ مٹی بر عدل و انصاف اور اصول شریعت کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں فریق نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں بخلاف کرایہ کے کہ اس شکل میں زمین کے مالک کو تو کرایہ مل جاتا ہے لیکن مستاجر (اجرت پر لینے والا) کے حصہ میں کبھی پیداوار آجاتی ہے اور کبھی اسے محروم رہنا پڑتا ہے اور کبھی خود اپنے اصل مال سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔<sup>①</sup>

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس مزارعت پر جو مٹی بر عدل ہے، مسلمان رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں عمل کرتے رہے ہیں۔ مہاجرین میں آل ابوبکر، آل عمر، آل عثمان، آل علی وغیرہ اس پر عمل کرتے رہے۔ اور اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے جواز کے قائل ہیں ابن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ اور یہی مسلک فقہائے حدیث احمد بن حنبل، اہلق بن راہویہ، امام بخاری، داود بن علی، ابن خزمیہ، ابوبکر منذر، محمد بن نصر مروزی کا ہے۔ نیز مسلمانوں کے عام ائمہ مثلاً: لیث بن سعد، ابن ابی لیلیٰ، ابویوسف، محمد بن حسن وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ نبی ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ نصف پیداوار کی شرط پر سیدنا معاملہ کیا تھا جس کو آپ ﷺ نے اپنی وفات تک برقرار رکھا<sup>②</sup> اور بعد میں بھی اس پر عمل درآمد ہوتا رہا یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلا وطن کیا۔ ان کے ساتھ معاملہ اس شرط پر طے ہوا تھا کہ وہ اس کی آباد کاری پر اپنا مال خرچ کریں گے اور بیج بھی ان ہی کے ذمہ ہوں گے۔

اسی لیے ان علماء کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے جو بیج کے بارے میں دونوں صورتوں کو جائز کہتے ہیں۔ ایک صورت یہ کہ بیج کاشت کرنے والے کی طرف سے ہوں اور دوسری صورت یہ کہ کاشت کرنے والے اور مالک زمین دونوں کی طرف سے ہوں۔ (الطرق الحکمیہ۔ ص ۲۵۰)

مزارعت کے سلسلہ میں جتنی روایتیں آتی ہیں ان میں سے کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے جس میں زمین کاشت کرنے والے والے کا حصہ نصف سے کم بتلایا گیا ہو۔ بلکہ بعض

① الحسبة فی الاسلام از ابن تیمیہ، ص ۲۱۔

② بخاری، کتاب الحرث: باب المزارعة بالشرط ونحوہ، ح ۲۳۲۸، مسلم، کتاب المساقاة: باب المساقاة، ح/ ۱۵۵۱۔

صورتوں میں اس سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔ لہذا جس بات پر دل کو اطمینان ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ زمین لگانے والے کا حصہ نصف سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین نے اسی طرح معاملہ کیا تھا۔

اصل میں یہ بات کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ زمین جیسی جامد چیز کا حصہ انسان کے حصہ سے زیادہ قرار پائے۔

### جانوروں کے پالنے میں شرکت

ہمارے ملک میں اور خاص طور سے دیہاتوں کی فضا میں ایک اور معاملہ کیا جاتا ہے اور وہ ہے جانوروں اور مویشیوں کو پالنے میں اشتراک۔ اس میں ایک فریق پوری قیمت یا اس کا ایک جزء ادا کرتا ہے اور دوسرا فریق چرانے اور نگرانی کا کام انجام دیتا ہے۔ اس کے بعد دونوں فریق اس سے حاصل ہونے والی نسل اور منافع کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

شرکت کے اس معاملہ پر ہم اپنی رائے کے اظہار کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کی صورتوں کو بیان کریں۔

❖ پہلی صورت: خالص تجارتی مقصد سے فریقین کا اشتراک، مثلاً: بچھڑوں کو فروبہ کرنے کے لیے پالنا یا گائے بھینس کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالنا وغیرہ۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک فریق روپیہ لگائے دوسرا فریق محنت یعنی نگرانی کا کام کرے۔ ان کے چارہ وغیرہ پر جو خرچ ہو وہ دونوں برداشت کر لیں اور فروخت کرنے کی صورت میں جو قیمت وصول ہو اس میں سے اخراجات وضع کر لیے جائیں اور جو منافع بچ جائے اس کو دونوں آپس میں حسب معاہدہ تقسیم کر لیں۔

یہ بات قرین عدل و انصاف نہیں ہے کہ اخراجات صرف ایک فریق کے ذمہ ہوں اور منافع کی تقسیم کے وقت اس کی کوئی رعایت نہ کی جائے۔

❖ دوسری صورت: ایک فریق مویشیوں کی قیمت ادا کرے اور دوسرا فریق نگرانی کے ساتھ اخراجات بھی کرے۔ ان اخراجات کے عوض وہ مویشیوں کا دودھ حاصل کرے اور ان سے کھیتی اور آب پاشی وغیرہ کی خدمت لے۔ اس میں استحصانا کوئی

خرج نہیں ہے، بشرطیکہ جانور اتنا بڑا ہو کہ اس کا دودھ حاصل کیا جاسکتا ہو اور اس سے کام لیا جاسکتا ہو۔ یہ بات صحیح ہے کہ دوسرا فریق جو اخراجات برداشت کرتا ہے، اس کا اُن اخراجات کے مقابلہ میں دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھانا، مساوی حیثیت میں نہیں ہوتا اور اس میں نقصان کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، لیکن ہم نے استحساناً اس کو جائز کہا ہے اور نقصان کے اس معمولی اندیشہ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیوں کہ اس قسم کی باتوں کو شریعت گوارا کرتی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں رہن کے سلسلہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْظَّهْرُ يَرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يَشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ)) ❶

”رہن رکھے ہوئے جانور پر اس کے اخراجات کے عوض سواری کی جاسکتی ہے اور اس کا دودھ پیا جاسکتا ہے۔ اور اخراجات سواری کرنے اور دودھ پینے والے کے ذمہ ہوں گے۔“

اس حدیث میں نبی ﷺ نے جانور کے (چارہ وغیرہ) کے اخراجات کا معاوضہ اس کی سواری اور دودھ کو قرار دیا۔

جانور کے اخراجات اس کی سواری اور دودھ کے مقابلہ میں زیادہ بھی ہو سکتے اور کم بھی؛ لیکن تعامل کے پیش نظر جب رہن (گروی) کے معاملہ میں اس صورت کو جائز قرار دیا گیا، تو جانوروں سے متعلق شرکت کی مذکورہ صورت کو بھی لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔

مذکورہ حدیث سے ہم نے جو استنباط کیا ہے وہ خاص ہماری رائے ہے۔ اللہ کرے کہ یہ رائے صائب ہو۔

رہا چھوٹے پھٹروں سے متعلق اشتراک کہ جن سے نہ خدمت لی جاسکتی ہو اور نہ ان کا دودھ حاصل کیا جاسکتا ہو، اور اس کی یہ صورت کہ ایک فریق قیمت ادا کرے گا اور دوسرا فریق

❶ بخاری کتاب الرهن: باب الرهن موكوب و محلوب، ح: ۲۵۱۲۔

اخراجات برداشت کرے گا، تو اسلام کے قواعد اس کو مباح تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ جس فریق کے ذمہ اخراجات ہوں گے وہ گھائے میں رہے گا اور دوسرے فریق کا فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی طرح بھی مبنی بر انصاف نہیں ہے۔ جبکہ اسلام تمام معاملات میں انصاف کو جاری و ساری دیکھنا چاہتا ہے۔ ہاں اگر اخراجات برداشت کرنے والے فریق کے لیے انتفاع (نفع) کی صورت پیدا ہونے تک دونوں فریق اخراجات باہم تقسیم کر لیں تو ہماری رائے (خیال کے مطابق) میں جائز ہوگا۔



## کھیل اور تفریح

اسلام واقعیت پسند دین ہے جو انسان کو وہم و خیال کے دائرہ میں بند کر کے نہیں رکھتا، بلکہ اسی زمین پر جو حقائق و واقعات کی زمین ہے رہنا سکھاتا ہے، وہ لوگوں کو آسمان میں پرواز کرنے والے فرشتے سمجھ کر معاملہ نہیں کرتا، بلکہ کھانا کھانے والے اور بازار میں چلنے پھرنے والے انسان سمجھ کر معاملہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے لوگوں پر یہ فرض گراں عائد نہیں کیا ہے کہ اس کی ہر بات ذکر اور ہر خاموشی فکر ہو۔ یا وہ صرف قرآن سماعت کریں اور اپنے تمام فارغ اوقات مسجد میں گزاریں بلکہ وہ ان کی فطرت اور ان کے طبائع کا پورا پورا لحاظ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ہی اس طور سے فرمائی ہے کہ جس طرح کھانا اور پینا تقاضائے فطرت ہے اسی طرح شاداں و فرحاں رہنا اور ہنسنا اور کھیلنا بھی اس کی سرشت میں داخل ہے۔

### ہر وقت یکساں کیفیت نہیں رہتی

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم روحانیت کے غلبہ کے نتیجہ میں یہ خیال کرنے لگے کہ انہیں ہمیشہ عبادت میں سرگرم رہنا چاہیے اور دنیا کے فوائد و لذائذ سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیے۔ کھیل اور تفریح سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے بلکہ تمام تر توجہ آخرت اور اس کے تقاضوں کی طرف مبذول ہونی چاہیے۔

اس سلسلہ میں ایک جلیل القدر صحابی سیدنا حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ کا قصہ سننے کے قابل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے۔ موصوف فرماتے ہیں: مجھ سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ملے اور پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: حنظلہ منافق ہو گیا۔ فرمایا سبحان اللہ! کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں ہوتے ہیں اور آپ ﷺ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ

رہے ہیں۔ لیکن جب ہم آپ ﷺ کی صحبت میں نہیں رہتے تو عورتوں، بچوں اور کاروبار میں دل لگ جاتا ہے اور جنت و دوزخ کو ہم بھول جاتے ہیں۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارا بھی یہی حال ہے۔ سیدنا حنظلہ کہتے ہیں: پھر میں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! حنظلہ منافق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جب آپ ﷺ کی خدمت میں رہتے ہیں اور آپ ﷺ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے ان فرشتوں کو دیکھ رہے ہیں، لیکن جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور کاروبار میں دل لگ جاتا ہے اور جنت و دوزخ کو بھول جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری صحبت میں تم جو کیفیت محسوس کرتے ہو اگر ہمہ وقت اسی پر قائم رہو اور (جنت و دوزخ کو) اسی طرح یاد کرتے رہو تو فرشتے (آسمان سے) آکر تم سے بستروں اور راستوں میں مصافحہ کرتے۔ لیکن اے حنظلہ! ہمیشہ یکساں کیفیت نہیں رہتی۔“ ❶

### رسول اللہ ﷺ ایک انسان تھے

آپ ﷺ کی حیات طیبہ انسانی زندگی کے لیے نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ ﷺ خلوت میں خشوع و خضوع کے ساتھ اس طرح نماز پڑھا کرتے کہ طویل قیام کرنے سے آپ ﷺ کے قدموں پر درم آ جاتا۔ ❷ آپ ﷺ کا اسوہ حق کے معاملہ میں یہ تھا کہ اللہ کی خاطر کسی کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کی زندگی ایک انسان ہی کی زندگی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ پاکیزہ چیزوں کو پسند فرماتے، خوش ہونا، مسکرانا اور ہنسی دل لگی کرنا، آپ ﷺ کے مزاج مبارک کی خصوصیات تھیں۔ البتہ آپ ﷺ کوئی ایسی بات نہ فرماتے جو خلاف حق ہوتی۔

❶ مسلم، کتاب التوبہ: باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرة، ح/ ۲۷۵۰۔

❷ بخاری، کتاب التہجد: باب قیام النبی ﷺ اللیل، ح/ ۱۱۳۰۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین: باب اکثار الاعمال، ح/ ۲۸۱۹، ۲۸۲۰۔

نبی ﷺ خوشی اور مسرت کو پسند فرماتے اور غم اور تکلیف کو ناپسند کرتے اور اکثر یہ دعا فرماتے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ)) ①

”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں پریشانی اور غم سے۔“

آپ ﷺ جس طرح خوش طبعی فرماتے تھے آپ کو اس کا اندازہ اس واقع سے ہوگا کہ ایک بڑھیا حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے لیے جنت کی دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی۔“ یہ سن کر وہ بڑھیا گھبرا گئی اور رونے لگی۔ آپ ﷺ نے اس کا یہ حال دیکھا تو فرمایا: ”بڑھیا جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ اسے نئی خلقت عطا فرمائے گا اور وہ نوجوان کنواری بن کر جنت میں داخل ہوگی۔ آپ ﷺ نے (اس کی تائید میں) یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۖ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۚ عُرُبًا أَتْرَابًا﴾ ②

(الواقعة: ۵۶/۳۵ تا ۳۷)

”ہم ان کو خاص طور پر نئی خلقت عطا کریں گے اور انہیں باکرہ (کنواری)

بنائیں گے اپنے شوہروں کو محبوب رکھنے والیاں اور ہم عمر۔“ ③

دل اُکتا جاتے ہیں

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے پاکیزہ نفوس ہتے کھیلے اور دل لگی کی باتیں کرتے تھے وہ اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے نفس کو محظوظ کرتے اور راحتِ قلب کا سامان کرتے تاکہ تازہ دم ہو کر اور سبک رفتاری کے ساتھ کام کر سکیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جس کی طرح دل کو بھی مکان لاحق ہوتی ہے لہذا دلی مکان کو ہلکا کرنے کے لیے عجائبِ حکمت بیان کرو۔“ نیز فرمایا: ”دلوں کو وقفہ وقفہ سے آرام

① ابوداؤد، کتاب الوتر: باب فی الاستعاذۃ ح/ ۱۵۵۵۔ واسنادہ ضعیف۔ لکن اخرجہ البخاری وغیرہ من حدیث انس رضی اللہ عنہ لفظ انظر کتاب الدعوات: باب التعوذ من غلبة الرجال ح: ۶۳۶۳۔

② ترمذی فی الشمائل (ح/ ۲۴۱)

دو کیونکہ دل کی ناخوشگواہی اسے اندھا بنا دیتی ہے۔“ ❶

اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میں اپنے نفس کو کسی قدر باطل سے دل لگی کرنے دیتا ہوں تاکہ اس سے حق پر چلنے میں مدد ملے۔“

غرضیکہ ہنسی مذاق کی باتیں کرنے میں جس سے انبساط کی کیفیت پیدا ہو، کوئی حرج نہیں ہے۔ اور نہ اس بات میں کوئی حرج ہے کہ مباح کھیل کے ذریعہ اپنے دل کو اور اپنے ساتھیوں کے دل کو بہلانے کا سامان کیا جائے بشرطیکہ اسے مستقل عادت نہ بنا لیا جائے۔ کہ صبح و شام کا مشغلہ یہی بن کر رہ جائے اور جس کے نتیجے میں آدمی اپنی حقیقی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے لگے، نیز جہاں سنجیدگی اختیار کرنے کی صورت ہو وہاں ہنسی مذاق کرنے لگے۔ اسی لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

”بات چیت میں مذاق اسی قدر ہونا چاہیے جس قدر کہ کھانے میں نمک۔“

اسی طرح ایک مسلمان کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کی عزت اور ان کی قدر و منزلت کا خیال نہ کرے اور ان کا مذاق اڑانے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾

(الحجرات: ۴۹/۱۱)

”اے ایمان والو! لوگ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔“

اور نہ ہی کسی مسلمان کے لیے یہ بات روا ہے کہ وہ لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ سے کام لے۔ اس سے بچنے کی ہدایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ لِيُضْحِكَ مِنْهُ الْقَوْمُ فَيَكْذِبُ

وَيْلٌ لَهُ، وَيْلٌ لَهُ)) ❷

❶ جامع بیان العلم وفضله (۱/۱۳۶)۔

❷ ابو داؤد، کتاب الادب: باب فی التشدید فی الکذب، ح/ ۴۹۹۰۔ ترمذی، کتاب الزہد: باب فیمن تکلم بکلمۃ یضحک بها الناس، ح/ ۲۳۱۵۔



”تباہی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہسانے کی خاطر جھوٹی باتیں کرتا ہے۔“

اس کے لیے تباہی ہے اس کے لیے تباہی ہے۔“

### جائز کھیل کی قسمیں

تفریح کی کتنی ہی قسمیں اور کھیل کے کتنے ہی جھوٹے طور طریقے ایسے ہیں جن کو نبی ﷺ نے مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیا ہے تاکہ ان کے بارِ خاطر کو ہلکا کرنے اور ان کے لیے تفریح طبع کا سامان ہو۔ یہ کھیل ایسے ہیں جو عبادات اور واجبات کی ادائیگی پر بلکہ ان کاموں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے پر، انسان کو آمادہ کرتے ہیں، نیز ان ورزشی کھیلوں کے ذریعہ ایسی ٹریننگ حاصل ہوتی ہے جو قوت میں اضافہ کا موجب ہوتی ہے اور اس سے آدمی میدانِ جہاد کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ درج ذیل کھیل اسی قبیل سے ہیں:

### دوڑ میں مقابلہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوڑ میں مقابلہ کرتے تھے اور نبی ﷺ انہیں ایسا کرنے دیتے۔ روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دوڑ لگانے میں بہت تیز تھے۔<sup>①</sup>

نبی ﷺ خود اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کو خوش کرنے کی خاطر اور صحابہ کو تعلیم دینے کی غرض سے، دوڑ میں مقابلہ کرتے تھے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے دوڑ میں میرا مقابلہ کیا تو میں آگے نکل گئی۔ پھر جب میرا جسم بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے مسابقت میں مجھے ہرا دیا اور فرمایا۔ ”یہ اس وقت کا بدلہ ہے۔“<sup>②</sup>

### کشتی لڑنا

نبی ﷺ نے مشہور پہلوان رُکبانہ کے ساتھ کشتی لڑی اور اس کو کئی بار پچھاڑ دیا۔<sup>③</sup>

① سنن دار قطنی (۳۰۵۴) بیہقی (۲۲/۱۰) واسنادہ ضعیف۔

② مسند احمد (۲/۲۶۴۳۹) ابوداؤد: کتاب الجہاد: باب فی السبق علی الرجل: ح: ۲۵۷۸۔ ورواہ ابن ماجہ فی کتاب النکاح (۱۹۷۹) مختصر آجداً۔

③ ابوداؤد: کتاب اللباس: باب فی العمائم: ح/ ۴۰۷۸: ترمذی: کتاب اللباس: باب العمائم علی الفلانس: ح: ۱۷۸۴۔

فقہاء نے ان احادیث سے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ دوڑ میں مقابلہ کرنا جائز ہے خواہ مرد باہم دوڑ لگائیں یا محرم عورتوں یا اپنی بیویوں کے ساتھ دوڑ لگائیں۔ دوڑ کا یہ مقابلہ اور کشتی لڑنا، وقار و شرف، علم و فضل اور عمر کی بزرگی کے کسی طرح بھی خلاف نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑے تھے تو آپ ﷺ کی عمر پچاس سے زیادہ تھی۔

### تیر اندازی

ایک جائز فنی کھیل تیر اندازی اور نیزہ چلانا بھی ہے۔

”نبی ﷺ جب صحابہ کرام کو تیر اندازی میں مشغول دیکھتے تو ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور کہتے: ”تیر چلاؤ اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ ❶

آپ ﷺ کے نزدیک تیر اندازی، کھیل اور شوقیہ چیز نہیں تھی بلکہ یہ ایک قسم کی قوت تھی جس کی فراہمی کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال: ۶۰)

”اور جہاں تک ہو سکے ان کے مقابلہ کے لیے قوت فراہم کرو۔“

چنانچہ آپ ﷺ اس آیت کی تفسیروں فرماتے ہیں:

((الْأَلَانَ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ، الْإِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ)) ❷

”سنو! قوت، تیر اندازی میں ہے سنو! قوت، تیر اندازی میں ہے سنو! قوت،

تیر اندازی میں ہے۔“

نیز فرماتے:

((عَلَيْكُمْ بِالرَّمِي فَإِنَّهُ مِنْ خَيْرِ لَهْوِكُمْ)) ❸

”تم تیر اندازی ضرور سیکھو کیونکہ یہ بہترین کھیل ہے۔“

❶ بخاری، کتاب الجہاد: باب التحريض على الرمي، ح: ۲۸۹۹۔

❷ مسلم، کتاب الامارۃ: باب فضل الرمي والحث عليه، ح: ۱۹۱۷۔

❸ مجمع الزوائد (۵/۲۶۸) بحوالہ البزار (۱۷۰۱) والطبرانی فی الاوسط (۳/۳۹ ح/ ۲۰۷۰) والخطیب فی ”الموضح الاوهام“ (۲/۵۲)۔

البتہ آپ ﷺ نے پالتو جانوروں وغیرہ کو نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ بعض عرب زمانہ جاہلیت میں اس کے عادی تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ لوگوں کو اس قسم کی حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”نبی ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی ذی روح جاندار کو ہدف بنالے۔“ ❶

آپ ﷺ نے اس وجہ سے لعنت فرمائی ہے کہ اس سے حیوان کو تکلیف پہنچتی اور اس کی جان ضائع ہو جاتی ہے۔ مزید برآں یہ مال کا ضیاع بھی ہے۔ اور کسی طرح بھی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کسی ذی روح جاندار کو تکلیف پہنچا کر اپنی تفریح کا سامان کرے۔

اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جانوروں کو باہم لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ ❷ مالک دو میٹھوں یا دو بیلوں کو اشتعال دلا کر باہم سیٹگوں سے لڑاتے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتے لیکن انہیں یہ تماشا دیکھ کر خوشی ہوتی۔ علماء کہتے ہیں نبی ﷺ نے اس لیے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے نیز یہ ایک بے فائدہ اور عبث کام ہے۔

### نیزہ چلانا

تیر اندازی کی طرح ایک کھیل نیزہ چلانا بھی ہے۔

نبی ﷺ نے حبشیوں کو مسجد نبوی میں نیزہ کا کھیل کھیلنے کی اجازت دی تھی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اجازت دی تھی کہ ان کا کھیل دیکھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حبشیوں کو اس سے روکنا چاہا لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: ”عمر انہیں چھوڑ دو۔“ ❸

مسجد میں اس کھیل کی اجازت دے کر آپ ﷺ نے بڑی فراخی اور وسعت ظرفی کا ثبوت دیا تاکہ دین اور دنیا دونوں کو جمع کیا جاسکے۔ یہ محض کھیل نہیں تھا بلکہ ورزش بھی تھی

❶ بخاری، کتاب الذبائح: باب ما یکرہ من المثلۃ والمصبورة، ح/ ۵۵۱۵۔ مسلم، کتاب الصيد: باب النہی عن صبر البہائم، ح: ۱۹۵۸۔

❷ ابوداؤد، کتاب الجہاد: باب فی التحریش بین البہائم، ح/ ۲۵۶۲۔ ترمذی، کتاب الجہاد: باب ماجاء فی کراہیۃ التحریش بین البہائم، ح/ ۱۷۰۸۔ واسنادہ ضعیف۔

❸ بخاری، کتاب الجہاد: باب اللہو بالحرب ونحوہا، ح: ۲۹۰۱۔ مسلم، کتاب صلاۃ العیدین: باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصیۃ فیہ، ح: ۸۹۳۔

اور ٹریننگ بھی۔ مذکورہ حدیث کے پیش نظر علماء کہتے ہیں کہ مسجد تمام مسلمانوں کے معاملات کا مرکز ہے لہذا جو کام بھی دین اور اہل دین کی منفعت کے ہوں، ان کو اس میں انجام دینا جائز ہے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو اس تلخ حقیقت پر غور کرنا چاہیے کہ ان کی مسجدیں کس طرح زندگی کے حقائق اور قوت سے خالی ہو گئی ہیں!

گھوڑے پر سواری

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ (النحل: ۸/۱۶)

”اس نے گھوڑے اور خیر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور رونق کا کام دیں۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْخَيْلُ مَعْقُودٌ بِنَوَاصِيهَا الْخَيْرُ)) ❶

”گھوڑوں کی پیشانیاں خیر سے بندھی ہوئی ہیں۔“

نیز فرمایا:

((ارْمُوا وَارْكَبُوا)) ❷

”تیر چلاؤ اور سواری کرو۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اپنی اولاد کو تیرا کی اور تیر اندازی سکھاؤ اور ان سے کہو کہ وہ گھوڑے پر چھلانگ لگا کر سوار ہوں۔“

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ”نبی ﷺ نے گھوڑوں کا مقابلہ کرایا اور آگے نکل جانے والے کو انعام دیا۔“ ❸

❶ بخاری، کتاب الجہاد: باب الخیل معقود فی نواصیہا الخیر، ج: ۲۸۵۰۔ مسلم، کتاب الامارۃ: باب فضیلۃ الخیل، ج: ۱۸۷۳۔

❷ مسند احمد (۴/۱۴۴، ۱۴۸) ترمذی، کتاب فضائل الجہاد: باب ماجاء فی فضل الرمی فی سبیل اللہ، ج: ۱۶۳۷، ابن ماجہ، کتاب الجہاد: باب الرمی فی سبیل اللہ، ج: ۲۸۱۱۔ واسنادہ ضعیف۔

❸ مسند احمد (۲/۹۱) وللحدیث شواہد۔

یہ گھوڑ دوڑ کی حوصلہ افزائی کے لیے تھا، کیونکہ یہ ورزش بھی ہے اور ٹریننگ بھی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ حضرات عہد رسالت میں بازی لگاتے تھے اور کیا رسول اللہ ﷺ خود بازی لگاتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے ایک گھوڑے کی بازی لگائی تھی جس کا نام سبوح تھا، چنانچہ وہ سب لوگوں پر سبقت لے گیا اور یہ دیکھ کر آپ ﷺ خوش ہو گئے۔<sup>①</sup>

مباح بازی کی صورت یہ ہے کہ انعام، دوڑ میں حصہ لینے والے فریقین کی جانب سے نہ ہو بلکہ کسی اور کی جانب سے ہو۔ یا صرف ایک فریق کی جانب سے ہو۔ لیکن اگر فریقین کی جانب سے انعام ہو کہ جو سبقت لے جائے گا اس کو انعام ملے گا تو یہ بجا ہے جو ممنوع ہے اور اس قسم کے گھوڑے کو جو جوئے کے لیے استعمال کیا جائے، آپ ﷺ نے شیطانی گھوڑے سے تعبیر کیا ہے اور اس کی قیمت وغیرہ کو گناہ قرار دیا ہے۔<sup>②</sup>

آپ ﷺ نے فرمایا: ”گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک رحمن کے لیے دوسرا انسان کے لیے اور تیسرا شیطان کے لیے۔ تو جو گھوڑا رحمن کے لیے ہوتا ہے وہ اللہ کی راہ میں باندھا جاتا ہے۔ اور جو شیطان کے لیے ہوتا ہے وہ جوئے (ریس) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جو انسان کے لیے ہوتا ہے اسے آدمی افزائش نسل کے لیے پالتا ہے اور اس کی محتاجی دور کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔“<sup>③</sup>

### شکار کرنا

ایک مفید تفریح جس کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے، وہ شکار کرنا ہے۔ اس سے آدمی فائدہ بھی اٹھاتا ہے اور ورزش بھی خوب ہوتی ہے۔ نیز یہ کمائی کا ذریعہ بھی ہے۔ شکار خواہ تیز نیزہ ہندوق وغیرہ جیسے کسی آلہ کے ذریعہ کیا جائے یا شکاری کتوں اور پرندوں کے ذریعہ، تمام مذکورہ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ رہے شرائط تو ان کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا۔

① مسند احمد (۳/ ۲۵۶، ۱۶۰)۔ سنن الدارمی (۲/ ۲۱۲-۲۱۳)

② مسند احمد (۴/ ۵۶۹، ۳۸۱) نحو المعنی۔

③ مسند احمد (۱/ ۳۹۵)۔ مسند الشاشی (۸۳۲)۔ بیہقی (۲۱۱۰)۔

اسلام نے شکار صرف دو حالتوں میں ممنوع قرار دیا ہے ایک حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں اور دوسرے حرم مکہ کے اندر، کیونکہ اسلام نے اس کو امن و سلامتی کا علاقہ قرار دیا ہے۔

### چوسر کا کھیل

ہر وہ کھیل جس میں جوا ہو، حرام ہے۔ اور جوا ہر وہ کھیل ہے جو نفع یا نقصان سے خالی نہ ہو۔ یہی وہ ”میسر“ ہے جس کا ذکر قرآن نے شراب، تھانوں اور پانسوں کے حرام قرار دینے ساتھ کیا ہے۔<sup>①</sup> حدیث نبوی ہے۔ ”جو اپنے ساتھی سے کہے کہ آؤ ہم جوا کھیلیں اسے چاہیے کہ صدقہ کرے۔“<sup>②</sup>

یعنی مجرد جوئے کی طرف بلانا بھی گناہ ہے جس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ شخص صدقہ کرے۔ چوسر کا کھیل بھی اسی قبیل سے ہے۔ جب اس کے ساتھ جوا بھی لگا ہوا ہو تو باتفاق رائے حرام ہے۔ اور اگر اس میں جوا شامل نہ ہو تو علماء کے ایک گروہ کے نزدیک حرام ہے جبکہ بعض اسے حرام نہیں بلکہ مکروہ کہتے ہیں۔ جو علماء حرمت کے قائل ہیں ان کی دلیل سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شَبِيرَ فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمٍ خَنْزِيرٍ وَدَمِهِ))<sup>③</sup>  
 ”جس نے نرد شیر (چوسر) کا کھیل کھیل اس نے گویا اپنے ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیے۔“

اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ))<sup>④</sup>

① سورة المائدة: ۹۰، ۹۱۔

② بخاری، کتاب الایمان: باب لا یحلف باللات والعزی، ح: ۶۶۵۰۔ مسلم، کتاب الایمان: باب من حلف باللات والعزی، ح: ۱۶۴۷۔

③ مسند حمد (۳۵۲/۵)۔ مسلم، کتاب الشعر: باب تحریم اللعب بالنرد، ح: ۲۲۶۰۔

④ مسند احمد (۳۹۴/۴)۔ ابوداؤد، کتاب الادب: باب فی النهی عن اللعب بالنرد، ح: (۴۹۳۸)، ابن ماجہ، کتاب الادب: باب اللعب بالنرد، ح: ۳۷۶۲،

”جس نے چوسر کا کھیل کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔“  
یہ دونوں حدیثیں اپنے مضمون میں صریح ہیں اور ہر چوسر کھیلنے والے پر منطبق ہوتی ہیں خواہ اس میں جوئے کا عنصر شامل ہو یا نہ ہو۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”منقول ہے کہ ابن مغفل اور ابن مسیب نے چوسر کے کھیل کو جو جوئے سے خالی ہو جائز کہا ہے۔“ (نیل الاوطار: ۸-۱۰۷) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ احادیث کو جوئے کے کھیل پر محمول کیا ہے۔

### شطرنج کا کھیل

کھیل کی ایک مشہور قسم شطرنج ہے جس کے حکم کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ کوئی جواز کا قائل ہے تو کوئی کراہت کا اور کسی کے نزدیک حرام ہے۔ جو فقہاء حرمت کے قائل ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن ناقدین حدیث نے ان احادیث کو رد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شطرنج کا وجود صحابہ کے زمانہ سے پہلے نہ تھا اس لیے جو حدیثیں بھی اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں وہ باطل ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس معاملہ میں مختلف الرائے تھے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”یہ چوسر سے بدتر ہے۔“ ① اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”یہ جوئے کی ایک قسم ہے۔“ ② (غالباً آپ کی مراد اس شطرنج سے ہے جس میں جو شامل ہو) اور بعض صحابہ سے کراہت بھی منقول ہے۔ لیکن بعض صحابہ اور تابعین سے اس کا جواز منقول ہے مثلاً ابن عباس، ابو ہریرہ، ابن سیرین، ہشام بن عروہ، سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم۔ ③

راقم السطور کی رائے بھی ان اصحاب ہی کے مسلک کے مطابق ہے یعنی اس معاملہ میں اصل جواز ہے۔ اور کوئی نص ایسی وارد نہیں ہوئی ہے جو حرمت پر دلالت کرتی ہو۔ علاوہ ازیں اس میں ذہنی ورزش اور فکری تربیت کا سامان بھی ہے۔ اس لیے اس کو چوسر سے مختلف سمجھنا چاہیے۔ اور اسی بنا پر ان اصحاب کا کہنا ہے کہ چوسر کی خصوصیت محظوظ ہونا ہے، اس لیے وہ پانسوں سے مشابہ ہے، لیکن شطرنج کی خصوصیت ذہانت و تدبیر ہے اس لیے وہ تیر

① تفسیر الدر المنثور (۳/۱۶۹)۔

② تفسیر الدر المنثور (۳/۱۶۸)۔

③ للتفصیل نیل الاوطار ۸/۱۰۷-۱۰۸۔

اندازی سے مشابہ ہے۔

جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ تین شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں:

① اس کی وجہ سے نماز اپنے وقت سے مؤخر نہ ہونے پائے (فرض فوت نہ ہو)۔ کیونکہ اس میں سب سے بڑا خطرہ نماز کے اوقات کی پابندی نہ کرنے ہی کا ہے۔

② اس میں جو اشامل نہ ہو۔ ③

① مصنف کا شرطی کو کسی بھی شرط کے ساتھ مشروط کر کے یا بلا شرط جائز قرار دینا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ عبد اللہ بن نافع کہتے ہیں: ”ہمارے تمام علماء اس (شرطی) کو برا سمجھتے تھے۔“ [شعب الایمان: ۲۳۳/۵، حدیث: ۶۵۲۸] سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو شرطی کھیلنے دیکھا تو فرمایا: ”کوئلے کو اس کے بجھنے تک ہاتھ میں تھامے رکھو، یہ تمہارے لیے شرطی کھیلنے سے بہتر ہے۔“ اور آپ رضی اللہ عنہ نے شرطی کھیلنے والوں سے کہا تھا: ”تم اس کام کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔“ اور آپ رضی اللہ عنہ نے غصے کی شدت میں شرطی کھیلنے والوں کے چروں پر تھنر مار کر انہیں سزا دینے کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔ ”سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے شرطی کھیلنے کو برا سمجھتے تھے۔“ [سنن البیہقی الکبریٰ: ۱۰/۲۱۲] امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے شرطی کھیلنے والے کی گواہی کو رد کر دینا بہتر خیال کیا ہے۔ [شعب الایمان: ۲۳۳/۵، حدیث: ۶۵۲۷] شرطی کھیلنا وقت کا ضیاع ہے۔ مومن ایسی فضول کھیلوں سے گریز کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بہتر اسلام کی علامت یہی ہے کہ انسان فضول کاموں کو چھوڑ دے۔“ [سنن الترمذی: کتاب الزہد، باب فیمن تکلم بکلمۃ.... (باب)، حدیث: ۲۳۱۸] وقت کو غیر ضروری امور میں ضائع کرنا مومن کی شان نہیں۔ لہذا ایسی کھیلوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ مصنف نے شرطی کو ذہنی ورزش کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور نماز وغیرہ کے وقت کا خیال رکھنے کی شرط کے ساتھ مشروط کر کے جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ یہ دونوں باتیں غلط اور باطل ہیں۔ اگر شرطی میں ذہنی ورزش یا کسی بھی قسم کا مثبت و منفید پہلو موجود ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی شدید الفاظ میں مذمت کر کے کبھی اس سے منع نہ کرتے۔ اور مصنف نے تو یہ بھی موقف اپنایا ہے کہ اس کھیل سے نماز کے اوقات میں تاخیر کا خدشہ ہوتا ہے لہذا اگر نمازوں کے اوقات کا خیال رکھا جائے تو شرطی کھیلنا جائز ہے۔ .... واہ سبحان اللہ..... پھر تو مصنف کے پاس بہت سی بدعنوانیوں، بری عادات اور اخلاقی و سماجی برائیوں کی ایک لمبی فہرست موجود ہوگی جن کو صرف اس شرط پر جائز قرار دیا ہوگا کہ تم یہ برائیاں بھی کرتے جاؤ اور صحیح وقت پر نماز کی ادائیگی کا بھی خیال رکھو تو کوئی حرج نہیں۔ .... انا للہ وانا الیہ راجعون.... حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو تفریحی امور سے لطف اندوز ہونے کے مواقع فراہم کرتا اور صحت مند و تربیتی کھیلوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ایسے تفریحی کھیلوں کی یقیناً حوصلہ شکنی کرتا ہے جو انسان کو سست، کاہل، کنہا اور ایمانی جذبات میں سرگردیں۔ اور عبادت و ذکر الہی سے دور کر دیں۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ اسلام کسی بھی کھیل کو محض اس لیے حرام قرار نہیں دیتا کہ اس سے نمازوں کے اوقات متاثر ہوں گے، یا انسان عبادات کو بروقت ادا کرنے میں کاہلی کرے گا۔ بلکہ جو کھیل اسلام میں ممنوع، حرام یا برا تصور کیا جاتا ہے اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں پنپاں ہوتی ہیں۔



کھینے والا کھیل کے دوران اپنی زبان کو فحش اور بدکلامی سے محفوظ رکھے۔  
اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی پابندی نہ کی جائے تو یہ کھیل حرام ہوگا۔

### گانا اور موسیقی

کھیل کی ایک قسم ایسی ہے جو نفس کے لیے باعث سکون، دل کے لیے خوش کن اور کانوں میں رس گھولنے والی ہے۔ اور وہ ہے گانا۔ ❶ اسلام نے اس کو مباح قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ فحش، بدکلامی یا گناہ پر ابھارنے والی باتوں پر مشتمل نہ ہو۔ اگر اس کے ساتھ ایسی موسیقی ہو جس سے جذبات برا بیچتے نہ ہوتے ہوں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ❷

ہیں۔ شطرنج اور اس کی طرح کے دیگر کھیلوں میں مشغول رہنے والا شخص کبھی بھی نمازوں یا دیگر عبادات کے اوقات کا لحاظ نہیں کرتا اور ان کھیلوں میں بہت حد تک جو ابھی لازم شامل ہوتا ہے۔ جو کہ اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ بالفرض ہم مصنف کی عائد کردہ شرط کو ایک لمحے کے لیے قبول کر کے شطرنج وغیرہ کو جائز قرار دے دیں تو پھر بھی یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ جو عمل عرف عام یعنی سمجھدار، معزز اور سنجیدہ لوگوں میں بالخصوص اور عوام الناس کی نظر میں بالعموم برے اور آوارہ منش لوگوں کی طرف منسوب کیا جائے اسے کھیلنا یا اس کے کھیل جانے کی محفل میں بیٹھنا بھی ناجائز و نامناسب ہے۔ [امان اللہ عاظم]

❶ گانے کے بارے میں غامدی نظریات اور اس جیسے لوگوں کی تردید کے لیے مولانا ارشاد الحق اثری کی کتاب ”اسلام اور موسیقی“ ملاحظہ کریں۔ ..... کا موقف برحق ہے۔

❷ مصنف نے موسیقی کو جائز قرار دینے کے لیے خود ساختہ اصول بیان کیے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے تحت جائزہ لیا جائے تو یہ تمام اصول باطل، بے بنیاد اور شیطانی جذبات کو تقویت دینے والے ہیں۔ مصنف کا یہ کہنا ہے کہ گانا نفس کو سکون اور دل کو خوشی دینے والا کھیل ہے۔ اسلام نے اسے مباح قرار دیا ہے۔ ہم یہاں گزارش کریں گے کہ گانے کو اگر اس وجہ سے جائز قرار دیا جائے کہ اس سے دل کو سکون ملتا ہے تو مصنف کہاں تک دوڑیں گے؟ اگر کوئی آدمی چوری کرنے میں دلی سکون محسوس کرتا ہے تو کیا مصنف اسے بھی جواز کا فتویٰ دینے کو تیار ہیں؟ کوئی قتل کرنے، زنا کرنے، لڑائی جھگڑا کرانے میں خوش رہتا اور دلی سکون محسوس کرتا ہے تو فاضل مصنف ان کے بارے کیا ارشاد فرمائیں گے؟ کیا ان کو بھی ”...کوئی حرج نہیں ہے“ کا فتویٰ دیں گے؟ اسلام ہمارے رجحانات یا ہمارے شوق کے مطابق حکم صادر نہیں کرتا اور نہ ہی کسی چیز کو محض اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیتا ہے کہ اس کے کرنے والے کو اگر قلبی سکون ملے تو اس کام کا کرنا جائز ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسانی روح کی غذا اور قلبی سکون صرف اور صرف اللہ کی یاد اور ذکر میں ہے۔ [سورۃ الرعد: ۱۳، ۲۸] اور گانا گانے جیسے قبیح فعل کو اسلام کی طرف منسوب کر کے اس کے مباح ہونے کا فتویٰ دینا تو انتہا درجہ مذموم جسارت ہے۔ گانا گانے کو مطلقاً جائز کہنا علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ جن مواقع کو سامنے رکھتے ہوئے جواز کی صورت نکالی جاتی ہے۔ وہ اپنی نوعیت کے مخصوص مواقع ہیں۔ انہی سے

خوشی کے مواقع پر اظہارِ مسرت کے لیے یہ چیزیں پسندیدہ ہیں۔ مثلاً: عید، مہمان کی آمد، ولیمہ، عقیقہ اور بچوں کی ولادت وغیرہ کے موقع پر۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

”واقعات کی روشنی میں چند حدودِ قیود بھی سامنے آتی ہیں۔ یعنی کسی موقع پر کم سن بچیاں کچھ گنگنائی ہیں تو کسی موقع پر صرف خواتین کی خالص مجلس ہے؛ جہاں مردوں کا دور دور تک تصور نہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۹۴۹، ۹۵۲، ۹۸۷، ۲۹۰۶، ۳۵۲۹ اور دیگر کتب احادیث کی صحیح روایات میں مذکور ہے۔ اور وہ بچیاں باقاعدہ مغنیات (گانے والیاں، گلوکارائیں) نہیں تھیں۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے۔ [دیکھئے: صحیح بخاری، حدیث: ۹۵۲، صحیح مسلم، حدیث: ۸۹۲، ابن ماجہ، حدیث: ۱۸۹۸] یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ وہ کون سے کلمات تھے جو وہ بچیاں گارہی تھیں۔ گانے کو اس کی حدود سے اگر متجاوز کریں گے تو مرد و زن کا اختلاط، بے ہودہ شاعری، فحش اشارے اور بے حیائی کے حالات کا واقع ہونا لازمی نظر آتا ہے۔ ان تمام تر مقاصد کے پیش نظر اسلام نے کہیں ایسا تصور بھی نہیں دیا کہ بالغ خواتین اور مردگانے کی حفلیں سجاتے پھریں۔ صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث میں مذکور ہے کہ وہ گانے والی نابالغ بچیاں تھیں اور شہداء بدر کی بہادری کے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ ایک بچی نے یوں کہہ دیا کہ ہمارے درمیان ہمارے نبی ﷺ موجود ہیں جو کل (مستقبل) کے حالات جانتے ہیں تو اس بچی کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ بات مت کہو، جو پہلے کہہ رہی تھی (یعنی شہداء کی بہادری بیان کر رہی تھی) وہی بات کہو۔“

[اصحیح البخاری: کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ، حدیث: ۵۱۴۷] مزید وضاحت کے لیے اور گانے کو جائز قرار دینے والوں کے دلائل کا جائزہ اور حقیقت مسئلہ جاننے کے لیے محقق دوران، فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق ارشاد الحق رحمہ اللہ کی کتاب ”اسلام اور موسیقی“ کا مطالعہ ضرور کیجیے۔ علامہ یوسف قرضاوی کا یہ کہنا بھی قابلِ مذمت ہے کہ ”اگر اس (گانے) کے ساتھ ایسی موسیقی ہے جس سے جذبات برپا ہوتے ہیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔“ نہ جانے یہ کہاں سے اخذ شدہ اصول ہے۔ مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ چھوٹی بچیاں اگر کسی خوشی کے موقع پر دف بجائے گا اہتمام کر لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن گانے کا جواز ثابت کرتے کرتے موسیقی کو بھی جائز قرار دینے کی جرأت تو بہر حال قابلِ مذمت، بے بنیاد اور بیمار دل کی خام خیالی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور طبلے سارنگیاں (یعنی آلات موسیقی کا استعمال) تمہارے لیے حرام قرار دیا ہے۔“ [سنن ابی داؤد: کتاب الأشربة، باب فی الأوعیۃ، حدیث: ۳۶۹۶] ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں زمیں میں دھنسا اور شکلیں بدلنا جیسے عذاب آنے لگیں گے۔“ ایک صحابی نے پوچھا: آقا! ایسا کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب گانا گانے والی گلوکارائیں، ڈھول، طبلے (یعنی میوزیکل پروگرامز) اور شراب نوشی عام ہو جائے گی۔“ [سنن الترمذی: کتاب الفتن، باب علامۃ حلول المسخ والخسف، حدیث: ۲۲۱۲] موسیقی کو حلال قرار دینا نبی کریم ﷺ کے فرمان کی حکم کھلا مخالفت ہے۔ اس لیے قارئین اس بات سے باخبر ہیں کہ آلات موسیقی کسی صورت بھی جائز نہیں ہیں۔ ان کا استعمال حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔ اور مصنف نے خود ساختہ شرائط کے تحت موسیقی کو جائز قرار دے کر گلوکارائیں اور میوزک

ایک عورت کی انصار کے ایک شخص سے شادی ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ، مَا كَانَ مَعَهُمْ مِنْ لَهْوٍ؟ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ)) ❶

”اے عائشہ! ان کے ساتھ لہو (تفریح طبع کا کوئی سامان) نہیں ہے؟ کیونکہ انصار لہو کو پسند کرتے ہیں۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک قرابت دار انصاریہ کی شادی کر دی۔ نبی ﷺ تشریف لائے تو فرمایا: ”ولہن کو تم نے روانہ کر دیا؟“ لوگوں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: ”اس کے ساتھ کسی ایسی لڑکی کو نہیں بھیجا جو گائے؟“ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: ((إِنَّ الْأَنْصَارَ قَوْمٌ فِيهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُولُ: أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ)) ❷

”انصار کو گانے کا شوق ہے اس لیے اگر تم اس کے ساتھ کسی ایسی لڑکی کو بھیج دیتے جو یہ گاتی تو اچھا ہوتا، ہم تمہارے پاس آئے، ہم تمہارے پاس آئے۔ اللہ ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمہیں بھی۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے تو دو لڑکیاں ایام منیٰ میں کچھ گاجاری تھیں اس حال میں کہ نبی ﷺ کپڑا اوڑھے لیٹ گئے تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا تو نبی ﷺ نے اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹا لیا اور فرمایا: ”ابو بکر! انہیں چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔“ ❸

۱۔ انڈسٹریل کو تقویت و آوارگی اور صنف مخالف کی آوازوں کو مزے لے لے کر سننے والوں کو بے حیائی کی راہوں میں مشعل مہیا کرنے کی سعی نامتہم کی ہے۔ موسیقی شیطانی عمل ہے اور شیطان کی ہمہ وقت کوشش انسانوں کو اللہ کے ذکر سے دور کرنا اور لہو و لعب میں مشغول رکھنا ہے۔ موسیقی اور گلوکارہ کی آواز کا استرجاع بے حیائی کا پیش خیمہ اور اخلاقی برائیوں کی داعیہ ہے۔ [ابو الحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ]

❶ بخاری، کتاب النکاح: باب النسوة التي يهدين المرأة: ح: ۵۱۶۲۔

❷ ابن ماجہ، کتاب النکاح: باب الغناء الدف: ح: ۱۹۰۰۔

❸ بخاری، کتاب العیدین: باب الحراب والدرق يوم العيد: ح: ۹۴۹۔ مسلم، کتاب صلاة العیدین: باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه: ح: ۸۹۲۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں مذکورہ حدیث اور حبشیوں کے مسجد میں کھیل والی حدیث، نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں کی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب حدیثیں صحیحین کی ہیں اور اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ گانا اور کھیل حرام نہیں ہے اور احادیث یہ جواز پر دلالت کرتی ہیں:

❶ پہلی بات یہ ہے کہ یہ ایک کھیل تھا اور حبشی لوگ رقص و لعب کے عادی ہوتے ہیں۔

❷ دوسری بات یہ ہے کہ اس فعل کا صدور مسجد میں ہوا۔

❸ تیسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے بنی رافدہ! اپنا کھیل جاری رکھو۔“ جب کھیل کو جاری رکھنے کا حکم دیا گیا تھا تو وہ کس طرح حرام ہوگا؟

❹ حقیقی بات یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکنے سے منع فرمایا اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ عید کا دن ہے، یعنی وقت سرور ہے اور یہ اسباب سرور میں سے ہے۔

❺ پانچویں بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کے کھیل کا مشاہدہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیر تک کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں اور بچوں کو کھیل و کود دکھا کر ان کے دلوں کو خوش کرنا حسن اخلاق ہے۔ اور زہد و تقشف کی سختی اختیار کر کے اس سے رک جانے اور روکنے سے بہتر ہے۔

❻ چھٹی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتداء میں یہ فرمایا: ”کہ کیا تم اسے دیکھنا پسند کرتی ہو؟“

❼ ساتویں بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کو گانا گانے اور دف بجانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السماع میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا ہے۔<sup>❶</sup> بہ کثرت صحابہ و تابعین سے روایت ہے کہ وہ گانا سنتے لیکن اس میں کوئی حرج محسوس

❶ پردہ کا ضروری تقاضا یہ ہے کہ خواتین نابینا افراد کے سامنے بھی اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔

❷ احیاء العلوم: ۲/ ۲۷۵-۸۷۷۔

نہیں کرتے تھے۔<sup>①</sup> رہیں اس سلسلہ کی احادیث تو وہ سب مجروح ہیں اور کوئی حدیث بھی ایسی نہیں ہے کہ علماء اور فقہائے حدیث نے اس پر کلام نہ کیا ہو۔ قاضی ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں: ”گانے کی حرمت سے متعلق کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔“<sup>②</sup> اور ابن حزم کہتے ہیں: ”اس سلسلہ کی تمام روایتیں باطل اور موضوع ہیں۔“<sup>③</sup>

① مصنف (یوسف قرضاوی) کا یہ کہنا سراسر بے بنیاد اور جھوٹ ہے کہ صحابہ و تابعین گانا سنتے تھے اور اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم پر بے ہودہ الزام ہے۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ عمل یہ تھا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک موقع پر گانے کی آواز سنی تو فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں لے لیں۔ اور اس جگہ سے کچھ ہٹ کر چلے گئے اور نافع رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”کیا تمہیں گانے کی آواز سنائی دے رہی ہے؟“ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو پھر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکالیں۔ [سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب کراہیۃ الغناء والزمر، حدیث: ۴۹۲۴] ڈرنا چاہیے کہ ان نفوسِ قدسہ پر اس طرح کا بیہودہ الزام لگانا اللہ تعالیٰ کے ہاں شدید گرفت کا باعث ہے۔ مصنف کا قول دلیل سے بالکل خالی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے شراب، جو اور طبلے سارنگیاں (یعنی میوزک) تمہارے لیے حرام قرار دیا ہے۔“ [سنن ابی داؤد: کتاب الاشریۃ، باب فی الاوعیۃ، حدیث: ۳۶۹۶، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے] جس عمل کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عمل کو کسی صورت جائز نہیں سمجھ سکتے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان ہے۔

[ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ]

② مصنف کا یہ کہنا کہ ساز و موسیقی کی حرمت کے دلائل کو کمزور اور مجروح ہیں، محل نظر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موسیقی کی حرمت اور مذمت میں آیات قرآنیہ کے ساتھ ساتھ صحیح احادیث نبویہ بھی موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ...“ [القمان: ۶/۳۱، ۷] (اور لوگوں میں جو انسان بیہودگی کا سامان خریدتا ہے...) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس آیت میں ”لہو الحدیث“ سے مراد گانا بجاتا ہے۔“ [تفسیر ابن کثیر: ۳۳۰/۶، تحقیق سامی بن محمد سلامہ۔ تفسیر الطبری: ۱۲۷/۲۰۔ مستدرک حاکم: ۴۴۵، حدیث: ۳۵۴۲] ایک روایت میں یوں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، دھوک اور ظہورہ (آلات موسیقی) حرام قرار دیے ہیں۔ [مسند احمد: ۳/۴۲۲، حدیث: ۱۵۴۸۱] رہی بات گانا سننے کی تو اس کے بارے رسول اللہ ﷺ کا عمل پیش کر کے واضح کرنا چاہیں گے کہ جس چیز (آواز) کو آپ ﷺ نے سننا پسند نہیں کی اسے برا جانا، اس آواز کو سننا کس بنیاد پر ہم جائز قرار دیتے ہیں؟ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ رستے سے گزر رہے تھے کہ کسی جانب سے گیتوں کی آواز آنے لگی، تو آپ ﷺ نے اپنے کانوں میں انگلیاں کر لیں۔ [سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب کراہیۃ الغناء والزمر، حدیث: ۴۹۲۴، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے] گانا عشق و مستی اور بے ہودگی کا مرکب ہوتا ہے۔ یہ شیطانی عمل ہے۔ اس لیے گانا گانے والے اور سننے والے برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ کیونکہ دونوں ہی شیطان کو خوش کرنے کی ۵۵

اکثر گانے اور موسیقی کا استعمال عیش و عشرت کے موقع پر شراب کی محفلوں اور شب بیداری کی مجلسوں میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے علماء اسے حرام یا مکروہ کہتے ہیں۔ ❶ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ گانا ”لہو الحدیث“ میں شامل ہے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہوا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝﴾ (لقمان: ۶/۳۱)

”اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو ”لہو الحدیث“ خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بغیر علم کے بھٹکا دیں اور اس راستہ کا مذاق اڑائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔“

ابن حزم کہتے ہیں: ”جو شخص ”لہو الحدیث“ کا مرتکب ہو اس کا وصف آیت نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ کافر ہے جبکہ وہ اللہ کی راہ کو مذاق بنالے تو بلا اختلاف کافر ہے۔ ❷ اور اگر وہ کوئی کتاب خرید کر لوگوں کو گمراہ کرے اور اللہ کی راہ کا مذاق اڑائے تو بھی کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی مذمت کی ہے اور اس شخص کی ہرگز مذمت نہیں کی ہے جو ”لہو الحدیث“ کو گمراہ کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ کھیلنے کی غرض سے خریدے اور اس سے خوش طبعی کا سامان کرے۔

❸ کاوش کر رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ مومن کو زیب نہیں دیتا کہ ایسے کام کے قریب بھی جائے جس سے شیطان راضی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ناراض ہو۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ]

❹ ان تمام روایات کی صحت اور گانے کے جواز کو کشید کرنے والوں کی روایات کا مولانا اثری صاحب نے تفصیلی محاکمہ کیا ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ)

❶ مصنف کا یہ کہنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، چونکہ گانے اور موسیقی کا استعمال عیش و عشرت اور شراب کی محفلوں میں ہوتا ہے اس لیے علماء اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ یہاں ہم گزارش کریں گے کہ گانا اور موسیقی شراب کی محفلوں کا حصہ ہونے کی وجہ سے حرام نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حرمت کے دلائل و براہین جو اسلام نے ہمیں دیے ہیں ان کی بنیاد پر حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے شراب، جو اور طبلے سارنگیاں (یعنی میوزک) تمہارے لیے حرام قرار دیا ہے۔“ [سنن ابی داؤد: کتاب الأشربة، باب فی الاوعية، حدیث: ۳۶۹۶، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے] اس حدیث کے تحت یہ بات واضح ہے کہ گانا اور موسیقی شراب کی طرح حرام ہیں نہ کہ شراب کی وجہ سے حرام ہیں۔ موسیقی کے ساتھ شراب نوشی کی جائے یا نہ کی جائے ہر حال میں یہ ممنوع اور حرام ہے۔

[ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ]

❷ ”لہو الحدیث“ کی جو تفسیر یہاں بیان کی گئی ہے محل نظر ہے۔ درحقیقت ابن حزم رحمہ اللہ نے

ابن حزم نے ان لوگوں کی تردید میں جو کہتے ہیں کہ گناہ جب حق نہیں ہے تو وہ لازماً گمراہی ہے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے“<sup>①</sup> لہذا جس نے گناہ اس نیت سے سنا کہ اس سے گناہ کے کام میں مدد ملے تو وہ فاسق ہے اور جس نے خوش طبعی کی نیت سے سنا تا کہ اطاعت الہی کے کاموں کو تقویت پہنچے اور نیکی کے کاموں سے دلچسپی پیرا ہو تو اس کا یہ فعل مبنی پر حق ہے۔<sup>②</sup> اور جو شخص نہ اطاعت کی نیت سے سنے اور نہ معصیت کی نیت سے، تو وہ لغو کے حکم میں ہے جو معاف ہے۔ ایسے شخص کا معاملہ اس شخص کا سا ہے جو تفریحاً باغ کی سیر کے لیے نکل پڑے یا اپنے دروازہ کے پاس تماشہ بین بن کر بیٹھ جائے۔<sup>③</sup>

تاہم گانے کے معاملہ میں درج ذیل قیود کو لازماً ملحوظ رکھنا چاہیے:

۱۔ (گیت، شاعری) کے جواز کے قائل تھے جس کی بناء پر یہ قول ہے کہ جو مصنف نے بیان کیا ہے۔ جبکہ جملہ مفسرین نے اصحاب رسول ﷺ سے لبو الحدیث کے تحت گانے اور اس کے معاون آلات کی حرمت بیان کی ہے۔ تفصیل کے لیے تفاسیر اور محقق دوراں فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ کی کتاب ”اسلام اور موسیقی“ کا مطالعہ مفید ہے۔ (ابو الحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ)

① بخاری، کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی ال رسول ﷺ ص ۱۰۷ ح ۱۔ مسلم، کتاب الامارۃ: باب قول النبی ﷺ انما الاعمال بالنية: ح ۱۹۰۷

② امام ابن حزم رحمہ اللہ کا یہ قول باطل ہے۔ گانا اپنی کسی بھی نوعیت میں ہو، بہر حال اللہ تعالیٰ کی اطاعت و یاد سے غافل کرتا ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے جو چیز اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہو وہ چیز اطاعت الہی کے امور میں تقویت کا سبب بنتی ہو؟... انا للہ وانا الیہ راجعون... اللہ تعالیٰ تو قرآن سننے کا حکم دیتے ہیں اور اسی کو سکون قلب اور خوش طبعی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ گانا دلوں کو یاد الہی سے دور کرتا ہے، گانا سننے والوں کے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے تو موسیقی اور گیت سنگیت کے رسیا اور شوقین لوگ کبھی بھی قرآن کو خوش دلی سے نہیں سنتے۔ ایک طرف اذان کی آواز پر لبیک کہنے والے مساجد کا رخ کرتے ہیں تو دوسری طرف گیت سننے والا اپنے شوق اور جن میں مصروف فحش گلوکاراؤں کے گیت سن رہا ہوتا ہے۔ نہ جانے ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے کس بنا پر یہ سمجھ لیا کہ گیت سننے سے اطاعت الہی کے کاموں کو تقویت ملتی ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ کا یہ قول کہ ان کے اپنے موقف کی بنا پر ہے کیونکہ وہ گانے بجانے کو مباح قرار دیتے تھے۔ لیکن درحقیقت ان کا یہ موقف شرعی دلائل کی روشنی میں باطل اور بے بنیاد ہے۔ (ابو الحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ)

③ افسوس اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ابن حزم رحمہ اللہ قیاس کے قائل نہ ہونے کے باوجود قیاس کر رہے ہیں۔ ان کا یہ قیاس بالکل باطل ہے کہ جو انسان گانے کو نہ تو اطاعت کی نیت سے سنے اور نہ ہی معصیت کی نیت سے، تو وہ



① گانے کا موضوع (الفاظ و کلمات) اسلام کی تہذیب اور اس کی تعلیم کے خلاف نہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر گانے میں شراب کی تعریف کی گئی ہو یا اس کے پینے کی ترغیب موجود ہو تو ایسے گانے کو گانا بھی حرام ہوگا اور سننا بھی۔ وعلى هذا القياس۔

② کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گانے کا موضوع اسلام کی ہدایت کے خلاف نہیں ہوتا لیکن گانے کا طریقہ ایسا ہوتا ہے جو اس کو دائرہ حلت سے نکال کر دائرہ حرمت میں لے آتا ہے۔ مثلاً ناز و ادا کے ساتھ گانا، غیر اخلاقی انداز اختیار کرنا، نیز جذبات میں یہ جان پیدا کرنے والے فتنہ پرور اور شہوت انگیز طور طریقے اختیار کرنا وغیرہ۔

③ جس طرح دین ہر چیز میں غلو اور زیادتی کا مخالف ہے حتیٰ کہ عبادت کے معاملہ میں بھی اسی طرح لہو و لعب کے معاملہ میں بھی وہ زیادتی کا سخت مخالف ہے۔ اس میں زیادہ وقت صرف کرنا صحیح نہیں جبکہ وقت سرمایہ حیات ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جائز چیزوں میں اسراف کرنے سے واجبات کی ادائیگی کے لیے وقت کا بہت حرج ہو جاتا ہے اس لیے بجا طور پر کہا گیا ہے ”میں نے اسراف کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے پاس حق ضائع ہو رہا تھا۔“

④ بعض گانے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ سننے والا خود اپنے نفس سے فتویٰ پوچھ سکتا ہے۔ اگر گانا ایسا ہو کہ جس سے اس کے جذبات برا بیچتے ہو رہے ہوں اور اس کو فتنہ پر ابھارا جا رہا ہو نیز روحانیت کے مقابلہ میں حیوانیت کا غلبہ ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اس دروازہ کو بند کرنا چاہیے جس سے فتنہ کی ہوا اس کے دل، دین اور اخلاق کی طرف چلے۔

⑤ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ گانے کے ساتھ اگر کوئی حرام چیز شامل ہو جائے

۵۰ وہ لغو کے حکم میں ہے جو کہ معاف ہے۔ انہوں نے اسے اس شخص پر قیاس کیا ہے جو باغ کی سیر کے لیے نکل پڑے اور دروازے پر تماشائیں بن کر بیٹھ جائے۔ تب تو اس بات پر ہے کہ ایک حرام کام کو جائز کام پر قیاس کر کے اسے بھی جائز کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ قیاس فی نفسہ فاسد اور باطل ہے۔ نگیث ہر صورت میں ناجائز ہے۔ ابو الحسن مہر احمد ربانی رحمہ اللہ



مثلاً شراب یا عیاشی اور بد اخلاقی کے قسم کی کوئی چیز تو ایسی صورت میں گنا حرام ہوگا۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ نے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

(( لَيْشَرَبَنَّ اُنَاسٌ مِنْ اُمَّتِي الْخَمْرَ يَسْمُوْنَهَا بَغَيْرِ اسْمِهَا يَعْرِفُ عَلَى رُؤُوسِهِمْ بِالْمَعَارِزِ وَالْمُغْنِيَّاتِ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ )) ①

”میری امت کے کچھ لوگ شراب پیئیں گے اور اس کا نام تبدیل کر دیں گے۔ ان کے سروں پر ساز بجائے جائیں گے۔ اور گانے والیاں گانے گائیں گی۔ اللہ انہیں زمین میں دھندلا دے گا اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور خنزیر بنائے گا۔“

ضروری نہیں کہ یہ مسخ شکل و صورت کا ہی ہو بلکہ یہ نفس اور روح کا بھی ہو سکتا ہے یعنی انسان کے قالب میں بندر کا نفس اور سور کی روح ہوگی۔ ②

جوا شراب کا ساتھی ہے

اسلام نے جہاں مختلف قسم کے کھیل جائز ٹھہرائے ہیں وہاں ہر ایسے کھیل کو حرام قرار دیا ہے جس میں جوا شامل ہو، یعنی کھیل نفع یا نقصان سے خالی نہ ہو۔

جوئے کو جس طرح کسب مال کا ذریعہ بنانا جائز نہیں اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ اس کو

① ابن ماجہ، کتاب الفتن: باب العقوبات، ح: ۴۰۲۰۔ ورواہ ابو داؤد فی کتاب الاشربة: باب فی ح: ۳۶۸۸، ۳۶۸۹ مختصراً۔

② واضح رہے کہ مؤلف نے گانے کو جو مباح قرار دیا ہے وہ ایسی شرائط کے ساتھ مشروط ہے جو نہایت کڑی ہیں ہمارے ملک میں جو گانے مروج ہیں یعنی جوفلی گانے ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ نشر کیے جاتے ہیں وہ نہ مذکورہ شرائط کے مطابق ہیں اور نہ ان کے جواز کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ فحش اور بے حیائی کی اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اور اخلاق کے لیے حد درجہ تباہ کن ہیں۔ علاوہ ازیں بے شرمی کی انتہا یہ ہے کہ خوش گلو عورتیں گانا گانے والوں کو محظوظ اور مسحور کرتی ہیں جبکہ اسلام اخلاق و عصمت و عفت کے معاملہ میں اس قدر حساس ہے کہ اسے عورتوں کا لوچ کے ساتھ بات کرنا بھی گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن نے صراحت کے ساتھ ممانعت کی ہے۔ اسی طرح اجنبی عورت کی آواز سے محظوظ ہونے کو اسلام زنا سے تعبیر کرتا ہے لہذا اس قسم کے گانوں کی حرمت بالکل واضح ہے۔ (مترجم)

کھیل اور تفریح اور وقت گزاری کا ذریعہ بنایا جائے۔

اس حرمت کی پشت پر حکمت بالغہ اور عظیم مقاصد کا فرماہیں:

۱ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان اکتساب مال کے سلسلہ میں سنن الہی کا قبیح ہو اور نتائج کو اسباب کے ذریعہ حاصل کرے۔

جوا جس کی ایک قسم لاٹری ہے انسان کو بخت و اتفاق اور خالی آرزوؤں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے۔ عمل جدوجہد اور ان اسباب پر بھروسہ کرنا نہیں سکھاتا جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے اور انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

۲ اسلام انسان کے مال کو محترم ٹھہراتا ہے اور اس کو لینے کی جائز صورت یہ ہے کہ یا تو جائز طریقہ پر لین دین ہو یا کوئی شخص اپنی رضا مندی سے ہبہ یا صدقہ کرے۔ رہا قمار کے ذریعہ مال حاصل کرنا تو وہ باطل طریقہ پر مال کھانے کے مترادف ہے۔

۳ اس سے جوا کھیلنے والوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے اگرچہ وہ زبانی طور سے رضا مندی کا اظہار کرتے ہوں کیونکہ ان کا معاملہ ہمیشہ غالب اور مغلوب کے درمیان رہتا ہے۔ اور جب مغلوب خاموشی اختیار کرتا ہے تو اس کی خاموشی اپنے اندر غیظ و غضب لیے ہوئے ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ نقصان اٹھا چکا ہوتا ہے۔

۴ جوا ہار جانے کی صورت میں مغلوب ہو کر پھر دوبارہ جوا کھیلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس امید پر کہ شاید اب کی بار نقصان کی تلافی ہوگی۔ اسی طرح غالب کو غلبہ کی لذت دوبارہ بازی لگانے اور مزید نفع بٹورنے پر آمادہ کرتی ہے۔

یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور دونوں جوا کھیلنے والے ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو پاتے۔ جوئے بازوؤں کی دوامی مصیبت کا راز یہی ہے۔

۵ بنا بریں یہ شوق، جس طرح فرد کے لیے خطرہ کا باعث ہے اسی طرح سماج کے لیے بھی شدید خطرہ کا باعث ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس میں وقت اور محنت کی بربادی لازمی ہے۔ غرض یہ کھیل جوئے بازوؤں کو بالکل معطل کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ زندگی کی نعمت سے فائدہ تو اٹھاتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کرتے۔ قمار باز

ہمیشہ اپنے رب کی عائد کردہ ذمہ داریوں (فرائض و واجبات) سے غفلت برتتے ہیں؛ نیز اپنے نفس، اپنے خاندان اور اپنی ملی ذمہ داریوں سے بھی بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے دین، اپنی عزت اور اپنے وطن کو بھی اپنے مفاد کی خاطر بیچ ڈالیں۔

قرآن نے شراب اور جوئے کو ایک حکم میں جمع کر کے کس قدر حقیقت پسندی کو آشکار کیا ہے؛ کیونکہ یہ دونوں چیزیں فرد، خاندان، وطن اور اخلاق سب کے لیے یکساں طور سے مضر ہیں۔ قمار باز کا معاملہ شرابی سے بہت مشابہ ہوتا ہے بلکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر پایا جاتا ہو (دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں)۔ قرآن کا یہ بیان کتنا حقیقت افروز ہے کہ یہ شیطان کا عمل ہے۔ قرآن نے اس کا ذکر تھانوں اور پانسوں کے ساتھ ملا کر کیا ہے اور اسے گندگی قرار دے کر اس سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَلْزَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ مُنْتَهُوْنَ ٩١﴾ (المائدة: ٩٠-٩١)

”اے ایمان والو! شراب، جو، تھان اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے میں تمہیں مبتلا کر کے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟“

لاٹری ایک قسم کا جو ہے

جسے عرف عام میں لاٹری کہا جاتا ہے وہ بھی جوئے ہی کی ایک قسم ہے اس کو معمولی خیال کرنا اور ”رقا ہی انجمنوں“ اور انسانی اغراض“ کے نام پر اسے جائز قرار دینا بالکل صحیح نہیں۔ جو لوگ لاٹری کو اس قسم کے مقاصد کے لیے جائز قرار دیتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حرام رقص اور حرام آرٹ کے ذریعہ مذکورہ مقاصد کے لیے عطیات دے

صدقات جمع کرے۔ ہم تو ان لوگوں سے یہی کہیں گے کہ:

((إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا)) •

”اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔“

جو لوگ اس قسم کے طریقے اختیار کرتے ہیں شاید وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ معاشرہ میں خیر اور ہمدردی کے محرکات کا خاتمہ ہو گیا ہے اور نیکی کی حقیقت باقی نہیں رہی، لہذا انسانی فلاح کے لیے مال جمع کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت گری نہیں رہ گئی ہے کہ جوئے اور ممنوع قسم کے کھیل تماشہ کو ذریعہ بنایا جائے۔ لیکن اسلام معاشرہ کے لیے ایسے طریقے تجویز نہیں کرتا، بلکہ انسان کے معاملہ میں وہ خیر کا پہلو اختیار کرتا ہے اور پاکیزہ مقصد کے لیے وہ ذریعہ بھی پاکیزہ ہی اختیار کرتا ہے۔ وہ ذریعہ نیکی کی دعوت، انسانیت کی ترغیب اور اللہ اور آخرت پر ایمان کے اسباب کا ذریعہ۔

### سینما بنی

بہت سے مسلمان سوال کرتے اور پوچھتے ہیں کہ سینما اور تھیٹر وغیرہ کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟ اور سینما جانا مسلمان کے لیے جائز ہے یا حرام؟

اس میں شک نہیں کہ سینما اور اس قسم کی دوسری جگہیں تفریح کا نہایت اہم ذریعہ ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دوسرے ذرائع کی طرح ان کو بھی خیر اور شر دونوں کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ سینما فی نفسہ کوئی حرج کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس کا حکم اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو کس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہماری رائے میں سینما حلال اور جائز ہے بلکہ درج ذیل شرائط کی تکمیل کی صورت میں پسندیدہ اور مطلوب بھی ہو سکتا ہے۔

اولاً:..... جو مقاصد جن کی نمائش کی جاتی ہے، وہ بے حیائی اور فسق سے پاک ہوں۔ نیز یہ مقاصد اسلام کے عقائد، شریعت اور اس کے آداب کے منافی نہ ہوں۔ اگر پیش کی جانے والی کہانیاں سفلی جذبات کو ابھارنے والی یا گناہ کی ترغیب دینے والی یا جرم پر آمادہ

① مسلم، کتاب الزکوٰۃ: باب قبول الصدقة من الکسب الطیب، ح/ ۱۰۱۵۔

کرنے والی یا غلط افکار کی اشاعت کرنے والی یا باطل عقائد کی ترویج کرنے والی ہوں تو ایسی فلمیں حرام ہوں گی اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہ ہوگا کہ ان کو دیکھے یا ان کی ترویج دے۔ ①

ثانیاً:..... کسی دینی یا دنیوی ذمہ داری سے غفلت نہ برتی جائے۔ خاص طور سے بیچ گانہ نماز کا خیال رکھا جائے جو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ پکچر (تصویر) دیکھنے کی غرض سے کسی فرض کو مثلاً مغرب کی نماز کو ضائع کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَوْلٌ لِّلْمَصْلُوحِينَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝﴾

(الماعون: ۱۰۷/ ۴-۵)

”بتاہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔“

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ نماز سے غافل ہونا اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کے ہم معنی ہے یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے۔ قرآن نے شراب اور جوئے کی حرمت کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہیں۔

ثالثاً:..... سینما جانے والے کو چاہیے کہ اجنبی عورتوں کے ساتھ اختلاط سے اجتناب کرے تاکہ فتنہ اور شبہات سے اپنا دامن بچا سکے خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ وہ

① ہمارے ملک میں سینما گھروں میں جو فلمیں دکھائی جاتی ہیں ان میں شادی کوئی فلم ایسی ہوگی جو ان غلط اور باطل مقاصد سے پاک ہو۔ عام طور سے فلموں میں عورتوں کی بھرپور نمائش کی جاتی ہے اور وہ قص و سرود کے ساتھ اہم پارٹ ادا کرتی ہیں۔ سینما کے عشقیہ حیاء سوز اور مخرب اخلاق گانوں نے تو پوری فضا کو متعفن کر کے رکھ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج معاشرہ کے اخلاقی بگاڑ کا بہت بڑا ذریعہ یہ انسانی سوز فلمیں اور پکچرز ہیں اس لیے ان کے جواز کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اہلہ کوئی فلم اگر واقعی ان قباحتوں سے پاک ہو اور کوئی مفید مقصد رکھتی ہو تو اس کو ناجائز قرار دینے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ مؤلف کی یہ رائے ایک حد تک درست ہے کہ سینما فی نفسہ ایک جائز چیز ہے بشرطیکہ اس کو خیر کے مقصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ (مترجم)

سینما گھر کا مقصد اور قیام ہی غلط اور باطل کی اشاعت ہے، یہ جس قدر بھی فلمیں نشر کرتے ہیں وہ شرعی لحاظ سے درست نہیں، اختلاط مرد و زن، عشقیہ گانے اور قصے حیا سوز مناظر وغیرہ کے ہوتے ہوئے درنگی کی کوئی صورت موجود نہیں ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ)

تاریکی کے پردہ میں پکڑ دیکھ رہا ہو۔ اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے:  
 ((لَا يَطْعَنُ فِي رَأْسِ أَحَدِكُمْ بِمَخِيطٍ مِنْ حَدِيدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ  
 يَمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ)) ❶

”تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی کا چھو یا جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ  
 کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔“



❶ بیہقی فی شعب الایمان (۴/۳۷۴ ح/ ۵۴۵۵) طبرانی فی الکبیر (۲۰/۲۱۱-۲۱۲)

## اجتماعی روابط

اسلام نے معاشرہ کے افراد کے درمیان باہمی تعلقات کو دو بنیادوں پر قائم کیا ہے:

- ① ایک باہمی اخوت جو ایک دوسرے کے درمیان مضبوط بندھن کی حیثیت رکھتی ہے۔
- ② اور دوسرے حقوق اور حرمتیں جن کا اسلام تحفظ کرتا ہے یعنی ہر فرد کے خون، آبرو اور مال کا احترام۔

اسلام ہر اس قول، عمل اور برتاؤ کو حرام قرار دیتا ہے جو ان بنیادی تعلقات کو نقصان پہنچانے یا ان کو متاثر کرنے والا ہو اور نقصان خواہ مادی ہو یا تہذیبی، جس درجہ کا ہوگا اسی کی مناسبت سے حرمت کا درجہ بھی متعین ہوگا۔ درج ذیل آیات میں چند ایسی حرام چیزوں کو بیان کیا گیا ہے جو باہمی اخوت اور انسانی حرمتوں کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْبِسُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا بِالْأَلْقَابِ نِسْ إِلَّا سُمُّ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْإِيمَانِ ٢ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ ٤ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا ٥ أَيَحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ٦ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ٧﴾ (الحجرات: ١٠/٤٩ تا ١٢)

”مؤمن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے ایمان والو! نہ مرد دوسرے مردوں

کا مذاق اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے پر طعن کرو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد بدترین نام فسق ہے۔ اور جو لوگ باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ تجسس نہ کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تمہیں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم تو اس سے گھن ہی کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقین جانو کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کے اندر انسانی اخوت کے ساتھ دینی اخوت بھی جمع ہو گئی ہے۔ اس اخوت کا تقاضا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن کر نہ رہیں بلکہ باہم متعارف ہوں، ایک دوسرے سے کٹیں نہیں بلکہ جڑیں آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں بلکہ مل جل کر رہیں، باہم بغض و عداوت نہ رکھیں بلکہ محبت کریں۔ اور اختلاف نہ کریں بلکہ متحد ہو کر رہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

((لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا)) ❶

”باہم حسد نہ کرو نہ ایک دوسرے سے پیٹھ موڑو نہ آپس میں بغض رکھو۔ بلکہ اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

کسی مسلمان سے ترک تعلق جائز نہیں

اسی بنا پر اسلام نے مسلمان بھائی کے ساتھ سنگد لانا برتاؤ کرنا، اسکا بائیکاٹ کرنا، یا اس سے بے رخی برتنا حرام ٹھہرایا۔ اگر دو مسلمانوں کے درمیان بغض پیدا ہو جائے تو ان کو اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تین دن تک مہلت دی گئی ہے۔ اس کے بعد ان کو

❶ بخاری: کتاب الادب: باب ما نہی عن التحاسد والتدابیر: ج ۶، ۶۵، مسلم: کتاب البر والصلة: باب بحریم الظن والتجسس: ج ۳، ۲۵۶۳۔



لازمًا صلح صفائی کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ قرآن نے مؤمنین کے جو اوصاف حمیدہ

بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک وصف یہ ہے:

﴿أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (المائدة: ۵۴/۵)

”جو مؤمنوں پر نرم ہوں گے۔“

اور نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَإِنْ مَرَّتْ بِهِ ثَلَاثٌ فَلْيَلْقَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدْ اشْتَرَكَ فِي الْأَجْرِ وَإِنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءُ بِالْإِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْهَجْرَةِ.)) ❶

”مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے۔ اس کے بعد اسے چاہیے کہ ملاقات کرے اور اسے سلام کرے۔ اگر وہ سلام کا جواب دے تو دونوں اجر میں شریک ہوں گے۔ اور اگر وہ جواب نہ دے تو گناہ کا مستحق ہوگا۔ اور سلام کرنے والا ترک تعلق کے گناہ سے بری ہوگا۔“

اگر کسی قرابت دار سے، جس کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے، قطع رحمی کی جائے تو اس کی حرمت اور زیادہ سخت ہو جاتی ہے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: ۱/۴)

”اور اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو۔ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو۔ یقین جانو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے صلہ رحمی کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

❶ ابو داؤد، کتاب الادب: باب فی ہجرة الرجل اخاه، ح: ۴۹۱۲۔ واسنادہ ضعیف۔

((الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللَّهُ)) ❶

”رحم (رشتہ و ناطہ) عرش میں معلق ہو کر کہتا ہے: جس نے مجھے جوڑا اس کو اللہ جوڑے گا اور جس نے مجھے کاٹا اللہ اس کو کاٹے گا۔“

نیز فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ)) ❷

”قاطع (قطع رحمی کرنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا۔“

بعض علماء نے ”قاطع“ سے قطع رحمی کرنے والا اور دیگر علماء نے ”قاطع الطريق“ رہزن) مراد لیا ہے اور دونوں تقریباً یکساں ہیں۔

صلہ رحمی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک قرابت دار دوسرے قرابت دار کے ساتھ برابری کا معاملہ کرے کہ وہ جڑے تو یہ جڑے اور اگر وہ اچھا سلوک کرے تو یہ بھی اچھا سلوک کرے۔ یہ تو امر طبعی ہے۔ بلکہ جو چیز واجب ہے وہ یہ کہ رشتہ داروں کو بہر حال جوڑے اگرچہ کہ وہ اس سے ترک تعلق کریں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِينَ إِذَا قُطِعَتْ رَحْمُهُ وَصَلَهَا)) ❸

”صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو برابری کا معاملہ کرتا ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو قطع رحمی کرنے والے کو جوڑتا ہے۔“

یہ اس صورت میں ہے جب کہ ترک تعلق اور بایکٹ اللہ کے لیے اس کی راہ میں اور

❶ بخاری: کتاب الادب: باب من وصل وصله الله، ح/ ۵۹۸۸، ۵۹۸۹۔ مسلم: کتاب البر والصلة: باب صلة الرحم، ح: ۲۵۵۵۔

❷ بخاری: کتاب الادب: باب اثم القاطع، ح: ۵۹۸۴، مسلم: کتاب البر والصلة: باب صلة الرحم، ح/ ۲۵۵۶۔

❸ بخاری: کتاب الادب: باب ليس الواصل بالمكافئ، ح/ ۵۹۹۱۔

حق کی خاطر نہ ہو۔ ورنہ ایمان کی مضبوطی کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ محبت بھی اللہ ہی کے لیے ہو اور بغض بھی اللہ ہی کے لیے۔ چنانچہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے تین ساتھیوں سے جنہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی، پچاس دنوں تک ترک تعلق کیا۔ ان سے سلام و کلام کا سلسلہ بند رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرما کر ان کی توبہ کو شرف قبولیت سے بخشا۔<sup>①</sup>

اسی طرح نبی ﷺ نے اپنی بعض ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک علیحدگی اختیار فرمائی۔<sup>②</sup>

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے سے ترک تعلق کیا یہاں تک کہ اُس کا انتقال ہو گیا، کیونکہ وہ ایک حدیث رسول اللہ ﷺ کو خاطر میں نہیں لایا جس میں مردوں کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو مسجد جانے سے روکیں۔<sup>③</sup>

لیکن اگر ترک تعلق اور بغض دنیوی اغراض کے لیے ہو، تو یہ نہایت حقیر چیز ہے۔ ایک مسلمان کس طرح اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے بغض رکھ سکتا ہے جبکہ اس کے نتیجے میں اسے اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت سے محروم ہونا پڑے؟ صحیح حدیث میں ہے:

((تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَيَغْفِرُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلًا كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيَقُولُ: أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا))<sup>④</sup>

① بخاری، کتاب المغازی: باب حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ: ۴۴۱۸۔ مسلم، کتاب التوبة: باب حدیث توبة کعب بن مالک رضی اللہ عنہ: ۲۷۶۹۔

② بخاری، کتاب النکاح: باب هجرة النبي ﷺ نسائه..... ح: ۵۲۰۲۔ مسلم، کتاب الصيام: باب الشهر يكون تسعا وعشرين ح: ۱۰۸۵، ۱۰۸۳۔ لیکن اس میں ایک مہینہ (۳۰ یا ۲۹) دن کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

③ مسند احمد (۲/۳۶) واصلہ عند مسلم فی کتاب الصلوة: باب خروج النساء الى المساجد۔ ح: ۴۴۲۔

④ مسلم، کتاب البر والصلوة: باب النهی عن الشحناء ح: ۲۵۶۵۔

”جنت کے دروازے سوموار اور جمعرات کے دن کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ عزوجل ہر ایسے بندے کی مغفرت فرماتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان بغض و عداوت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں، انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں، انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں۔“

اور جس کا حق ہو، اس کے پاس اس کے بھائی کا معذرت کرنا کافی ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے بھائی کی معذرت کو قبول کر لے اور جھگڑا ختم کر دے۔ معذرت قبول نہ کرنا اور اسے رد کر دینا، حرام ہے۔ نبی ﷺ نے متنبہ فرمایا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ قیامت کے دن آپ ﷺ کے پاس حوض پر نہ پہنچ سکے گا۔ ❶

باہم صلح صفائی

جن مسلمانوں کے درمیان ناچاقی ہو ان کو آپس میں صلح صفائی کر لینی چاہیے کہ یہ اخوت دینی کا تقاضا ہے۔ اس کی ذمہ داری معاشرہ پر بھی عائد ہوتی ہے کیونکہ اسلامی معاشرہ ایک دوسرے کا کفیل اور معاون ہوتا ہے۔ لہذا اس کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ تماش بین بن کر اپنے بعض فرزندوں کو اس حال میں چھوڑ دے کہ وہ باہم لڑتے جھگڑتے رہیں اور ان کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکتی رہے یا عداوت کی خلیج وسیع ہوتی رہے۔ معاشرہ کے اصحاب الرائے اور اہل فکر و دانش لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خالصہ حق کے لیے اور خواہشات نفس سے بچتے ہوئے اس معاملہ میں مداخلت کریں اور مسلمانوں کے تعلقات کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاَصْلِحْ وَاَبِیْنْ اَخْوَانِکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

(الحجرات: ۱۰/۴۹)

”لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

❶ مجمع الزوائد (۸/۸۱) بحوالہ طبرانی فی الاوسط (۲/۲۱) ح: ۱۰۳۳ عن جابر و عن عائشہ رضی الہ عنہما (۶/۱۶۰ - ح: ۶۲۹۱) واسنادہما ضعیف۔

نبی ﷺ نے حدیث میں اس طرح اصلاح کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور بغض و خصومت کے خطرناک ہونے سے آگاہ فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

(( أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصَّلَاةِ وَالصَّيَامِ وَالصَّدَقَةِ؟  
قَالُوا بَلَىٰ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّ فَسَادَ  
ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ إِنَّهَا تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَحْلِقُ  
الذِّينَ )) ❶

”کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ نماز، روزہ اور صدقہ سے بڑھ کر فضیلت والا کام کونسا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ضرور بتائیے اے اللہ کے رسول! فرمایا: لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانا کیونکہ تعلقات کا بگاڑ موٹنے والی چیز ہے۔ بالوں کو موٹنے والی نہیں بلکہ دین کو موٹنے والی ہے۔“

### دوسروں کا مذاق نہ اڑایا جائے

سورہ حجرات کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کو حرام قرار دیا ہے جو برادرانہ تعلقات اور انسانی حرمت پر اثر انداز ہوتی ہیں:

❶ اس سلسلہ کی پہلی بات لوگوں کا مذاق اڑانا ہے۔ کسی مومن کے لیے جو اللہ اور آخرت کا امیدوار ہو، یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کا مذاق اڑائے یا اس کی تضحیک کرے یا اسے ہدف ملامت بنالے۔ کیونکہ اس انداز میں خفیہ تکبر، غرور اور لوگوں کی تحقیر کا جذبہ شامل ہوتا ہے اور یہ حرکت اس معیار سے جو اللہ کے پاس ہے، جہالت برتنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ  
نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ (الحجرات: ۱۱/۴۹)

”نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

❶ ابو داؤد، کتاب الادب: باب فی اصلاح ذات البین، ح/ ۴۹۱۹۔ ترمذی، کتاب صفة القيامة:

باب (۵۶) ح/ ۲۵۰۹۔

اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔“  
اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی خوبی ایمان و اخلاص اور تعلق باللہ میں ہے، نہ کہ شکل و صورت اور جاہ و مال میں۔

حدیث میں آیا ہے:

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صَوَرِكُمْ وَلَا إِلَى أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ)) ❶

”اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔“

لہذا کسی مرد یا عورت کا اس بنا پر مذاق اڑانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ جسم یا خلقت کی کسی خرابی میں یا مالی افلاس میں مبتلا ہے؟

روایت ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کھل گئی۔ ان کی پنڈلیاں بہت دہلی پتی تھیں۔ بعض لوگ دیکھ کر ہنس پڑے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَتَضْحَكُونَ مِنْ دِقَّةِ سَاقِيهِ؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُمَا أَنْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ جَبَلٍ أَحَدٍ)) ❷

”کیا تم ان کی پنڈلیوں کے دبلا ہونے پر ہنستے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی۔“

قرآن نے بیان کیا ہے کہ کس طرح مجرم مشرکین صالح مؤمنین کا اور خاص طور سے کمزور مسلمانوں مثلاً بلال رضی اللہ عنہ و عمار رضی اللہ عنہ وغیرہ کا، مذاق اڑاتے تھے۔ اور قرآن نے یہ واضح کیا ہے کہ کس طرح حساب و کتاب کے دن معیار بدل جائیں گے۔ جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں ان ہی کا مذاق اڑایا جائے گا۔

❶ مسلم، کتاب البر والصلة: باب تحریم الظلم المسلم ح: ۳۴/۲۵۶۴۔

❷ مسند احمد (۱/ ۴۲۰-۴۲۱)۔ مسند الطیالسی (۳۵۵)۔

آیت میں صراحت کے ساتھ عورتوں کو ایک دوسرے کا مذاق اڑانے کی ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ عام طور سے عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑانے کی عادی ہوتی ہیں۔  
طعن و تشنیع کرنا

❖ اس سلسلہ کی دوسری حرام بات طعن و تشنیع ہے۔ جو شخص لوگوں میں عیب نکالتا ہے وہ گویا نیزہ سے انہیں زخمی کرتا ہے بلکہ کبھی تو طعن و تشنیع نیزہ کے طعن (زخمی کرنے) سے بھی زیادہ شدید ہوتی ہے۔ کیونکہ نیزہ کے زخم تو مندمل ہو جاتے ہیں، لیکن زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے: ﴿وَلَا تَلْبُزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (یعنی ایک دوسرے کو طعن نہ دو) لیکن قرآن نے ﴿أَنْفُسَكُمْ﴾ کہہ کر مومنوں کی جماعت کو نفس واحد سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ سب ایک دوسرے کے کفیل اور معاون ہیں لہذا جس نے اپنے بھائی کو طعن کیا اس نے درحقیقت اپنے ہی نفس کو طعن کیا۔

### برے لقب سے پکارنا

❖ برے لقب سے پکارنا بھی طعن و تشنیع ہی کی ایک قسم ہے، جو کہ حرام ہے۔ یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا جو اسے ناپسند ہو اور جس کے ذریعہ اس کا مذاق اڑایا جائے اور اس پر طعن کیا جائے۔ انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کسی بھائی کو ایسے لقب سے پکارے جو اس کے لیے باعثِ اذیت ہو۔ یہ سراسر زیادتی اور آداب اور ذوقِ سلیم کے خلاف ہے۔

### بدگمانی

❖ اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ کے اندر قلوب کی صفائی اور باہمی اعتماد ہو۔ شکوک و شبہات اور وہم و گمان کی فضا ہرگز نہ ہو۔ اسی لیے مذکورہ آیت میں جو چوتھی حرام بات بیان کی گئی ہے وہ بدگمانی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾

(الحجرات: ۲۱/۴۹)

”اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔“

یہ ظن جو باعثِ گناہ ہے بدگمانی ہے۔ اور مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کسی وجہ جواز اور کسی واضح دلیل کے بغیر بدگمان ہو جائے۔ لوگوں کو اصلاً بے قصور سمجھنا چاہیے اور بدگمانی کے وسوسوں میں پڑ کر ان پر تہمت لگانے کا موقع نہیں پیدا کرنا چاہیے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ)) ❶

”بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔“

انسان، بشری کمزوری کے باعث لوگوں کے سلسلہ میں شک و گمان سے اپنے کو بالکل بچا نہیں سکتا، خاص طور سے ان لوگوں کے بارے میں جن سے تعلقات کشیدہ ہوں، لیکن اسے ان خیالات کے آگے سپر نہیں ڈالنا چاہیے اور نہ ان کے پیچھے چلنا چاہیے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا ہے:

((إِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تَحْقِقْ)) ❷

”جب بدگمانی پیدا ہو تو اسے صحیح خیال نہ کرو۔“

تجسس

❶ دوسروں کے بارے میں بد اعتمادی کے نتیجے میں باطنی طور پر آدمی بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور باطنی طور پر تجسس کرنے لگتا ہے۔ لیکن اسلام معاشرہ کے ظاہر اور باطن دونوں کو پاک صاف رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے بدگمانی کی ممانعت کے ساتھ تجسس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ کیونکہ اکثر ایک بات دیگر بات کا سبب بنتی ہے۔ لوگوں کی حرمت کو تجسس کے ذریعہ زائل کرنا اور ان کی مخفی باتوں کے پیچھے پڑنا، ہرگز جائز نہیں اگرچہ وہ ذاتی طور پر گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوں، جب تک کہ وہ اسے چھپاتے رہیں اور کھلے بندوں گناہ کا ارتکاب نہ کریں۔

❶ بخاری، کتاب الادب: باب (یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن) ح: ۶۰۶۶، 'مسلم' کتاب البر والصلة: باب تحريم الظن والتجسس، ح: ۲۵۶۳۔

❷ طبرانی فی الکبیر (۲۵۸/۳) فتح الباری (۲۱۳/۱۰)



ابو یثیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”ہمارے پڑوسی شراب پیتے ہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پولیس کو بلا کر انہیں گرفتار کراؤں۔“ انہوں نے کہا، ایسا نہ کرو بلکہ انہیں نصیحت اور تنبیہ کرو۔ ابو یثیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں نے انہیں منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتے، اس لیے میں انہیں پولیس کے حوالہ کرنا چاہتا ہوں۔“ عقبہ نے کہا: ”ایسا نہ کرو کیونکہ میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ فَكَأَنَّمَا اسْتَحْيَا مَوْءُودَةً فِي قَبْرِهَا)) ①

”جس نے کسی کی عیب پوشی کی اس نے گویا زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو زندگی بخشی۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے عیوب ٹولنے کو منافقین کی علامت و امتیاز قرار دیا ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر پاؤں بلند فرمایا:

((كَيْفَا مَعَشَرَ مَنْ اسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضْ الْإِيمَانَ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤَدُّوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يُفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ)) ②

”اے لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور جن کے دلوں میں ابھی ایمان داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کو اذیت نہ دو اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیب کے درپے ہوگا۔ اور اللہ جس کسی کے عیب کے درپے ہو تو اسے رسوا کر کے رہے گا، اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔“

لوگوں کی حرمتوں کے تحفظ ہی کی غرض و غایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر جھانکنے سے شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ فرمایا:

① مسند احمد (۱۵۸/۴)۔ ابوداؤد، کتاب الادب: باب فی الستر علی المسلم، ح: ۴۸۹۱۔

② صحیح ابن حبان (۳۶۷/۱) مستدرک حاکم (۳۸۴/۴) واسنادہ ضعیف۔

② ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن، ح: ۲۰۳۲۔

((مَنْ أَطْلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ أَنْ يَفْقَوْا عَيْنَهُ)) ❶

”جس نے کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر جھانکا اس کے گھر والوں کے لیے جائز ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں۔“

اسی طرح لوگوں کی باتیں ان کی مرضی کے بغیر اور ان سے چھپ چھپا کر سننا بھی حرام قرار دیا۔ فرمایا:

((مَنْ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ كَارِهُونَ صُبَّ فِي أُذُنَيْهِ الْأَنْكُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ)) ❷

”جس نے لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنیں در آنحالیکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ انڈیل دیا جائے گا۔“

قرآن نے لازمی قرار دیا ہے کہ جو شخص کسی سے ملنا چاہتا ہو وہ اس کے گھر میں داخل نہ ہو جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے اور سلام نہ کرے۔

تجسس کرنے اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑنے کی ممانعت کا حکم عام ہے جو حکام اور رعایا دونوں کو شامل ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْتَ إِنْ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدَتْهُمْ أَمْ كَذَبْتَ تُفْسِدُهُمْ)) ❸

”اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو گے تو ان میں بگاڑ پیدا کرو گے۔“

اور سیدنا ابوامامہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرَّيْبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ)) ❹

❶ بخاری، کتاب الدیات: باب من اطلع فی بیت قوم۔ ح: ۶۹۰۲۔ مسلم، کتاب الآداب: باب حریم النظر فی بیت غیرہ، ح: ۲۱۵۸۔

❷ بخاری، کتاب التعبير: باب من کذب فی حلمہ، ح: ۷۰۴۲۔

❸ ابوداؤد، کتاب الادب: باب فی التجسس، ح: ۴۸۸۸، ابن حبان (۱۴۹۵)

❹ مسند احمد (۴/۶) ابوداؤد، حوائث سابق، ح/ ۴۸۸۹۔

”امیر جب لوگوں میں شک و شبہ کی باتیں تلاش کرنے لگتا ہے تو ان کے اندر بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔“

### غیبت

① چھٹی بات جس کی سورہ حجرات کی مذکورہ آیت میں ممانعت کر دی گئی ہے وہ غیبت

ہے۔ آپ ﷺ نے غیبت کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے:

(أَتَذَرُونَّ مَا الْغَيْبَةُ؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔ قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ، قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ۔ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهْتَهُ) ❶

”جانتے ہو غیبت کیا ہے؟“ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر

جانتے ہیں۔ فرمایا: ”یہ کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو جو اسے ناگوار ہو۔“

عرض کیا گیا: اگر اس میں وہ بات موجود ہو تو؟ فرمایا: ”اگر وہ بات اس میں

موجود ہو تب ہی تو تم نے غیبت کی ورنہ تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔“

انسان کو عام طور سے جو باتیں ناگوار ہوتی ہیں وہ عموماً اس کی خلقت اخلاق نسب

وغیرہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا:

آپ ﷺ کے لیے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا پستہ قد ہونا کافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ قُلْتُ كَلِمَةً لَوْ مَزَجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ)) ❷

”تم نے ایسی بات کہی کہ اگر اس کو سمندر میں ملایا جائے تو اس کا پانی متغیر

ہو جائے۔“

غیبت دوسروں کو گرانے اور تحقیر و تذلیل کرنے کی خواہش رکھنا، اور ان کی غیر موجودگی

میں ان کی عزت کو مجروح کرنا ہے۔ یہ خست اور بزدلی کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ پیچھے سے

❶ مسلم، کتاب البر والصلة: باب تحريم الغيبة، ح/ ۲۵۸۹۔

❷ ابوداؤد، کتاب الادب: باب فی الغيبة، ح: ۴۸۷۵۔ ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب (۵۱) ح:

حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ غیبت ایک منفی نوعیت کا فعل بد ہے، کیونکہ جس کو کوئی کام نہیں ہوتا وہ دوسروں کی غیبت کرتا ہے۔ اس بنا پر قرآن نے غیبت کی شاعت و قباحت بیان کی ہے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾ (الحجرات: ۱۲/۴۹)

”اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم تو اس سے گھن ہی کرتے ہو۔“

انسان کسی بھی انسان کا گوشت کھانے سے طبعاً نفرت کرتا ہے۔ پھر جب اپنے بھائی کا گوشت ہو اور وہ بھی مردہ بھائی کا، تو اس سے کس قدر گھن آئے گی؟!

نبی ﷺ اس قرآنی تصویر کو ذہنوں میں اتارنے کی برابر کوشش کرتے رہے اور غیبت سے نفرت دلاتے رہے۔ چنانچہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد دوسرے شخص نے اس کے بارے میں توہین آمیز بات کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خلال کرلو۔ اس نے عرض کیا: خلال کس وجہ سے کروں؟ میں نے گوشت تو کھایا نہیں ہے۔“ فرمایا:

((إِنَّكَ أَكَلْتَ لَحْمَ أَخِيكَ)) ❶

”تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے۔“

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بدبودار ہوا چلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اتَّذِرُونَا مَا هَذِهِ الرِّيحُ؟ هَذِهِ رِيحُ الَّذِينَ يَغْتَابُونَ الْمُؤْمِنِينَ)) ❷

”جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مؤمنوں کی غیبت کرتے ہیں۔“

❶ طبرانی فی الکبیر (۱۰/۱۲۶)

❷ مسند احمد (۳/۳۵۱) بخاری فی الادب المفرد (۷۵۳)

### غیبت کے سلسلہ میں رخصت کی حدود

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ اسلام میں فرد کی ذاتی حرمت نہایت مقدس ہے۔ لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جن کو علمائے اسلام نے حرام غیبت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اس استثناء سے بقدر ضرورت ہی فائدہ اٹھانا چاہیے مثلاً

❧ اس سلسلہ کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ مظلوم کو ظالم کی شکایت کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَجِبُ لِلَّهِ الْجَهْرُ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا﴾ (النساء: ۴/۱۴۸)

”اللہ بدگوئی پر زبان کھولنے کو پسند نہیں کرتا“ الا یہ کہ کوئی شخص مظلوم ہو۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

❧ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی متعین شخص کے بارے میں اس سے کاروبار میں شرکت یا اپنی بیٹی کے نکاح یا کوئی اہم ذمہ داری اس کے سپرد کرنے کی غرض سے سوال کرے۔ ایسے موقع پر دو متعارض باتیں سامنے آ جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ دین میں خیر خواہی واجب ہے اور دوسرے یہ کہ غیر موجود شخص کی عزت کا تحفظ بھی واجب ہے۔ لیکن چونکہ پہلی چیز زیادہ اہم اور مقدس ہے اس لیے اس کو دوسری چیز پر ترجیح دی جانی چاہیے۔ چنانچہ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے دو پیغام دینے والوں کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے ایک کے بارے میں فرمایا کہ ”وہ مفلس ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں“ اور دوسرے کے بارے میں فرمایا: ”وہ عورتوں کو بہت مارتا ہے۔“❶

❧ اسی طرح استفتاء کے لیے غیبت کا جواز ہے۔

❧ اور منکر کے ازالہ کے لیے کسی کا تعاون حاصل کرنے کی غرض سے بھی۔

❧ اگر کسی شخص کا نام یا لقب یا وصف ایسا ہو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو، لیکن وہ اسی نام سے

❶ مسلم، کتاب الفلاق: باب المطلقة البائن لانفقة لها ح ۱۴۸۰

مشہور ہو، مثلاً اعرج (لنگڑا) اعمش (کمزور نگاہ والا) ابن فلانہ وغیرہ تو ایسی صورت میں اسے اس نام سے پکارنا بھی جائز ہے۔

اسی طرح گواہوں اور حدیث کے راویوں پر جرح کرنا بھی جائز ہے۔

لیکن مندرجہ بالا جواز کی صورتوں میں یہ بھی احتیاط ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ جب تک غیر موجود شخص کے سلسلہ میں ناگوار بات کا تذکرہ کرنے کی شدید ضرورت محسوس نہ ہو اس وقت تک اس دائرہ میں قدم رکھنا صحیح نہیں۔ اور جب تک اشارہ کنایہ سے کام چلتا ہو تصریح نہ کی جائے۔ اسی طرح جب تک عمومیت اختیار کی جاسکتی ہو تخصیص نہ کی جائے اور کوئی ایسی بات ہرگز نہ کی جائے جو فی الواقع اس شخص میں موجود نہ ہو ورنہ بہتان ہوگا جو حرام ہے۔

علاوہ ازیں ان تمام باتوں کے سلسلہ میں فیصلہ کن معاملہ نیت کا ہے۔ انسان خود دوسروں کے مقابلہ میں اپنے قلبی و ذہنی محرکات کو بہتر طور پر جانتا ہے۔ نیت ہی کے ذریعہ غیبت و تنقید اور نصیحت اور برائی کی تشہیر وغیرہ کے درمیان فرق کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مؤمن اپنے نفس کا نہایت سختی کے ساتھ محاسبہ کرتا ہے۔

اسلام میں غیبت سننے والا بھی گناہ میں اسی طرح شریک ہے جس طرح کہ کرنے اور کہنے والا لہذا ایک مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی مدد کرے اور اس کی طرف سے مدافعت کرے۔ حدیث نبوی میں ہے:

((مَنْ ذَبَّ عَنْ عَرَضِ أَخِيهِ الْغَيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُعْتَقَهُ مِنْ النَّارِ)) ❶

”جو شخص اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ نہ ہونے دے اللہ پر حق ہے کہ اسے آگ سے نجات بخشنے۔“

دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے:

❶ مسند احمد (۶/۴۶۱) مکرم الاخلاق - للنخراطی (وابو نعیم فی الحلیۃ (۶/۶۷) وابن المبارک فی الزہد (ص-۲۴۰/ح/۶۸۷) وللحدیث شواہد۔

”جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کی عزت کو بچائے گا، اللہ قیامت کے دن اس کے چہرہ کو آگ سے بجائے گا۔“

لیکن جو شخص یہ حوصلہ نہ رکھتا ہو اور اپنے بھائی کی عزت پر حملہ کرنے والی زبانوں کو روک نہ سکتا ہو، اسے چاہیے کہ ایسی مجلس سے نکل جائے اور ایسے لوگوں سے قطعاً اعراض کرے جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں لگ نہیں جاتے، ورنہ عجب نہیں کہ اس کا شمار بھی غیبت کرنے والوں میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ﴾ (النساء: ١٤٠)

”ورنہ تم بھی ان ہی جیسے ہو“

⑥ غیبت سے مشابہت رکھنے والی ایک عادت بد چغل خوری بھی ہے جسے اسلام نے شدید طور پر حرام ٹھہرایا ہے۔ چغل خوری یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے بارے میں کوئی ایسی بات سنے جو باہمی تعلقات کو خراب کرنے اور فساد پیدا کرنے کی غرض سے وہ بات اس دوسرے شخص تک پہنچا دے۔ قرآن نے مکی دور کے اوائل ہی میں اس بری خصلت کی پوں مذمت بیان کر دی تھی:

”ایسے شخص کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا اور بے وقعت ہے۔ جو طعنے دیتا اور چنگلاں کھاتا پھرتا ہے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ)) ②

① ترمذی، کتاب البر والصلة: باب ما جاء في الذب عن عرض المسلم، ح: ۱۹۳۱۔

٢ بخاری، کتاب الادب: باب ما یکره من النمیمۃ، ح: ٦٠٥٦ - مسلم، کتاب الایمان: باب بیان

غلظ تحريم النسيئة، ح: ١٠٥)

”جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا۔“

نیز فرمایا:

((شِرَارُ عِبَادِ اللَّهِ الْمَشَاءُونَ بِالنَّمِيمَةِ الْمُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ  
الْبَاغُونَ لِلْبِرَاءِ الْعَيْبَ)) ❶

”اللہ کے (نزدیک) بدترین بندے وہ ہیں جو چغل خوری کرتے ہیں، دوستوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہیں اور بے قصوروں میں عیب کے خواہاں ہوتے ہیں۔“  
اسلام جھگڑوں کے تصفیہ اور باہم صلح صفائی کی غرض و مفاد سے اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے بارے میں بدگوئی کی ہو تو اصلاح کرنے والا شخص اسے چھپانے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے اچھی بات کا اضافہ (جھوٹ بول دے) کرے۔ حدیث میں ہے:

((لَيْسَ بِكَذَّابٍ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَقَالَ خَيْرًا أَوْ نَمِيَ خَيْرًا)) ❷

”وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے اچھی بات کہے یا اچھی بات (ان میں سے کسی کی طرف) منسوب کرے۔“

اسلام ان لوگوں پر سخت ناراضی کا اظہار کرتا ہے جو بری بات سن کر فتنہ و فساد کی غرض سے فوراً بات کو ادھر سے ادھر پہنچا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اس بات پر اکتفا نہیں کرتے کہ انہوں نے جو کچھ سنا ہے اسے بیان کر دیں، بلکہ اسے نمک مرچ لگا کر پیش کرتے ہیں اور اپنی طرف سے مزید باتیں گھڑ کر بھی پیش کرنے لگتے ہیں۔

ایک شخص عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کسی دوسرے شخص کی برائی کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: ”تم چاہو تو ہم تمہارے معاملہ میں غور کریں گے۔ اگر تم جھوٹے ہو تو آیت ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِيقٌ بِنَا فِتْيَانُوا﴾ میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان میں

❶ مسند احمد (۴/۲۲۷)

❷ بخاری، کتاب الصلح: باب ليس الكاذب الذي يصلح بين الناس، ح: ۲۶۹۲۔ مسلم، کتاب البر والصلة: باب تحريم الكذب وبيان ما يباح منه، ح: ۲۶۰۵۔



سے ہو اور اگر تم چاہو تو ہم تم سے درگزر کریں گے۔“ اس شخص نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ درگزر ہی کیجئے۔ میں اب کبھی دوبارہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

### عزت کی حرمت

۸) ہم نے دیکھ لیا کہ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ کس طرح لوگوں کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے! بلکہ کس طرح اس کو درجہ تقدیس و تعظیم کی بلندی تک پہنچایا ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خانہ کعبہ کی طرف دیکھ کر کہا: ”تیری عظمت اور تیری حرمت کا کیا کہنا! لیکن مؤمن کی حرمت تجھ سے بھی بڑھ کر ہے۔“ ۱ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے مسلمانوں کے جم غفیر کے درمیان خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ أَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَدِمَاءَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا)) ۲

”تمہارے مال، تمہاری عزتیں اور تمہارے خون تم پر اسی طرح حرام ہیں جس

طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ اور تمہارے اس شہر (مکہ) میں حرام ہے۔“

اسلام کی نظر میں فرد کی عزت و آبرو اس قدر عزیز ہے کہ جو بات بھی انسان کو ناگوار ہو سکتی ہو اس کا ذکر اس کی غیر موجودگی میں کرنے کی اجازت نہیں دیتا اگرچہ کہ وہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح کیوں نہ ہو اور جب وہ (اسلام انسان) ایسی بات کو گوارا نہیں کرتا تو بے بنیاد باتوں اور افتراء پر دازیوں کو کیونکہ گوارا کرے گا؟ ایسی صورت میں تو وہ گناہ کبیرہ بن جائے گا۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ ذَكَرَ امْرَأًا بِشَيْءٍ لَيْسَ فِيهِ لِعَيْبَةٍ بِهِ حَبْسُهُ اللَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ

حَتَّى يَأْتِيَ بِبَيِّنَاتٍ مَا قَالَ فِيهِ)) ۳

۱ ترمذی، کتاب البر والصلة: باب ما جاء في تعظيم المؤمن، ح: ۲۰۳۲۔

۲ بخاری، کتاب المغازی: باب حجة الوداع، ح: ۴۴۰۶۔ مسلم، کتاب القسامة: باب تغليظ تحريم الدماء والاعراض والاموال، ح: ۱۶۷۹۔

۳ مجمع الزوائد (۸/ ۹۴) بحوالہ طبرانی فی الاوسط (۹/ ۴۳۲) ح: (۸۹۳۱) واستادہ ضعیف۔

”جس نے کسی شخص کے بارے میں ایسی بات کہی جو اس میں نہیں ہے، تاکہ اس میں عیب نکالا جائے تو اللہ اسے جہنم کی آگ میں روکے گا یہاں تک کہ وہ اپنی بات صحیح ثابت کر دکھائے۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

((أَتَدْرُونَ أَرْبَى الرَّبَا عِنْدَ اللَّهِ؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ فَإِنَّ أَرْبَى الرَّبَا عِنْدَ اللَّهِ اسْتِحْلَالُ عَرَضٍ مُسْلِمٍ)) ❶

”جانتے ہو اللہ کے نزدیک سب سے بڑا سود کیا ہے؟“ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: سب سے بڑا سود اللہ کے نزدیک مسلمان کی عزت کو حلال کر لینا ہے۔“

پھر آپ ﷺ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِشْمَامُمِينًا﴾ (الاحزاب: ۵۸/۳۳)

”جو لوگ مؤمن مردوں اور عورتوں کو جبکہ وہ بے قصور ہوں اذیت دیتے ہیں وہ بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔“

عزت پر حملہ کی بدترین صورت یہ ہے کہ عفت مآب مؤمن عورتوں پر بے حیائی کے ارتکاب کی تہمت لگائی جائے۔ جس سے ان کو اور ان کے خاندان والوں کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور ان کا مستقبل خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ نیز اس سے اسلامی معاشرہ میں بے حیائی کی اشاعت ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کا شمار سات مہلک کبیرہ گناہوں میں کیا ہے۔ اور قرآن نے اس پر سخت وعید سنائی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغُفْلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾ (النور: ۲۴-۲۳)

❶ مجمع الزوائد (۹۲/۸) بیہقی فی شعب الایمان۔ (۲۹۸/۵) ح: (۶۷۱۱) مستند ابی یعلیٰ (۳۵۹/۴) ح: (۴۶۷۰) واسنادہ ضعیف۔

”جو لوگ پاکدامن، غافل، مؤمن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ وہ دن جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ (دنیا میں) کیا کرتے رہے ہیں۔“

### خون کی حرمت

⑨ اسلام نے انسانی زندگی کو مقدس اور انسانی جانوں کو محترم ٹھہرایا ہے۔ انسانی جان پر زیادتی

کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ کفر و شرک کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

﴿أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ

النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (المائدة: ۳۲/۵)

”جس نے کسی جان کو قتل کیا، بغیر اس کے کہ اس نے کسی جان (انسان) کو قتل

کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔“

یہ اس لیے کہ پوری نوع انسانی ایک خاندان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ایک شخص پر

زیادتی درحقیقت نوع انسانی پر زیادتی ہے۔ یہ حرمت اس صورت میں اور شدید ہو جاتی ہے

جبکہ مقتول مؤمن ہو۔

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدِّيًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ

وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۹۳/۴)

”اور جو کوئی کسی مؤمن کو عمداً (جان بوجھ کر) قتل کرے گا تو اسکی سزا جہنم ہے

جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس

نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَزَوَالِ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ)) ①

① ترمذی، کتاب الدیات: باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن - ح: ۱۳۹۵ - نسائی، کتاب تحریم

الدم: باب تعظیم الدم، ح: ۳۹۹۲۔

”دنیا کا زوال اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں کمتر درجہ کا ہے۔“

اور فرمایا:

((لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ فِي فَسْحَةٍ مِّنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا)) ❶  
”مومن دین کی گنجائشوں کے اندر رہتا ہے جب تک کہ قتلِ حرام کا مرتکب نہیں ہوتا۔“

نیز فرمایا:

(كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا الرَّجُلَ يَمُوتُ مُشْرِكًا أَوْ الرَّجُلَ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا) ❷  
”ہر گناہ کے بارے میں اللہ سے مغفرت و بخشش کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اسے معاف کر دے سوائے اس شخص کے جس کی موت شرک پر ہو یا وہ شخص جس نے مومن کو عمداً (جان بوجھ کر) قتل کیا ہو۔“

مذکورہ آیات و احادیث کے پیش نظر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ❸ غالباً ان کے نزدیک توبہ کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ متعلقہ افراد کے حقوق لوٹائے جائیں یا انہیں راضی کر لیا جائے۔ لیکن مقتول کے حق کو لوٹانے یا اس کو راضی کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں رہا؟

اور دیگر علماء کا کہنا ہے کہ سچی توبہ مقبول ہے اور وہ شرک بھی کو مٹا دیتی ہے۔ لہذا جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہو اور اس سے توبہ کر لی جائے تو وہ توبہ کیونکر قبول نہ ہوگی؟  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ

❶ بخاری، کتاب الدیات: باب (۱) ح/ ۶۹۶۲۔

❷ ابو داؤد، کتاب الفتن: باب فی تعظیم قتل المؤمن ح/ ۴۲۷۰۔ صحیح ابن حبان (موارد: ۵۱) مستدرک حاکم (۴/ ۳۵۱)۔

❸ بخاری، کتاب التفسیر: سورة الفرقان ح/ ۴۷۶۲۔ مسلم، کتاب التفسیر: باب (۱) ح/ ۳۰۲۳۔

إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَنْقُصْ أَثَمًا ۖ يُضَعَّفُ لَهُ الْعَذَابُ  
يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۖ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا  
صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٧٠﴾  
(الفرقان: ۷۰ تا ۷۸)

” (رحمن کے بندے وہ ہیں) جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الہ کو نہیں پکارتے اور نہ کسی نفس کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی یہ کام کرے گا وہ اپنے جرم کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے دن اس کو دو گنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلت و رسوائی کے ساتھ پڑا رہے گا۔ بجز اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لا کر عمل صالح کیا، تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا مغفرت فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہوں گے

نبی ﷺ نے مسلمان کے قتل و قاتل کو ایک قسم کا کفر اور جاہلیت کا کام قرار دیا ہے۔ جیسے کہ اہل جاہلیت ایک اونٹنی یا ایک گھوڑے کو پانی پلانے کی خاطر جنگ اور خونریزی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(( سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ )) ❶

”مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔“

(( لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ )) ❷

”میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔“

نیز فرمایا: ”جب دو مسلمان ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھاتے ہیں، تو وہ جہنم کے کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب ایک شخص دوسرے کو قتل کرتا ہے تو دونوں جہنم میں داخل

❶ بخاری، کتاب الادب: باب ما ينهى من السباب واللعن، ح: ۶۰۴۶۔ مسلم، کتاب الایمان: باب

بیان قول النبی ﷺ ”سباب المسلم فسوق“ ح: ۶۴۔

❷ بخاری، کتاب الدیات / باب (ومن احياها) ح / ۶۸۶۸، ۶۸۶۹۔ مسلم، کتاب الایمان: باب

بیان معنی قول النبی ﷺ ”لا ترجعوا بعدی کفاراً۔“ ح: ۶۵، ۶۶۔

ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! قاتل کا معاملہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن مقتول کیونکر جہنم میں داخل ہوگا؟ فرمایا: ”وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔“<sup>①</sup>

اسی لیے نبی ﷺ نے ہر ایسے کام سے منع فرمایا ہے جو موجب قتل اور باعث جنگ ہو خواہ یہ صورت ہتھیار کے ذریعہ صرف اشارہ کرنے کی حد تک کیوں نہ ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُشْرَاحُكُمْ إِلَىٰ أَخِيهِ بِالسَّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقْعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ))<sup>②</sup>

”تم میں سے کوئی شخص ہتھیار سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ بھی نہ کرے۔ کیا معلوم شیطان اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے اور وہ جہنم کے گھرے میں جا گرے۔“

نیز فرمایا: ”جس نے اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کیا اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس سے باز آ جائے خواہ وہ اس کا سگ بھائی ہی کیوں نہ ہو۔“<sup>③</sup>

بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوفزدہ کرے۔“<sup>④</sup>

قتل کے گناہ کا مستحق صرف قاتل ہی نہیں ہوگا بلکہ وہ شخص بھی ہوگا جو قول یا فعل سے اس میں شریک ہو۔ وہ اپنی شرکت کے بقدر اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا حتیٰ کہ جو شخص قتل کے موقع پر موجود ہو وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا۔ حدیث میں ہے: ”کوئی شخص ایسی جگہ موجود نہ رہے جہاں کسی شخص کو قتل کیا جا رہا ہو کیونکہ جو لوگ اس موقع پر موجود ہوں اور اس

① بخاری، کتاب الدیات، باب (ومن احياها) ح: ۶۸۷۵۔ مسلم، کتاب الفتن: باب اذا تواجه المسلمان بسيفيهما ح: ۲۸۸۸۔

② بخاری، کتاب الفتن: باب قول النبي ﷺ ”من حمل علينا السلاح“ ح: ۷۰۷۲۔ مسلم، کتاب البر والصلة: باب النهی عن الاشارة بالسلاح ح: ۲۶۱۷۔

③ مسلم، کتاب البر والصلة: باب النهی عن الاشارة بالسلاح ح: ۲۶۱۶۔

④ ابو داؤد، کتاب الادب: باب من يأخذ الشيء من مزاح ح: ۵۰۰۴۔

کو بچانے کی کوشش نہ کریں، ان پر بھی لعنت نازل ہوتی ہے۔“ ❶

### معاهد اور ذمی کے خون کی حرمت

جن نصوص میں مسلمان کے قتل و قتال کی حرمت بیان کی گئی ہے وہ ایک اسلامی معاشرہ میں مسلمانوں کے لیے قانون اور ہدایت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلم کا خون حلال ہے۔

در حقیقت ہر انسان کی جان محترم ہے اور انسان ہونے کی حیثیت سے اس کا تحفظ ضروری ہے بشرطیکہ غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار نہ ہوں۔ اور اگر وہ معاهد یا ذمی ہوں تو ان کی جان کا تحفظ بھی ضروری ہے اور کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ ان پر زیادتی کرے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرُحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا)) ❷

”جس نے کسی معاهد (جس سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو) کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا“ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک سے پائی جائے گی۔“

دوسری روایت میں ہے:

((مَنْ قَتَلَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الدِّمَةِ لَمْ يَجِدْ رِيحَ الْجَنَّةِ)) ❸

”جس نے کسی ذمی کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔“

### خون کی حرمت کب زائل ہوتی ہے؟

ارشادِ ربانی ہے:

❶ رواہ الطبرانی فی الکبیر (۱۱/ ۲۶۰) کما فی المجموع (۸/ ۲۹۴) واسنادہ ضعیف۔

❷ بخاری، کتاب الجزية: باب اثم من قتل معاهدًا۔ ح: ۳۱۶۶۔

❸ نسائی، کتاب القسامة: باب تعظیم قتل المعاهد۔ ح: ۴۷۵۳۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (الانعام: ۱۵۱)

”اور کسی نفس کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، قتل نہ کرو؛ مگر حق کے ساتھ۔“

یہ حق درج ذیل جرائم میں سے کسی ایک جرم کے ارتکاب کی صورت میں قائم ہوتا ہے:

ظلماً قتل کرنے کی صورت میں: جس شخص کے بارے میں دلائل سے ثابت ہو جائے

کہ وہ قتل کے جرم کا مرتکب ہوا ہے اس سے قصاص لینا واجب ہے یعنی جان کے

بدلہ جان اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ (البقرة: ۱۷۹)

”تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔“

کھلے بندوں زنا کا ارتکاب: اس طور سے کہ چار صالح اشخاص اسے عینی طور پر اپنی

آنکھوں سے زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ لیں اور اس کی گواہی دیں؛ بشرطیکہ وہ

نکاح کے جائز طریقہ سے واقف ہو۔ اگر وہ خود حاکم کے سامنے چار مرتبہ اس کا

اقرار کرے تو یہ اقرار کرنا، گواہی کے قائم مقام ہوگا۔

دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل جانا (مرتد ہو جانا) اور اس خروج

کے ذریعہ علانیہ اسلامی جماعت کو چیلنج کرنا۔ اسلام کسی کو بھی دین میں داخل ہونے

کے لیے مجبور نہیں کرتا، لیکن وہ اس بات کو بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی دین کے

ساتھ کھینے لگے۔

حدیث میں ہے:

((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَخْذِ ثَلَاثٍ: النَّفْسِ بِالنَّفْسِ

وَالثَّيْبِ الزَّانِي وَالْتَّارِكِ لِدَيْنِهِ الْمُفَارِقِ لِلْجَمَاعَةِ)) ❶

”مسلمان کا خون حلال نہیں بجز تین صورتوں کے۔

جان کے بدلہ جان۔

❶ بخاری، کتاب الدیات: باب قول الله تعالى (ان النفس بالنفس)۔ ح/ ۶۸۷۸، مسلم، کتاب

القسامة: باب ما يباح به دم المسلم۔ ح: ۱۶۷۶۔



﴿۲﴾ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب۔

﴿۳﴾ اور دین کو ترک کر کے جماعت سے الگ ہونے والا۔“

لیکن ان صورتوں میں اس حد کے نفاذ کی ذمہ داری صاحب امر (سربراہ، حکومت، حاکم وقت) کی ہے۔ افراد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ خود اس حد کو نافذ کریں جس سے امن کو خطرہ لاحق ہو اور لا قانونیت پیدا ہو جائے، نیز ہر شخص اپنے کو قاضی اور قانون کے نفاذ کا ذمہ دار نہ سمجھ لے۔ البتہ علیٰ عمد کی صورت میں جبکہ قصاص لینا واجب ہے، اسلام نے مقتول کے وارثوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ حاکم کی موجودگی میں اپنے ہاتھ سے قصاص لے سکتے ہیں تاکہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں اور انتقام کی آگ بجھ جائے اور اس ارشاد الہی کی تعمیل ہو:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطٰنًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۚ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝﴾ (الاسراء: ۱۷/۳۳)

”جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے لہذا وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ اس کی مدد کی گئی ہے۔“

خودکشی

قتل کے سلسلہ میں جو نصوص وارد ہوئی ہیں اُن کے پیش نظر اس جرم میں خودکشی بھی شامل ہے۔ لہذا جس نے خودکشی کی خواہ کسی بھی ذریعہ سے ہو اس نے ایک نفس کو قتل کر دیا جس کا ناحق قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

انسان اپنی زندگی کا آپ مالک و مختار نہیں ہے کیونکہ وہ زندگی کے ایک خلیہ اور ذرے کا بھی خالق نہیں ہے۔ زندگی تو اللہ کی امانت ہے۔ لہذا اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس معاملہ میں کسی زیادتی کا مرتکب ہو، چہ جائیکہ وہ خود ہی اس کا خاتمہ کر دے۔

فرمان ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝﴾ (النساء: ۲۹/۴)

”اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔“

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان شہداء (مصبیبتوں) کا مقابلہ مضبوط قوتِ ارادی کے ساتھ

کرے۔ اسی لیے کسی مصیبت سے گھبرا کر یا کسی امید کے بر نہ آنے کی صورت میں زندگی سے فرار کی راہ اختیار کرنا، ہرگز جائز نہیں ہے۔ مؤمن جدوجہد کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے بیٹھ رہنے کے لیے نہیں۔ اور اس کی تخلیق کشمکش کے لیے ہوئی ہے فرار کے لیے نہیں۔ اس کا ایمان اور اس کا اخلاق کا راہِ حیات سے فرار اختیار کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس کے پاس ایسا ہتھیار ہے جو کبھی خراب نہیں ہوتا اور ایسا ذخیرہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ ہتھیار ایمانِ محکم اور وہ ذخیرہ اخلاق کی پختگی کا ہے۔

جو شخص اس جرمِ شنیع کا مرتکب ہو اس کو رسول اللہ ﷺ نے وعید سنائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم اور اس کے غضب کا مستحق ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان میں ایک شخص تھا جو زخمی ہو گیا اور جُزَعِ فزع کرنے لگا۔ اسی حالت میں اُس نے خود کو چھری لی اور اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا جس سے اس قدر خون بہہ پڑا کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میرے بندے نے اپنے نفس کے معاملہ میں جلد بازی کی لہذا میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔“ ❶

یہ مثال ہے ایسے شخص کی جو زخم کی تاب نہ لا کر خودکشی کر بیٹھا اور جنت کو اپنے اوپر حرام کر لیا، تو غور کریں جو لوگ کاروبار میں تھوڑے بہت نقصان یا امتحان میں ناکام ہو جانے کی بنا پر خودکشی کر بیٹھتے ہیں، ان کا معاملہ کس قدر شدید ہوگا؟ کمزور ارادہ کے لوگوں کو یہ وعید سن لینی چاہیے جو حدیث نبوی میں بیان ہوئی ہے:

((مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَحَسَّى سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا))

❶ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ح: ۳۶۶۳۔ مسلم، کتاب الایمان: باب بیان غلط تحریم قتل الانسان نفسه، ح: ۱۱۳۔

آبِدًا )) ❶

”جس نے اپنے کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کر لی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرتا رہے گا۔ اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے ہاتھ سے زہر کھاتا رہے گا۔ اور جس نے لوہے کی کسی چیز سے خودکشی کی وہ بھی جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لوہے کی اس چیز سے اپنے کو زخمی کرتا رہے گا۔“

### مال و دولت کی حرمت

❶ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ مسلمان جس قدر چاہے مال جمع کرے، بشرطیکہ یہ جمع کرنا جائز طریقہ پر ہو اور آمدنی میں اضافہ کے ذرائع بھی جائز ہی اختیار کیے جائیں۔ بعض مذاہب میں یہ کہا گیا:

”دولت مند آسمان کی بادشاہی میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گزر جائے۔“

تو اس کے مقابلہ میں اسلام کہتا ہے:

(( نَعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ )) ❷

”صالح مال، صالح آدمی کے لیے اچھی چیز ہے۔“

اسلام جہاں فرد کے لیے جائز ملکیت کا قائل ہے وہاں وہ بذریعہ قانون اس کی حفاظت کا سامان بھی کرتا ہے نیز اخلاقی ہدایات کے ذریعہ بھی غصب، چوری اور مکروفریب کے ذریعہ دوسروں کے مال میں زیادتی کرنے سے روکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جان، مال اور آبرو سب کی حرمت ایک ہی سیاق میں بیان فرمائی ہے۔ ❸ اور چوری کو ایمان کے منافی

❶ بخاری، کتاب الطب: باب شرب السم الدواء ح/ ۵۷۷۸، مسلم، کتاب الایمان: باب بیان غلط تحریم قتل الانسان نفسه ح: ۱۰۹۔

❷ سند احمد (۱۹۷/۴) مستدرک حاکم (۲/۲) شرح السنة (۲۴۹۵)۔

❸ بخاری - کتاب المغازی باب حجة الوداع ح: ۴۴۰۶۔ مسلم، کتاب القسامة: باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال ح: ۱۶۷۹۔

قرار دیا ہے۔ فرمایا:

”چور مومن ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا۔“<sup>①</sup>

قرآن نے چوری کی سزا بیان فرمائی:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ

اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (المائدة: ۳۸/۵)

”اور چور مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے کیے کا بدلہ اور

اللہ کی طرف سے عبرت تاک سزا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا: ”کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کی رضا مندی کے

بغیر اس کا ایک عصا (لکڑی) بھی لے لے۔“<sup>②</sup>

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء: ۲۹/۴)

”اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ لین

دین ہو آپس کی رضا مندی سے۔“

رشوت حرام ہے

رشوت بھی لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانے کی ایک صورت ہے۔ رشوت یہ ہے کہ

مال صاحب اقتدار یا سرکاری ملازم کو پیش کیا جائے تاکہ وہ اس کے حق میں یا اس کے

حریف کے خلاف فیصلہ کر دے یا اس کے حریف کے کام کو مؤخر کر دے وغیرہ۔

اسلام نے حکام اور حکومتی کے معاونین کے لیے رشوت ستانی کو حرام ٹھہرایا ہے۔ نہ رشوت

دینا جائز ہے اور نہ اس کا قبول کرنا۔ اسی طرح دونوں کے درمیان واسطہ بنا بھی ممنوع ہے۔

① بخاری، کتاب الحدود: باب ما یحذر من الحدود: ح: ۶۷۷۲۔ مسلم، کتاب الایمان: باب بیان

نقصان الایمان بالمعاصی: ح: ۵۷۔

② مسند احمد (۵/۴۲۵) صحیح ابن حبان (موارد: ۱۱۶۶)۔ (الاحسان ۷/۵۸۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِيَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْمُونَ﴾ (البقرة: ۱۸۸)

”آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ اور نہ ان کو حاکموں کے آگے اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں کسی ایک فریق کے مال کا کوئی حصہ قصداً حق تلفی کر کے گناہ کے ساتھ کھانے کا موقع مل جائے اس حال میں کہ تم جانتے بھی ہو۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَعَنَهُ اللَّهُ عَلَى الرَّاشِيِّ وَالْمُرْتَشِيِّ فِي الْحُكْمِ)) ❶

”اللہ کی لعنت ہو حکومت کے معاملات میں رشوت دینے والے پر بھی اور رشوت لینے والے پر بھی۔“

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ وَالرَّائِشَ)) ❷

”رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور دونوں کے درمیان واسطہ بننے والے تینوں پر لعنت فرمائی ہے۔“

رشوت لینے والا اگر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے رشوت لیتا ہے تو اس کے جرم کی سنگینی دو چند ظاہر ہی ہے۔ اور اگر عدل کرنے کی غرض سے لیتا ہے تو عدل کرنا اس کی ذمہ داری ہے اس کے عوض مال قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہود کی طرف بھیجا تا کہ وہ خراج کی مقدار مقرر کریں۔ یہود نے ان کے لیے کچھ مال کی بھی پیش کش کر دی، لیکن انہوں نے دو ٹوک جواب میں کہا: ”تم نے رشوت کی جو پیشکش کی ہے وہ حرام ہے۔ ہم رشوت نہیں کھاتے۔“ ❸

❶ مسند احمد (۲/۳۸۷-۳۸۸) ترمذی، کتاب الاحکام: باب ما جاء في الراشي والمرتشي، ح: ۱۳۳۶۔

❷ مسند احمد (۵/۲۷۹) مستدرک حاکم (۴/۱۰۳) مسند البزار (۱۳۵۳) واسنادہ ضعیف۔

❸ موطا امام مالک (۲/۷۰۳) کتاب المساقاة: باب ما جاء في المساقاة، ح: ۲۔ واسنادہ مرسل واخرجه احمد (۳/۳۶۷) باسناد متصل۔

رشوت ستانی کی یہ حرمت اور اس گناہ میں شریک ہونے والوں کے بارے میں اسلام کے سخت احکام، قابلِ تعجب نہیں ہیں، کیونکہ کسی بھی سماج میں رشوت کا عام ہونا اس معاشرہ میں ظلم و فساد کے عام ہونے کے مترادف ہے۔ کیونکہ رشوت لے کر خلافِ حق فیصلے کیے جاتے ہیں اور جس کا کام بعد میں ہونا چاہیے اس کا پہلے اور جس کا پہلے ہونا چاہیے اس کا بعد میں کر دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ سماج میں فرائض کی انجام دہی کی اسپرٹ (روح) پیدا ہونے کے بجائے مفاد پرستی کی اسپرٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

حکام کے آگے ہدیے پیش کرنا

اسلام رشوت کو حرام قرار دیتا ہے خواہ اس کی کوئی صورت اور کوئی نام بھی ہو۔ رشوت کو ہدیہ کے نام سے پیش کرنے سے اس کی حرمت حلت میں تبدیل نہیں ہو جاتی۔

حدیث میں ہے:

((مَنْ اسْتَعْمَلَنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اخَذَهُ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ)) ❶

”جس کو ہم نے کسی کام پر مقرر کر دیا اور اس کے معاش کا بھی انتظام کر دیا، اگر اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا وہ خیانت ہوگی۔“

سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا۔ آپ سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ تو انہوں نے جواب دیا:

”آپ ﷺ کے لیے ہدیہ تھا اور ہمارے لیے رشوت ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ایک والی کو قبیلہ ازد کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے کچھ مال اپنے لیے روک رکھا اور کہا: ”یہ آپ لوگوں کا ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ ہے۔“ نبی ﷺ اس پر برہم ہوئے اور فرمایا: ”اگر تم سچے ہو تو اپنے باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھے رہتے اور پھر دیکھ لیتے کہ ہدیہ تمہارے پاس آتا ہے یا نہیں۔“ پھر فرمایا:

((مَالِي اسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ فَيَقُولُ: هَذَا لَكُمْ وَهَذَا لِي هَدِيَّةٌ))

❶ ابو داؤد، کتاب الخراج: باب فی ارزاق العمال، ح: ۲۹۴۳۔

أَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أُمِّهِ لِيُهْدَى لَهُ؛ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا بَعِيرٌ حَقٌّ إِلَّا أَتَى اللَّهَ يَحْمِلُهُ؛ فَلَا يَأْتِيَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِبَعِيرٍ لَهُ رِغَاءٌ أَوْ بَقَرَةٌ لَهَا خُورٌ أَوْ شَاةٌ تَبْعُرُ - ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رُئِيَ بَيَاضُ إِبْطِيهِ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ )) ❶

”کیا بات ہے کہ جس شخص کو میں عامل مقرر کرتا ہوں وہ کہتا ہے: ”یہ تمہارے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ ہے؟“ وہ اپنی ماں کے گھر میں نہ بیٹھا رہا کہ ہدیہ اس کے پاس آجاتا! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے جو شخص بھی کوئی چیز بغیر حق کے لے گا، وہ اللہ کے ہاں اس مال کو اپنے اوپر لادے ہوئے آئے گا (قیامت کے روز)۔ تو دیکھو تم میں سے کوئی شخص قیامت کے دن اپنی گردن پر اونٹ گائے یا بکری کو اٹھائے ہوئے نہ آئے اس حال میں کہ یہ جانور چیخ رہے ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بغل کی سفیدی دکھائی دینے لگی اور فرمایا: اے اللہ..... میں (حق بات) پہنچا چکا۔“

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ان شدید احکام کے پیش نظر قاضی اور والی کو چاہیے کہ وہ خود کو اپنے ماں باپ کے گھر میں فرض خیال کر لے۔ منصب سے معزولی کی صورت میں اسے اپنی ماں کے گھر میں رہتے ہوئے جو کچھ ملتا تھا اس کو منصب پر رہتے ہوئے حاصل کرنا جائز ہوگا۔ اور جس کے بارے میں اسے یہ معلوم ہو کہ یہ منصب کی بنا پر مل رہا ہے تو اس کا لینا بھی حرام ہوگا۔ رہے احباب کے وہ ہدیئے جن کے بارے میں اشکال محسوس ہو کہ معزول ہونے کی صورت میں اسے ملتے یا نہیں تو وہ مشتبہ ہیں بہر نوع مومن کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔“

❶ بخاری، کتاب الاحکام: باب ہدایا العمال، ح: ۷۱۷۴۔ مسلم، کتاب الامارۃ: باب تحریم ہدایا العمال، ح: ۱۸۳۲۔  
❷ احیاء علوم الدین۔ کتاب الحلال والحرام۔ ۲۔ ۱۳۷۔

## رفع ظلم کے لیے رشوت

جس شخص کی حق تلفی ہو رہی ہو اور بجز رشوت کے کوئی صورت اس کے حصول کی نہ ہو یا اس پر ظلم کیا جا رہا ہو اور سوائے رشوت کے اس کا دفعیہ (حل) ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں افضل یہ ہے کہ صبر سے کام لیا جائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے رفع ظلم اور حصول حق کی بہتر صورت پیدا فرمائے، لیکن اگر اس مجبوری کی بنا پر اسے رشوت دینا پڑے تو گناہ رشوت لینے والے کے سر ہوگا، دینے والے پر نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس نے دوسرے تمام ذرائع سے کام لیا ہو اور وہ نتیجتاً بے سود رہے ہوں، نیز وہ رشوت دے کر ظلم کو دور کرنا یا اپنا حق وصول کرنا چاہتا ہو نہ کہ دوسروں کی حق تلفی کرنا مقصود ہو۔

بعض علماء اس سلسلہ میں ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص میرے پاس سے اپنی بغل میں صدقہ کا مال دبائے نکل جاتا ہے، حالانکہ وہ اس کے لیے آگ ہے۔“ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جب اس کے لیے آگ ہے تو آپ اسے کس طرح دیتے ہیں؟ فرمایا: ”کیا کروں؟ وہ اس طرح مانگتے ہیں کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتے اور اللہ عزوجل کو یہ بات پسند نہیں کہ میں بخل سے کام لوں۔“ ❶

جب اصرار و دباؤ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سائل کو مال دیا کرتے تھے اور یہ جانتے ہوئے دیا کرتے تھے کہ یہ لینے والے کے حق میں آگ ہے، تو ظلم کو دفع کرنے اور اپنا تلف شدہ حق وصول کرنے کی ضرورت کا دباؤ قبول کرنا کیونکہ جائز نہ ہوگا؟  
اپنے مال میں اسراف کرنا حرام ہے

جس طرح دوسروں کے مال کی حرمت ہے اسی طرح انسان کے اپنے مال کی بھی حرمت ہے۔ اسے نہ ضائع کرنا چاہیے اور نہ اسراف سے کام لے کر ادھر ادھر بکھیر دینا چاہیے۔ افراد کے مال میں تمام امت (غریب و فقراء) کا حق ہے اور تمام مالکوں کے بعد وہی

ند احمد (۳/ ۴-۱۶) - صحیح ابن حبان (موارد- ۸۴۸) (الاحسان - ۵/ ۱۷۴-۱۷۵)

مسند ابی یعلیٰ (۱۳۲۷) مسند البزار (۹۲۴-۹۲۵)۔



اس کی مالک ہے۔ اسی لیے اسلام نے امت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ نادان لوگوں کے مال کو روکے۔ قرآن میں ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ ﴿النساء: ۵/۴﴾

”اور اپنے مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نادانوں کے حوالہ نہ کرو البتہ اس سے انہیں کھلاؤ، پہناؤ اور ان سے بھلے طریقہ پر بات کرتے رہو۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت سے مخاطب ہو کر کہا ہے ﴿أَمْوَالَكُم﴾ (تمہارے مال) حالانکہ بظاہر یہ ان کے مال نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ حقیقت افراد کا مال مجموعی طور پر امت کا مال ہے اس لیے ﴿أَمْوَالَكُم﴾ فرمایا۔

اسلام، انصاف پسند اور اعتدال کا دین ہے اور امت مسلمہ امت معتدل بھی ہے۔ اور مسلمان ہر معاملہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اسی بنا پر پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسراف اور تبذیر سے منع فرمایا۔ نیز بخل اور تنگی کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿يَبْنَىٰ آدَمَ خُذْ وَارِثَتَكَ عَنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ ﴿الاعراف: ۳۱/۷﴾

”اے اولادِ آدم! ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنی زینت اختیار کرو اور کھاؤ پیو۔“

البتہ اسراف نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اسراف یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ نے حرام ٹھہرائی ہیں ان میں خرچ کیا جائے خواہ کم خرچ کیا جائے یا زیادہ مثلاً: شراب، مخدرات عقل، سونے چاندی کے برتن وغیرہ یا اپنے نفس اور دیگر لوگوں پر مال اڑایا جائے حالانکہ نبی ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ❶ یا جس چیز کی ضرورت نہ ہو اس میں بے دریغ اتنا خرچ کیا جائے کہ ہاتھ خالی ہو جائے۔

بخاری، کتاب الرقاق: باب ما یکرہ من قبل وقال: ح۔ ۶۴۷۳، مسلم، کتاب الاقضية: باب النہی عن کثرہ المسائل۔ ح: ۵۹۳/۱۴۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ آیت ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (البقرة: ۲/۲۱۹) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خرچ کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا: ”رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔“<sup>①</sup>

اور فرمایا:

”نہ تو اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو۔“<sup>②</sup> نیز فرمایا:

”جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ تنگی سے۔“<sup>③</sup> اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

”جب تم میں سے کسی شخص کے پاس مال ہو تو وہ اپنے نفس سے ابتدا کرے پھر جو اس کے زیر کفالت ہوں ان پر اور ان کے بعد دوسرے لوگوں پر خرچ کرے۔“<sup>④</sup>

نیز فرمایا:

”بہترین صدقہ وہ ہے جو آدمی کو (خرچ کرنے کے بعد بھی) غنی رہنے دے۔“<sup>⑤</sup> سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک شخص انڈے کے بقدر سونا لے آیا اور عرض کیا: اسے صدقہ میں قبول فرمائیے۔ قسم سے!

① اسراء: ۱۷، ۲۶۔ ② اسراء: ۱۷، ۲۹۔ ③ فرقان: ۲۵، ۶۷۔

④ مسلم، کتاب الزکوٰۃ: باب الابتداء فی النفقة بالنفس ثم اہلہ: ۹۹۷۔

⑤ مسند احمد (۳/۴۳۴) طبرانی فی الکبیر (۱۲/۱۴۹)۔ وهو متفق علیہ بلفظ آخر انظر

بخاری، (۱۴۲۷) مسلم (۱۰۳۴) اخرجه ابو داود فی الزکوٰۃ (۱۶۷۶) بلفظ ”ان خیر الصدقة ما ترک غنی“ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا۔ لیکن وہ شخص پھر سامنے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ اور اس کو غصہ کی حالت میں لے کر اس کی طرف اس طرح پھینک دیا کہ اگر کسی کے لگ جاتا تو اس کے چوٹ آجاتی۔ پھر فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنا سارا مال لے کر آ جاتا ہے اور پھر بعد میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے بیٹھ جاتا ہے۔“ صدقہ وہ ہے جو غنی کی حالت کو برقرار رکھتے ہوئے کیا جائے۔ اسے لے لو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“<sup>①</sup>

نبی ﷺ اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی خوراک ذخیرہ کر کے رکھتے تھے۔<sup>②</sup>

دانشور کہتے ہیں:

”فضیلت افراط و تفریط کے درمیان ہے۔ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا فضول خرچی ہے اور بہت کم خرچ کرنا بخل ہے۔ اور بہترین صورت اعتدال کی ہے اور یہی مطلب ہے۔ ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کا۔ اس دقیق نکتہ کو ملحوظ رکھنے پر شریعت محمدیہ کا دار و مدار ہے کیونکہ یہود کی شریعت پوری طرح سخت گیری پر مبنی ہے اور نصاریٰ کی شریعت پوری طرح سہل انگاری پر۔ شریعت محمدیہ ہی ان تمام امور میں متوسط ہے۔ اسی لیے وہ ان سب کے مقابلہ میں کامل ترین شریعت ہے۔“<sup>③</sup>



① ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ: باب الرجل یخرج من ماله: ح/ ۱۶۷۳۔ سنن الدارمی (۱/ ۳۹۱) مستدرک حاکم (۱/ ۴۱۳) واسنادہ ضعیف۔

② بخاری، کتاب النفقات: باب حبس الرجل قوت سنة علی اہله۔ ح/ ۵۳۵۷، مسلم، کتاب الجہاد: باب حکم الفی، ح/ ۱۷۵۷۔

③ تفسیر رازی۔ ج ۶، ص ۵۱۔

## غیر مسلمین سے تعلقات

دین کے مخالفین کے ساتھ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں اگر ہم اسلامی تعلیمات کو اجماعاً بیان کرنا چاہیں تو قرآن کریم کی دو آیتیں ہی کافی ہیں جو اس معاملہ میں ایک جامع دستور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

﴿لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظَهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝﴾

(الممتحنة: ۶۰/۸-۹)

”اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ ایسے لوگوں سے جو دوستی کریں گے وہی ظالم ہوں گے۔“

پہلی آیت میں ان غیر مسلمین کے ساتھ جو مسلمانوں کے دشمن یا ان سے برسرِ جنگ نہیں ہیں، نہ صرف عدل و انصاف کی بلکہ حسن سلوک اور ”بر“ کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ ”بر“ ایک جامع لفظ ہے جو ہر قسم کی خیر اور بھلائی کو شامل ہے گویا ”بر“ عدل سے زائد چیز ہے۔

آیت کے الفاظ ﴿لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ﴾ (اللہ تمہیں نہیں روکتا) سے حسن سلوک کے

مطلوب ہونے کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ اسلوب اس بنا پر اختیار کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آسکتی تھی کہ دین کے مخالفین حسن سلوک اور عدل وغیرہ کے مستحق نہیں ہیں۔ اس غلط فہمی کو ڈوڑ کرنے کے لیے واضح کر دیا گیا کہ اللہ مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، دوستی اور عدل کرنے سے نہیں روکتا بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات سے روکتا ہے جو مسلمانوں کے خلاف برسرِ جنگ ہوں اور ان کے خلاف جارحیت اختیار کریں۔

### اہل کتاب کے ساتھ خصوصی رعایت

اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ عدل اور حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یہاں تک کہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں وہاں وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتا ہے خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر؛ چنانچہ قرآن ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ (اے اہل کتاب!) اور ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آؤُتُوا الْكِتَابِ﴾ (اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی تھی) کہہ کر ان سے خطاب کرتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اصلاً آسمانی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا ان کے اور مسلمانوں کے درمیان رشتہ و قرابت ہے یعنی اس دینِ واحد کے اصولوں میں اتفاق ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین رہا ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾

(الشوریٰ: ۱۳/۴۲)

”اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس کو تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کی تھی کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں جدا جدا نہ ہو جاؤ۔“

اور مسلمانوں سے اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان لائیں اس کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے۔ اہل کتاب جب قرآن پڑھتے ہیں تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی کتابوں اور ان کے پیغمبروں کی اس میں کس قدر تعریف کی گئی ہے۔

مسلمان جب اہل کتاب سے بحث کریں تو انہیں ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے جن سے نفرت و عداوت کے جذبات پیدا ہوتے ہوں:

﴿وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَإِلَيْكُمْ وَالْهُدَىٰ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ (العنکبوت: ۲۹/۴۶)

”اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر احسن طریقہ سے، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں اور کہو ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی۔ ہمارا اللہ اور تمہارا اللہ ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مسلم (مطیع و فرمانبردار اور تابعدار) ہیں۔“

اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام نے اہل کتاب کے ساتھ کھانے میں شرکت اور ان کا ذبیحہ کھانے کی اجازت دی ہے اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو بھی جائز قرار دیا ہے حالانکہ زوجیت کا رشتہ سکون و مودت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ہے عام اہل کتاب کے ساتھ اسلام کا روا دارانہ سلوک اور خاص طور سے نصاریٰ کو تو اسلام نے مسلمانوں کے دلوں میں قریبی جگہ دی ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَتَلُوا قَتِيلَيْنِ وَرُحْبَاءَهُمَا ۚ إِنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (المائدة: ۵/۸۲)

(المائدة: ۵/۸۲)

”تم ایمان لانے والوں کی دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عالم اور راہب ہیں اور وہ بلاشبہ تکبر نہیں کرتے۔“

ذمی (اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری)

مذکورہ ہدایات تمام اہل کتاب کے سلسلہ میں ہیں، خواہ وہ کہیں بھی رہتے ہوں، لیکن جو

اہل کتاب اسلامی حکومت کے زیر سایہ مقیم ہوں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ اصطلاحاً ان کو ذمی کہا جاتا ہے۔ ذمی لفظ ذمہ یعنی عہد و معاہدہ کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کے ساتھ اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کی جماعت کا یہ عہد و معاہدہ ہے کہ وہ اسلام کے زیر سایہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ جدید اصطلاح میں اسلامی حکومت کے ”شہری“ ہیں اور قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کے حقوق و فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں، بجز ان امور کے جو عقیدہ و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، کیونکہ اسلام ان کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی مکمل آزادی دیتا ہے۔<sup>①</sup> اس بات پر پہلے زمانہ سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کے حقوق و فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں، بجز ان امور کے جو عقیدہ و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، کیونکہ اسلام ان کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی آزادی دیتا ہے۔

① میں کہتا ہوں:..... یہ اس قسم کے فاضل مؤلف کو وہم ہوا ہے۔ میرے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ سر تسلیم خم کرنے کا سبب وہ احادیث ہیں جو زبانِ زد عام ہیں۔ مؤلف ان سے متاثر ہوئے ہیں اور ان کی صحت کے بارے میں جانچ پرکھ نہیں کی۔ یہ بات کہ انکے لیے وہی ہے جو مسلمانوں کے لیے ہے اور ان پر وہی ہے جو مسلمانوں پر ہے۔ یہ بھی ان گردش کرنے والی احادیث میں سے ایک ہے۔ زیادہ تر خطباء علم سنت و فقہ سے عدم واقفیت کی بناء پر اسے بہت شوق سے بیان کر رہے ہیں۔ حالانکہ فقہاء کی نظر میں بھی معاملہ اس قدر مطلق و آزاد نہیں۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ جمہور علمائے کرام اس کے قائل ہیں کہ مسلمان کو ذمی کے عوض قتل نہ کیا جائے گا اور ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔

علاوہ ازیں بہت سارے حقوق ایسے ہیں جو مسلمان کے مسلمان کے لیے ہیں اور ذمی ان میں شامل نہیں جیسا کہ نبی ﷺ کا قول اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں۔ ایک روایت میں چھ آتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی حقوق ہیں جن کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔

اس لیے یہ حدیث جو لوگوں کی زبان پر گردش کر رہی ہے اس کی سنت کی کتابوں میں کوئی اصل نہیں اور یہ اپنے اطلاق کے لحاظ سے بھی باطل ہے۔ میں جب اسے کسی سے سنا کرتا تھا تو میں اس کے ساتھ بہت حسن ظن رکھتا تھا اور میں اسے بیان بھی کیا کرتا تھا اور مجھے یہ علم تک نہ تھا کہ یہ بے اصل ہے۔ تاہم یہ میرے ذہن میں تھا کہ یہ اپنے اطلاق پر باقی نہیں ہوگی کہ ہر مسلمان کا حق اور ذمی کا حق برابر ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے مؤلف عفا اللہ عنہ کو دیکھا کہ اسے عام قرار دیتے ہیں۔ خاص نہیں کہتے یا یوں کہہ لیں مطلق بیان کرتے ہیں مقید نہیں کرتے۔ بلکہ انہوں نے وضاحت و صراحت سے کہہ دیا ہے کہ ذمی اور مسلمان برابر ہیں۔ صرف یہ متشکی ہیں کہ دین اور عقیدہ سے

تاہم ذمیوں کے حقوق کا خیال رکھنے کی بابت نبی ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے:

(( مَنْ أَذَى ذِمِّيًّا فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ أَذَانِي فَقَدْ أَذَى اللَّهَ )) ❶

”جس نے کسی ذمی کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ اور جس نے مجھے

اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔“

(( مَنْ أَذَى ذِمِّيًّا فَأَنَا خَصْمُهُ وَمَنْ كُنْتُ خَصْمُهُ خَصْمَتُهُ يَوْمَ

الْقِيَمَةِ )) ❷

”جس نے کسی ذمی کو اذیت دی اس کے خلاف میں مقدمہ لڑوں گا اور جس کے

خلاف میں مقدمہ لڑوں گا وہ قیامت کے دن ضرور مغلوب ہوگا۔“

(( مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ انْتَقَصَهُ حَقًّا أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ

شَيْئًا بِغَيْرِ طِبِّ نَفْسٍ مِنْهُ فَأَنَا حَاجِبُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ )) ❸

”جس نے کسی معاہدہ (جس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو) پر ظلم کیا یا

اس کی حق تلفی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر ڈال دیا یا اس کی مرضی

کے معاملات مخصوص ہیں کہ اسلام ہر ایک کو اس کی مرضی کا دین اپنانے کی اجازت دیتا ہے۔

حدیث میں وہم کا منشاء و بنیاد یہ ہے کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں وارد ہوئی ہے جبکہ وہ اسلام لے آئیں تو مسلمانوں کے مؤلف نے اس مناسبت کی بناء پر حدیث کی تفصیل کی ہے پھر اسے مطلقاً استعمال کیا ہے۔ یہ اس وہم کا اصلی سبب ہے۔ واللہ المستعان

میں نے اس بات پر سیر حاصل بحث ”احادیث ضعیفہ“ رقم نمبر (۱۱۰۳) کے تحت کی ہے۔ (غابۃ ۲۱۳)

❶ قال الشيخ الالبانی رحمہ اللہ ”لا اصل له بهذا اللفظ لا عند الطبرانی ولا عند غيره الخ: غاية المرام (۲۱۲) وقال ملا علی القاری ”من احادیث الباطلة ... من أذى ذمياً فقد أذانی (أسرار المرفوعة ص: ۴۸۲)۔

❷ تاریخ بغداد (۸/ ۳۷۰) و اسنادہ منکر۔

❸ ابوداؤد، کتاب الخراج: باب فی تعبیر اهل الذمة اذا اختلفوا بالتجارة ح: ۳۰۵۲۔ السنن الكبرى للبيهقي۔ (۹/ ۲۰۰۵)۔



کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لی، تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے مقدمہ لڑوں گا۔“

ان غیر مسلم شہریوں کے حقوق اور حرمتوں کا لحاظ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء برابر کرتے رہے اور فقہائے امام نے فقہی اختلافات کے باوجود ان حقوق اور حرمتوں سے پورا پورا اتفاق کیا ہے۔

مالکی فقہ کے عالم شہاب الدین قرانی کہتے ہیں:

”ذمیوں کے معاہدہ نے ہم پر کچھ حقوق عائد کیے ہیں، کیونکہ وہ ہماری ہمسائیگی، حفاظت اور امان میں آگئے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور دین اسلام نے امان عطا کی ہے۔ لہذا جو شخص ان پر کسی قسم کی زیادتی کرے گا، خواہ وہ معمولی حد تک ہو، مثلاً: ان سے بری بات کہنا یا ان میں سے کسی کی غیبت کرنا، یا انہیں کسی قسم کی اذیت پہنچانا یا اس طرح کی باتوں میں تعاون کرنا تو وہ اللہ اس کے رسول اور دین اسلام کے عطاء کردہ امان کو تلف کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔“<sup>①</sup>

علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”جو ذمی ہو اور اہل حرب ہمارے ملک میں داخل ہو کر اس پر حملہ کرنا چاہیں تو ہم پر واجب ہے کہ مسلح ہو کر ان کا مقابلہ کریں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہے اس کی حفاظت کرتے ہوئے مرجانا پسند کریں، لیکن اس کو دشمنوں کے حوالہ نہ کریں کہ یہ ذمی بنا لینے کے معاہدہ سے بے اعتنائی برتنے کے مترادف ہے۔“<sup>②</sup>

**غیر مسلمین سے مواصلات (دوستی) کے تعلقات اور اس کا مطلب**

ممکن ہے بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو کہ غیر مسلمین کے ساتھ نیکی، دوستی اور حسن معاشرت کے تعلقات کس طرح پیدا کیے جاسکتے ہیں؟ جبکہ قرآن خود کفار کے ساتھ دوستی کا

② مراتب الاجماع لابن حزم .

① کتاب الفروق للقرافی .

تعلق پیدا کرنے اور انہیں اپنا حلیف اور دوست بنانے کی ممانعت کرتا ہے۔  
مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَمِنْكُمْ ۖ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ٥٠﴾ فَتَكْرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ ۖ

(المائدة: ٥٠ / ٥٢)

”اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو تم میں سے ان کو اپنا دوست بنائے گا تو اس کا شمار بھی ان ہی میں سے ہوگا۔ اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ ہی ان میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں کا حکم علی الاطلاق نہیں ہے کہ ہر یہودی، نصرانی یا کافر پر اس کا اطلاق ہو، ورنہ یہ بات ان آیتوں اور نصوص کے متناقض ہوگی جن میں خیر و بھلائی پسند لوگوں کے ساتھ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، دوستانہ تعلقات کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ پھر اہل کتاب کے ساتھ مصاہرت (سراپی) کا رشتہ اور کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے جبکہ زوجیت کا تعلق قرآن کے نزدیک باعثِ مودت و رحمت ہے۔ اور نصاریٰ کے بارے میں قرآن کا بیان ہے کہ تم انہیں اپنا قریبی دوست پاؤ گے۔

جن آیتوں میں موالات سے منع کیا گیا ہے ان کا تعلق دراصل ایسے لوگوں سے ہے جو اسلام کے دشمن اور مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہوں۔ ان کی مدد اور پشت پناہی کرنا، انہیں راز دار بنانا اور ملی مفاد کے خلاف انہیں اپنا حلیف بنا کر ان کی قربت حاصل کرنا، کسی مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔ اس کی صراحت دوسری آیتوں میں کی گئی ہے: مثلاً سورہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةَ دُونِكُمْ لَا يَأْتُونَكُمْ خَبْرًا ۖ

وَذُوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ  
اَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآیٰتِیْنَ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هَآنَتْكُمْ اَوْلَآءُ تُحِبُّوْنَهُمْ  
وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ ﴿۱۱۹﴾ (آل عمران: ۱۱۸-۱۱۹)

”اے ایمان والو! اہل ایمان کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھیں گے۔ جو بات تمہارے لیے باعثِ زحمت ہو وہ ان کو محبوب ہے۔ ان کا بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے اپنے احکام واضح کر دیے ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ یہ تم ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔“

اس آیت میں ایسے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو مسلمانوں سے نفرت و عداوت کو دل میں چھپاتے ہیں، لیکن ان کی گفتگو سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَاَوْ  
كَوْا نُوًا اَبَآءَهُمْ اَوْ اِبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ﴿۲۲﴾

(المجادلة: ۲۲/۸۵)

”جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تم ان لوگوں سے محبت کرتے ہوئے کبھی نہ پاؤ گے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ان کے بھائی ہوں یا اہل خاندان۔“  
اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا مطلب محض کفر کرنا نہیں ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنا ہے۔  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اَعْدٰٓى وَّعَدُوْكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ  
بِالْمُودَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ

أَنْ تُوَفَّنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ ۖ (الممتحنة: ۱/۶۰)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان سے دوستی کا اظہار کرتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آچکا ہے اس سے وہ انکار کر چکے ہیں۔ وہ رسول کو اور تم کو اس بنا پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔“

یہ آیت مشرکین مکہ کے ساتھ موالات (دوستانہ تعلقات) کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کی تھی اور مسلمانوں کو ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا تھا، محض اس بنا پر کہ مسلمان کہتے تھے: ”ہمارا رب اللہ ہے۔“ ایسے لوگوں کے ساتھ موالات کے تعلقات کسی حال میں جائز نہ تھے۔ اس کے باوجود قرآن نے ان لوگوں سے دوستی کی امید منقطع کرنے کے لیے نہیں کہا اور نہ ان سے قطعی طور پر مایوسی کا اعلان کیا، بلکہ مسلمانوں سے کہا کہ وہ حالات کی تبدیلی اور دلوں کی صفائی کے لیے پر امید رہیں، چنانچہ اسی سورہ میں چند آیتوں کے بعد فرمایا ہے:

﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوْدَّةً ۗ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (الممتحنة: ۷/۶۰)

”عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت ڈال دے جن سے تمہاری دشمنی ہے۔ اللہ بڑی قدر والا ہے۔ اور وہ غفور و رحیم ہے۔“

قرآن کی اس تنبیہ کے نتیجہ میں دشمنی کی حدت کم ہو جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

((أَبْغَضُ عَدُوِّكَ هَوْنًا مَّا عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا)) ❶

”اپنے دشمن سے بغض کس قدر کم رکھو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔“

❶ ترمذی، کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی الاقتصاد فی الحب والبغض، ح: ۱۹۹۷۔ شعب الایمان (۵/۲۶۰، ح: ۶۵۹۳)۔

البتہ دشمنوں سے موالیات کی حرمت اس صورت میں مؤکد ہو جاتی ہے جبکہ وہ ایسے قوی ہوں کہ ان سے لوگ توقعات رکھتے ہوں اور ڈرتے بھی ہوں۔ منافق اور دل کے مریض ایسے لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے اور ان کے کام آتے ہیں، اس امید پر کہ کل کو یہ بات ان کے حق میں سودمند ثابت ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا آيَةٌ ۖ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُضْبِحُوا عَلَى مَا أَسْرَوْا فِي أَنْفُسِهِمْ لَذِينَ ﴿٥٢﴾﴾ (المائدة: ٥٢)

”تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ ہی ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں۔ مگر بہت ممکن ہے کہ اللہ تمہیں فتح بخشے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے تو یہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس پر نادم ہوں گے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَلِيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۖ﴾ (النساء: ١٣٨-١٣٩)

”منافقوں کو یہ خوشخبری سناؤ کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کے ہاں عزت کے خواہاں ہیں؟ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔“

مسلمان حکام ہوں یا رعایا، فنی امور میں جو دین سے متعلق نہیں ہیں مثلاً: طب، صنعت، زراعت وغیرہ میں غیر مسلموں سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں، اگرچہ ان کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ ان تمام امور میں خود کفیل ہوں۔

سیرت نبوی میں ہمیں یہ واقع ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک عبد اللہ بن

اریقہ کی ہجرت کے موقع پر رہبری کے لیے خدمات حاصل کی تھیں۔ ❶ علماء کہتے ہیں: رہبری سے زیادہ خطرناک بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ خاص طور سے مدینہ کی ہجرت کا معاملہ تو بڑا ہی پر خطر تھا، لیکن جب آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں بھی ایک کافر کی خدمات حاصل کر لیں تو اس سے واضح ہوا کہ کسی کے کافر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر کسی معاملہ میں بھی بھروسہ نہ کیا جائے۔ جو علماء اس کے قائل ہیں ان میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام جنگی معاملات میں غیر مسلموں اور خاص طور سے اہل کتاب کا تعاون حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایسی صورت میں مسلمانوں کی طرح ان کا حصہ بھی مالی غنیمت میں مقرر کر سکتا ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے بعض یہودیوں سے جنگ کے موقع پر تعاون حاصل کیا تھا اور ان کے لیے مالی غنیمت میں حصہ مقرر کیا تھا۔ اور صفوان بن امیہ نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے حالانکہ اس وقت وہ مشرک تھے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ جس کا تعاون حاصل کیا جائے اس کے بارے میں مسلمانوں کی رائے اچھی ہو۔ اگر مسلمانوں کو اس پر بھروسہ نہ ہو تو ایسے شخص کا تعاون حاصل کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ جب ہم کسی ایسے مسلمان کا تعاون حاصل کرنے سے احتراز کرتے ہیں جو لوگوں کو خوفزدہ کرتا ہو یا افواہیں پھیلاتا ہو، تو کافر سے بدرجہ اولیٰ احتراز کرنا چاہیے۔ ❷

مسلمان کا غیر مسلم کو ہدیہ دینا، اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کے بدلہ میں ہدیہ دینا جائز ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے غیر مسلم بادشاہوں کے ہدیے قبول فرمائے تھے۔ ❸ ❹

❶ سیرۃ ابن ہشام (۱۱۲/۲) مستدرک حاکم (۸/۳) ہو عند البخاری، فی کتاب مناقب الانصار: باب ہجرة النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ، ح: ۳۹۰۵، ولکن لیس فیہ تبیین اسمہ۔  
❷ المغنی، ج ۸، ص ۴۱۔

❸ مسند احمد بن حنبل، ۱/۹۲، ۱۴۵؛ جامع ترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی قبول ہدایا المشرکین؛ رقم الحدیث: ۱۵۷۶؛ مسند بزار رقم الحدیث: ۷۷۸؛ ولہ شواہد عند البخاری فی کتاب الہبۃ، باب قبول الہدیۃ من المشرکین، رقم الحدیث: ۲۲۱۵، ۲۶۱۶۔

❹ مسند احمد (۱/۹۶-۱۴۵)۔ ترمذی، کتاب السیر: باب ما جاء فی قبول ہدایا المشرکین، ح: ۱۵۷۶۔ ولحدیث شواہد عند البخاری فی کتاب الہبۃ: باب قبول الہدیۃ من المشرکین، ح: ۲۶۱۶، ۲۶۱۵ وغیرہ۔

حدیث کے حفاظ کہتے ہیں: ”ایسی حدیثیں بہ کثرت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کفار کا ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ”نجاشی نے مجھے ایک کپڑے کا جوڑا اور ریشم بھیجا ہے۔“ ❶

اسلام انسان کا انسان ہونے کی حیثیت سے احترام کرتا ہے۔ اور اگرچہ وہ اہل کتاب میں سے ہو نیز معاہد یا ذمی بھی ہو، تو ایسا شخص اسلام کی نظر میں کہیں زیادہ لائق احترام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ جانے لگا تو آپ ﷺ اس کے لیے کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا: ”کیا وہ انسان نہیں ہے؟“ ❷

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر انسان لائق احترام ہے اور ہر ایک کا بحیثیت انسان ایک مقام ہے۔

اسلام کی رحمت عامہ جانوروں کو بھی شامل ہے:

غیر مسلموں کے ساتھ بدسلوکی اور اذیت دہی کس طرح جائز ہو سکتی ہے جبکہ اسلام ہر ذی روح پر رحم کرنے کی ہدایت کرتا ہے یہاں تک کہ بے زبان جانور کے ساتھ بھی سنگدلانہ برتاؤ ناپسندیدہ عمل ہے۔

اسلام نے تیرہ سو سال پہلے جانوروں کے ساتھ نرمی برتنے کی تعلیم دی تھی۔ اس کے نزدیک جانوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ایمان کی ایک شاخ ہے اور ان کو اذیت پہنچانا اور سنگدلی برتنا، یہ عمل آدمی کو دوزخ کا مستحق بناتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک واقع سنایا کہ ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی شدت سے بے دم ہو رہا تھا، وہ شخص یہ دیکھ کر خود کنویں میں اتر گیا اور اپنے موزے میں پانی بھر کر لایا اور اس کتے کو پلا دیا، یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا۔ آپ ﷺ

❶ مسند احمد (۶/۴۰۴) صحیح ابن حبان (۷/۲۸۶) واسنادہ ضعیف۔

❷ بخاری، کتاب الجنائز: باب من قام للجنائزۃ بھودی، ح: ۱۳۱۲۔ مسلم، کتاب الجنائز: باب القيام للجنائزۃ: ح: ۹۶۱۔

نے فرمایا: ”اللہ نے اس کی اس خدمت گزاری کی قدر کی اور اس کی مغفرت فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہمارے لیے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بھی اجر ہے؟ فرمایا:

((فِي كُلِّ كَبِيدٍ رَطْبَةٌ أَجْرٌ)) ❶

”ہر تر جگر (جاندار) کے ساتھ حسن سلوک کرنا باعثِ اجر ہے۔“

اس روشن نیک پہلو کے ساتھ جو مغفرت اور رضائے الہی کے حصول کا ذریعہ ہے، نبی کریم ﷺ نے دوسرے پہلو کی بھی نشاندہی فرمائی ہے جو اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کا موجب ہے۔

فرمایا:

((دَخَلَتْ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا فَلَا هِيَ أَطْعَمَتَهَا وَلَا هِيَ تَرَكْتَهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ)) ❷

”ایک عورت کو اس وجہ سے آگ میں داخل کر دیا گیا کہ اس نے ایک بلی کو بند کر رکھا تھا۔ نہ اسے کچھ کھلاتی تھی اور نہ کھلا چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھالے۔“

حیوان کی حیوانیت کا احترام بھی آپ ﷺ اس درجہ فرماتے تھے کہ گدھے کے چہرہ پر داغ دینا بھی گوارا نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک گدھے کو دیکھا جس کے چہرہ پر داغ دیا گیا تھا تو بڑی ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا:

((وَاللَّهِ لَا أَسْمُهُ إِلَّا فِي أَقْصَى شَيْءٍ مِنَ الْوَجْهِ)) ❸

”واللہ! میں تو چہرہ کو چھوڑ کر بہت دور داغ دیتا ہوں۔“

❶ بخاری، کتاب المساقاة: باب فضل سقى الماء، ح: ۲۳۶۳۔ مسلم، کتاب السلام: باب فضل سقى البهائم المحترمة، ح: ۲۲۴۴۔

❷ بخاری، کتاب المساقاة: باب فضل سقى الماء، ح: ۲۳۶۵۔ مسلم، کتاب السلام: باب تحريم قتل الهرة، ح: ۲۲۴۲۔

❸ مسلم، کتاب الآداب: باب النهی عن ضرب الحيوان في وجهه، ح: ۲۱۱۸۔



ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک گدھا آپ ﷺ کے سامنے سے گزرا جس کے چہرہ پر داغ دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

((أَمَا بَلَّغَكُمْ أَنِّي لَعَنْتُ مَنْ وَسَمَ الْبَهِيمَةَ فِي وَجْهِهَا أَوْ ضَرَبَهَا فِي وَجْهِهَا)) ❶

”کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو جانور کے چہرہ پر داغ دے یا اس کے چہرہ پر مارے۔“

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے تیر اندازی سیکھنے کے لیے مرغی کو ہدف بنایا ہوا ہے تو آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنْ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ عَرَضًا)) ❷

”نبی ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے، جو کسی ذی روح کو (نشانہ بازی کے لیے) ہدف بنالے۔“

اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ)) ❸

”نبی ﷺ نے جانوروں کو مقابلہ بازی میں لڑانے سے منع فرمایا ہے۔“

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ إِخْصَاءِ الْبَهَائِمِ نَهْيًا شَدِيدًا)) ❹

❶ ابو داؤد، کتاب الجہاد: باب النہی عن الوسم فی الوجہ، ح: ۲۵۶۴، وهو عند مسلم فی صحیحہ (۲۱۱۷) مختصرًا۔

❷ بخاری، کتاب الذبائح: باب ما یکرہ من المثلۃ والمصبورۃ، ح: ۵۵۱۵، مسلم، کتاب الصيد: باب النہی عن صبر البہائم، ح/ ۱۹۵۸۔ واللفظ لہ۔

❸ ابو داؤد، کتاب الجہاد: باب فی التحریش بین البہائم، ح: ۲۵۶۲۔ ترمذی، کتاب الجہاد: باب ما جاء فی کراہیۃ التحریش بین البہائم، ح/ ۱۷۰۸۔ واسنادہ ضعیف۔

❹ مجمع الزوائد (۲۶۵/۵) بحوالہ البزار (۱۶۹۰) بیہقی فی السنن الکبریٰ (۲۴/۱۰) وللحدیث شواہد۔

”نبی ﷺ نے جانوروں کو خسی کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔“

اہل جاہلیت جانوروں کے کان چیرا کرتے تھے۔ قرآن نے اس کی بھی مذمت کی اور اسے شیطانی وساوس سے تعبیر کیا۔

ذبیحہ کی بحث میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اسلام اس بات کا کس قدر خواہاں ہے کہ ذبح کرنے کا زیادہ سے زیادہ راحت رساں طریقہ اختیار کر کے ذبیحہ کو آرام پہنچایا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں اسلام نے تیز چھری کو استعمال کرنے، اس کو جانور کی نظر سے چھپانے اور دوسرے جانوروں کے سامنے اس کو ذبح نہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔

جانور پر اسلام کی اس درجہ عنایت و مہربانی جو تصور سے بالاتر ہے ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔





## ہماری ساری زندگی حرام و حلال کے گرد گھومتی ہے



ہر مسلمان کی زندگی حلال و حرام کے گرد ہی گھومتی ہے۔ حلال کیا ہے؟ جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہو اور حرام کیا ہے؟ جس سے اللہ اور اس کے آخری رسول نے منع فرمادیا۔ ذرا اندازہ کیجئے ہم حرام امور کا ارتکاب کر کے کتنے بڑے خسارے میں پڑ سکتے ہیں، حرام کھانے سے عبادات قبول نہیں ہوتیں اور حرام کیے گئے امور کے ارتکاب سے ہم اللہ کی ناراضی کا مستحق ٹھہرتے ہیں۔ جب حرام کھانے سے جسم حرام غذا کا عادی ہو جاتا ہے اور عبادات نامقبول و ضائع ہو جاتی ہیں تو انسان کے پلے رہ گیا جاتا ہے !!! کہ جس کی بنا پر وہ اخروی کامیابی کا طلبگار و خواہش مند بن سکے۔ یوں اس کی دنیا برباد، آخرت میں ناکامی و نامرادی اور جہنم کا ایندھن بننا مقدر ٹھہرتا ہے۔

**آئیے!!** ہم اپنی عبادات و معاملات کو حرام کی آمیزش سے بچا کر اللہ کریم کے غضب کا شکار ہونے سے بچ جائیں اور اپنی عبادات و اعمال صالح کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے..... جنتوں کے مالک بننے..... اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی سے بچنے..... عبادات کو مقبول بنانے..... حلال اور حرام میں تمیز کرنے کے لیے..... یہ کتاب ایک سوٹی ہے، آج ہی اس کی دی گئی ہدایت کے مطابق پُر سکون زندگی گزار کر اللہ کریم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے اور اپنے ایمان کو حرام امور کے تباہ کن اثرات سے محفوظ کرنے کے لیے اس کتاب ”اسلام میں حلال و حرام“ کا مطالعہ کریں۔ اور کامیابی کی سیڑھیاں چڑھ کر فردوس کے بالا خانوں کے مقیم بن جائیں۔ **ان شاء اللہ**

محمد طاہر نقاش



## دارالابلاغ

کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ